ہنستا کھیلتا

عدنان شاہد کی یاد میں کالم، تاثرات اور تعزیتی ریفرنس

مرتبہ: سجاد جہانیہ - عبدالجبار

پیش لفظ: ضیا شاہد

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب..........ہنستا کھیلتا

طابع..........مزمل پرنٹرز

ناشر..........خبریں پبلشرز

سن اشاعت..........2007

تعداد..........ایک ہزار

قیمت 300روپے

Marfat.com

فہرست

1	سر آغاز		7
2	پیش لفظ	ضیا شاہد	11
3	میرا بھائی۔ میرا دوست۔ میرا ہمراز	ڈاکٹر نوشین عمران	32
4	My Soul Mate	حمیرا اویس شاہد	47
5	عدنان بھائی کے لیے	امتنان شاہد	64
6	میرے بابا	نوفل اویس شاہد	71
7	میرا خواب	تامنہ عمران	75
8	بیٹا جو باپ پر قربان ہو گیا	میجر ثاقب الرحیم	77
9	ہمارے عدنان بھائی	دریمہ عاطف	84
10	تعزیتی ریفرنس۔ لاہور پریس کلب		92
11	تعزیتی ریفرنس۔ خبریں فورم		106
12	عدنان شاہد...... صرف 37 سال	حسن نثار	121
13	بار امانت	ہارون الرشید	124
14	حشر کو ابھی بہت دن باقی ہیں	جاوید چودھری	128
15	جب احمد ﷺ مرسل نہ رہے	مجیب الرحمٰن شامی	133
16	اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے	الطاف حسن قریشی	138
17	ایڈی نہیں مرسکتا	بشریٰ رحمٰن	141
18	موت بڑی کہ انسان	اجمل نیازی	145
19	تنہائیوں کا شور تھا خالی مکان میں	آفتاب اقبال	149
20	خاک میں کیا صورتیں......!!	فاروق قیصر	153
21	وہ لوٹ آیا ہے	راجہ انور	157

Marfat.com

22 ایک نجیب نوجوان کی رخصتی	خالد مسعود خان	160
23 اولاد کے جنازے اٹھانے والے والدین کا دکھ	اطہر مسعود	165
24 عدنان شاہد امر ہونے کے لیے آئے تھے	فاطمہ ثریا بجیا	170
25 ایک ایڈیٹر' ایک دوست	راشد رحمٰن	175
26 اور اے ابراہیم تمہاری جدائی	بشریٰ اعجاز	181
27 عدنان شاہد کی تلاش	صولت رضا	186
28 صحافت کا چاند	خواجہ پرویز	192
29 دست اجل	صوفیہ بیدار	195
30 ہجر کی راتیں	شیریں حیدر	200
31 زرے آنسو	محمد صغیر قمر	207
32 لے او یار حوالے رب دے	منیر احمد بلوچ	213
33 تمہاری خوشبو	ظہور احمد دھریجہ	218
34 الوداع عدنان شاہد	سجاد جہانیہ	222
35 ''فرقہ جدیدیہ'' کا درویش	طارق حمید	228
36 زندگی ایک امانت	ریما خان	234
37 آہ! عدنان شاہد	شریف فاروق	237
38 ایک اچھا انسان	اسحاق چودھری	239
39 نوجوان ایڈیٹر کی ناگہانی جدائی	محمد حسین ملک	244
40 عدنان شاہد: خارزار صحافت کا گلاب	ادیب جاودانی	247
41 عدنان شاہد کی بے وقت موت	محسن گورائیہ	250
42 عدنان شاہد: کس بات کی جلدی تھی	نسیم شاہد	255
43 مسکراتا چہرہ آنکھوں کے سامنے رہے گا	شوکت اشفاق	258
44 وہ جو اپنا تھا	میاں افضل	261
45 ایک الوداع بھی جاوداں کرتی ہے	غلام اکبر	264

Marfat.com

46	جیتے جو کوئی دن اور	سلمیٰ اعوان	266
47	ذرا جو تم ٹھہر جاتے	امیر نواز نیازی	269
48	عدنان شاہد کی یاد میں	جمیل اطہر	273
49	جدید صحافت کا علمبردار	ڈاکٹر احسن اختر ناز	276
50	وہ قیامت کے آٹھ دن	طاہر رشید	279
51	والدین کی خدمت کا صلہ جنت	علیم چودھری	284
52	میرا درویش بیٹا عدنان شاہد	طاہر رشید	287
53	عجب آزاد مرد تھا	عبدالودود قریشی	290
54	لفظ کہاں سے لاؤں	اعجاز حشمت خان	293
55	اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا	ظفر آہیر	296
56	یقین نہیں آتا	عبدالقدوس منہاس	301
57	اپنے ایڈیٹر سے ایک غیر رسمی نشست	شازیہ انوار	304
58	ایک کارکن۔ایک ایڈیٹر	مظہر جاوید	309
59	میرا ایڈیٹر۔میرا کولیگ	محمد قذافی بٹ	312
60	امتنان شاہد کا "ردِعمل"	ریاض جاوید	316
61	ایک آفاقی سچائی	نیاز حسین لکھویرا	319
62	اڈی ہم تمہیں مس کرتے ہیں	احمد کمال بی	322
63	ایک کشادہ ظرف دوست کی یاد میں	خرم جاوید	329
64	ایک دوست۔ایک ہمراز	بشر عبدالرحمٰن	333
65	اڈی میرا دوست	فواد ڈوڈھی	338
66	کل کس نے دیکھا ہے	زیبا نورین	343
67	کچھ یادیں کچھ باتیں	ثمینہ مسعود	347
68	گنوا کے تجھ کو	محمد بلال غوری	350
69	چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے	احمد رضا	354

Marfat.com

70	عدنان......... یہ کیا!	سہیل پرواز	359
71	محبت بھری ڈانٹ آج تک نہیں بھولا	اکمل وینس	364
72	عدن کا مسافر	رسالت فاضل عباسی	367
73	خوب تر کا متلاشی	عمار غالب	370
74	شرفِ انسانیت سے مالا مال صحافی	عبدالستار عاصم	373
75	اپنی شناخت بنا گیا	محمد علی شیخ	376
76	آہ! عدنان شاہد	محمد مسعود بھسین	379
77	پیارے عدنان شاہد کے لیے	صدیق اظہر	382
78	محبت کرنے والی روح	ڈاکٹر اشرف چوہان	385
79	نیک دل باس	محمد نعمان	389
80	اظہار تعزیت	چودھری خادم حسین	397
81	دلوں کا شہزادہ	محمد علی	400
82	وہ تیز قدم	محمد فاروق عادل	403
83	عدنان شاہد۔ صحافت کا مکبر	ڈاکٹر ندیم گیلانی	408
84	یادیں رہ جاتی ہیں	ناصر اسلم راجہ	412
85	جواں مرگ عدنان شاہد (نظم)	ریاض الرحمٰن ساغر	416
86	عدنان شاہد کا ایک انٹرویو		418
87	ایک خط	جاوید اقبال	425
88	خواب غفلت سے بیداری	عدنان شاہد	428

Marfat.com

سرآغاز

خبریں گروپ کے چیف ایگزیکٹو جناب ضیا شاہد کے بڑے صاحبزادے اور گروپ کے انگریزی اخبار دی پوسٹ کے ایڈیٹر عدنان شاہد 9 فروری 2007ء کو لندن میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے تھے۔ وہ اپنے والد کا چیک اپ کرانے کیلئے امریکہ گئے تھے جہاں سے واپسی پر دو دن کیلئے لندن رکے۔ اس دوران ٹکٹوں پر سٹمپ کرانے کیلئے ایئر لائن کے دفتر گئے جہاں ٹریول ایجنسی کے دفتر میں ہی پڑنے والا دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔ 8 دن بعد یعنی 17 فروری کو ان کا جسد خاکی پاکستان پہنچا اور ماڈل ٹاؤن گراؤنڈ لاہور میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں 10 ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی اور پھر انہیں قریبی قبرستان مڑیاں میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ ایک ایسی موت تھی جس پر یقین کرنے کو دل کسی طور مانتا ہی نہیں مگر اس کی مشیت کے آگے کس کی چلتی ہے۔ عدنان شاہد کی وفات اور ان کا جسد خاکی پاکستان آنے کے درمیان جو آٹھ دن حائل تھے ان کا ایک ایک پل قیامت تھا۔ اس دوران کونسی آنکھیں تھیں جو نم نہ ہوئی ہوں اور کون تھا جس کا ان کے والد' والدہ اور بہن بھائیوں کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو نہ آیا ہو۔ تعزیت کرنے والوں کا گویا تانتا بندھا رہتا تھا۔ ملک کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز افراد کے ساتھ ساتھ عام محنت کش طبقے تک ہر کسی کی خواہش تھی کہ وہ عدنان شاہد کیلئے دعائے مغفرت میں ضرور شریک ہو۔ صدر جنرل پرویز مشرف' وزیراعظم شوکت عزیز' وزیر اطلاعات محمد علی درانی' وزیر ریلوے شیخ

Marfat.com

رشید' بزرگ صحافی جناب مجید نظامی' عارف نظامی' مجیب الرحمٰن شامی' میر شکیل الرحمٰن' میر ابراہیم' گورنر سرحد علی محمد جان' وزیر اعلیٰ سرحد اکرم خان درانی' گورنر پنجاب خالد مقبول' وزیر اعلیٰ پنجاب چودھری پرویز الٰہی' میاں شہباز شریف' چودھری شجاعت حسین' وزیر مملکت طارق عظیم' ہمایوں اختر' نصراللہ دریشک' میجر (ر) ضیا الحسن خان' اعتزاز احسن' تہمینہ دولتانہ' سمیعہ راحیل قاضی' ایس ایم ظفر' نوریز شکور' نذیر ناجی' ڈی آئی جی ٹریفک الطاف قمر' طارق عزیز' اشرف عظیم' ذوالفقار کھوسہ' ارشد اودھی' عامر سلطان چیمہ' قاضی حسین احمد' فاروق لغاری' راجہ ظفر الحق' میجر جنرل احمد نواز' حمید ہارون' شعیب بن عزیز' اظہر محمود' بشریٰ رحمان' کرنل شجاع خانزادہ' آصف یٰسین' لیاقت بلوچ' حنیف جالندھری' چیئرمین سینٹ احمد نواز سومرو' عباس اطہر' حسن نثار' ملک ریاض' ٹکا خان' ملک اقبال' اسلم گھمن' وزیر اعلیٰ سندھ ارباب غلام رحیم' جہانگیر ترین' میاں عامر' تیمور عظمت عثمان' اظہر حسن ندیم' رانا ثناءاللہ۔ صدر آزاد کشمیر راجہ ذوالقرنین' مونس الٰہی' وفاقی وزیر زراعت سکندر بوسن' اعجاز الحق' راجہ بشارت' عمران خان' شاہ محمود قریشی' آئی جی پنجاب احمد نسیم' ڈی سی او میاں اعجاز' میاں اسلم اقبال' حسین جہانیاں گردیزی' اخلاق احمد گڈو' اقبال خاکوانی' ڈاکٹر اسرار احمد' عاصمہ جہانگیر' چودھری جعفر اقبال اور اسی طرح کی دیگر کئی محترم شخصیات ہیں جنہوں نے جناب ضیا شاہد کے گھر جا کر تعزیت کی۔

مختلف شہروں میں عدنان شاہد کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی گئی۔ ملتان' گوجرانوالہ' پشاور' کراچی' اسلام آباد اور حیدر آباد میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ بہاولپور' لیہ' گجرات' جھنگ' ساہیوال' قصور' دنیاپور' منڈی بہاؤالدین' سمبڑیال' ڈسکہ' اکوکی' پاکپتن اور اوکاڑہ میں بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔

Marfat.com

یہ امر واقعہ ہے کہ عدنان شاہد مرحوم کیلئے جس قدر لکھا گیا شاید ہی پاکستان کے کسی مرحوم صحافی کیلئے لکھا گیا ہو۔ درد اور غم میں ڈوبی ہوئی یہ تحریریں دل کو ہلا کر رکھ دیتی تھیں۔ ہر لکھنے والا ایک نئے پہلو پر لکھتا تھا اور مرحوم کی ایسی خوبیاں بھی سامنے آئیں جن کے متعلق پہلے ان کے والدین بھی نہیں جانتے تھے' یہ تمام جیتی جاگتی اور زندہ تحریریں تھیں۔ ان تحریروں نے عدنان شاہد کو ہمیشہ کیلئے امر کر دیا۔ یہ تحریریں صرف ''خبریں'' میں نہیں تمام قومی و علاقائی اخبارات میں شائع ہوئیں۔ لکھاریوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے شاید پہلی دفعہ کچھ لکھا تھا لیکن یہ ان کے جذبات تھے جو الفاظ کے سانچے میں ڈھلے اور جب سچے جذبات الفاظ کا روپ دھارتے ہیں تو اس سے طاقتور تحریر کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

ان تحریروں میں معروف کالم نویسوں کے کالم بھی ہیں جو مختلف اخبارات میں چھپے۔ خبریں کے لکھنے والوں کی تحریریں بھی ہیں۔ عدنان شاہد کے بارے میں پریس کلب لاہور میں جو تعزیتی ریفرنس منعقد ہوا' اس کی اور خبریں فورم میں منعقد ہونے والے ریفرنس کی روداد بھی شامل ہے۔ عدنان شاہد کے ذاتی دوستوں کے تاثرات کے علاوہ شاید سب سے اہم حصہ ان کے اہل خانہ میں سے چند ایک کے مضامین ہیں جنہوں نے عدنان شاہد کی زندگی کے بعض نئے اور اچھوتے گوشے بے نقاب کیے ہیں۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مغربی لباس پہننے اور انگریزی بولنے اور لکھنے والا اندر سے کیسا دردمند دل کا حامل درویش منش نوجوان تھا۔ البتہ ایک مضمون' انٹرویو یا تاثرات جو کسی طرح شامل اشاعت نہ ہو سکا۔ وہ محترمہ یاسمین شاہد کا ہے۔ ماں نے کسی بھی درخواست کو تسلیم نہ کیا اور اس موضوع پر گفتگو کیلئے بھی تیار نہ ہوئیں لیکن ہم مرتبین نے ضیا شاہد صاحب کو کسی نہ کسی طرح لکھوانے پر راضی کر لیا پھر بھی ان کے تاثرات

Marfat.com

تشنہ سے لگتے ہیں۔ اس امر کا اظہار ان سے کیا گیا تو کہنے لگے "میں نے جس بچے کو پہلی دفعہ گود میں اٹھایا اور ڈاکٹر کے پاس لے گیا اس کے 37 سال کی روداد کیسے لکھوں۔ بس میں یہی محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بہت نفیس روح مجھے امانت کے طور پر دی اور شاید میں اسے اچھی طرح نہ رکھ سکا اس لیے قدرت نے اپنی امانت اتنی جلدی واپس لے لی۔ دنیاوی رشتے سے وہ میرا بیٹا ضرور تھا لیکن زمین اور آسمان کے درمیان پھیلی ہوئی اربوں کھربوں روحوں میں سے ایک نیک روح تھا" اور پھر ضیا صاحب نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا کہ "یہ بات میرے لیے خوش آئند ہے کہ اللہ نے اتنی نیک روح کو میرے پاس بیٹا بنا کر بھیجا۔" دو اور تاثرات بھی ہیں جنہیں لکھوانے والے بولنے سے زیادہ آنسو بہاتے رہے البتہ ان کے جذبات کسی نہ کسی طرح قلمبند ضرور ہو گئے۔ ان میں ایک عدنان شاہد کی شریک حیات حمیرا اویس اور دوسری ان کی اکلوتی بہن ڈاکٹر نوشین شامل ہیں۔

یہ تحریریں ایک جگہ اکٹھے کرنے کی ذمہ داری ہمیں سونپی گئی جسے ہم نے زیر نظر کتاب کی شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔

سجاد جہانیہ' عبدالجبار

Marfat.com

پیش لفظ

اللہ دے حوالے عدنان صاحب! اللہ دے سپرد

ضیا شاہد

جولائی کی اکیس تاریخ تھی اور 1969ء کا سن' جب سمن آباد لاہور کے مکان نمبر N-244 میں عدنان پیدا ہوا۔ خوب گورا چٹا' مگر کمزور تھا۔ ہماری رہائش ان دنوں 476۔ مین روڈ سمن آباد میں تھی۔ یاسمین این بلاک میں اپنے بھائی کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ عدنان کی پیدائش وہیں ہوئی۔ کوئی سال بھر پہلے نوشین ہمارا آنگن آباد کر چکی تھی اس کے بعد عدنان آیا تو ہمارا گھر جیسے خوشیوں اور مسرتوں سے لبالب ہو گیا۔

ابھی وہ دس دن کا تھا کہ اسے شدید قسم کا یرقان ہوا۔ کمزور تو پہلے ہی تھا اوپر سے یرقان کا حملہ، خوشیاں جیسے گہنا گئیں۔ سمن آباد کے پہلے گول چکر کے پاس کیپٹن ڈاکٹر ایم اے شکور کا کلینک ہوا کرتا تھا۔ روزانہ شام ہم عدنان کو ان کے کلینک پر لے کر جاتے۔ یاسمین تو عدنان کی دیکھ بھال میں لگی رہتیں۔ میں ان دنوں اردو ڈائجسٹ سے منسلک تھا، پیشہ ایسا تھا کہ ہمیشہ عدیم الفرصت رہا۔ نوشین بہت چھوٹی تھی چنانچہ اسے سنبھالنے کی ذمہ داری بھی میری مصروفیات میں شامل ہو گئی۔ کوئی مہینہ بھر علاج چلتا رہا' اللہ نے اپنا کرم کیا اور عدنان صحت یاب ہو گیا۔

Marfat.com

ایک سال کا فرق ہونے کی بنا پر نوشین اور عدنان میں بڑی گہری دوستی تھی۔ ان کو ایک ہی دن سکول داخل کروایا گیا۔ پہلی سے پانچویں تک وہ دونوں سمن آباد کے ریڈ نیٹ وے سکول میں ایک ہی جماعت اور ایک ہی سیکشن میں پڑھتے رہے۔ چھٹی جماعت سے ان کے سکول الگ ہوگئے۔ عدنان کو کریسنٹ ماڈل سکول شادمان میں داخل کروایا جہاں وہ میٹرک تک زیر تعلیم رہا۔ وہ بڑا ذہین اور محنتی طالب علم تھا۔ کرکٹ بھی کھیلتا تھا اور اسکول کی ٹیم میں شامل تھا۔ کریسنٹ سکول میں طاہر شادانی صاحب اس کے اردو کے استاد ہوا کرتے تھے وہ عدنان کی صلاحیتوں کے بڑے معترف تھے۔ ساتویں جماعت کے امتحان کے دوران اردو کے پرچے میں "چاندنی رات" کے موضوع پر مضمون شامل تھا۔ عدنان نے اس مضمون میں کچھ ایسی تصویر کشی کی کہ طاہر شادانی صاحب ایک دفعہ گھر آئے تو انہوں نے بتایا کہ مضمون پڑھ کر میں اچنبھے میں آگیا۔ اس قدر خوبصورت تحریر اور منظر کشی تھی، میں سوچتا رہا کہ ساتویں جماعت کا طالب علم اس قدر اچھا کیونکر لکھ سکتا ہے اور مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ نمبر کہاں سے کاٹوں۔ بالآخر میں نے دس میں سے نو نمبر دیئے کہ اردو کے پرچے میں پورے نمبر دے نہیں سکتا تھا۔ طاہر شادانی صاحب نے کہا کہ آپکا بچہ بے حد ذہین اور Imaginative ہے اور بے حد حساس بھی، اس کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ نہ کیا کریں۔

عدنان کی انگریزی سکول کے زمانے سے ہی اچھی تھی۔ اس کی انگلش کی ٹیچر بڑی تعریف کیا کرتی تھیں اور اس پر خصوصی توجہ دیتیں۔ کریسنٹ سکول کا جو سالانہ رسالہ نکلتا ہے اس میں عدنان کے مضمون چھپا کرتے تھے۔ انگریزی میں وہ شاعری بھی کرتا تھا۔ چھوٹی موٹی نظمیں سکول کے زمانے سے ہی کہنے لگا تھا۔ بعد میں عملی زندگی میں آنے کے بعد بھی اس کا یہ شوق برقرار رہا، اپنی انگریزی شاعری اکثر وہ سابق ڈی جی پی آر شعیب بن عزیز کو سنایا کرتا تھا۔

Marfat.com

[illegible] ضیا شاہد کے ہمراہ

Marfat.com

زمانۂ شیر خوارگی

Marfat.com

میں اس بات پر فخر کر سکتا ہوں کہ عدنان اچھے اداروں میں پڑھا اور ہر جگہ اس نے اپنی اہلیت اور میرٹ کی بنیاد پر داخلہ لیا۔ اس کے لئے کبھی مجھے کسی سفارش کا بندوبست نہیں کرنا پڑا۔ میٹرک میں اس نے امتیازی نمبر لئے اور گورنمنٹ کالج میں داخل ہو گیا۔ یہاں وہ چھ سال تک زیر تعلیم رہا۔ یہیں سے اس نے اکنامکس میں ایم اے کیا۔ وہ پروفیسر خالد آفتاب کا پسندیدہ شاگرد تھا۔ گورنمنٹ کالج کے دنوں میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بے حد فعال رہا۔ کرکٹ تو خیر کھیلتا ہی تھا۔ وہ ڈریمیٹک سوسائٹی کا بھی سرگرم رکن تھا اور انگریزی کے ڈراموں میں بڑے اہتمام اور شوق سے حصہ لیتا تھا۔ گورنمنٹ کالج ہی میں اس نے فخرِ عالم کے ساتھ ڈرامہ بیوٹی اینڈ بیسٹ (Beauty and Beast) کیا۔ جسے دیکھنے کے لئے ہم سب گئے۔ معروف اداکار اور ڈرامہ نویس شعیب ہاشمی اس کے استاد تھے۔ ان کو بے حد پسند کرتا تھا۔ بی اے کرنے کے بعد اس نے الحمرا کلچرل کمپلیکس میں بطور ڈائریکٹر بھی ایک انگریزی ڈرامہ کیا۔ کھیل ختم ہوا تو پوری ٹیم نے اس کو کندھوں پر اٹھالیا۔ اولاد کی کامیابیوں سے والدین کا قد بڑھ جاتا ہے اور وہ پھولے نہیں سماتے۔ میں اور یاسمین بھی بھیگی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتے رہے۔

1988ء میں عدنان نے انٹر کا امتحان دینا تھا جب جیل روڈ پر سروسز ہسپتال کے سامنے اس کے موٹر سائیکل کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور اسے سر پر شدید چوٹیں آئیں۔ لوگوں نے جنرل ہسپتال پہنچادیا۔ میں ان دنوں ''جنگ'' میں کام کرتا تھا۔ اطلاع ملنے پر میں اور یاسمین کوئی دو اڑھائی گھنٹے بعد ہسپتال پہنچے تو اطہر مسعود اور خوشنود علی خان ہم سے پہلے وہاں موجود تھے۔ وہ ہوش میں تھا اور یاسمین کو دیکھتے ہی پکارا ''امی آپ آ گئیں''۔ اس کے کان سے خون نہیں رکتا تھا۔ گیارہ روز تک انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں رکھا گیا۔ نچلی منزل پر ہم نے کمرہ لے لیا تھا۔ اس کمرے

Marfat.com

میں تمام دن جائے نماز بچھی رہتی اور ایک ماں بارگاہِ بار الہ سے بیٹے کی صحت اور تندرستی کی بھیک مانگا کرتی۔

ان دنوں نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور ڈاکٹر صفدر محمود سیکرٹری اطلاعات ہوا کرتے تھے۔ نواز شریف صاحب نے پیشکش کی کہ امریکہ کے دو ٹکٹ اور کچھ پیسے لے لیں اور بیٹے کو علاج کے لئے امریکہ لے جائیں۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور معذرت بھی کی۔ ان سے کہا کہ میرا بیٹا ہسپتال میں ہے اور اس کا علاج یہاں بھی ٹھیک ہو رہا ہے۔ آپ صرف دعا کریں وہ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ ماں کی فریادیں اور گڑگڑاہٹیں بارگاہِ عزوجل میں قبولیت کی سند سے سرفراز ہوئیں اور عدنان ٹھیک ہو گیا۔ اس دن کے بعد ہم نے گھر میں موٹر سائیکل نہیں رکھی۔

عدنان جب ایم اے کر رہا تھا تو ہم سب گھر والوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اسے صحافی نہیں بنانا مگر اس دوران میں خبریں شروع ہو رہا تھا۔ وہ امتحان دے کر فارغ ہوا تو اس نے یونہی دفتر آنا شروع کر دیا۔ عبداللہ ادیب مرحوم خبریں کے جنرل منیجر تھے۔ ان کے پاس آکر بیٹھ جاتا پھر وہ ان کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کام کرنے لگا۔ ابتدائی زمانہ تھا، وسائل کم اور کام بہت زیادہ تھا۔ رفتہ رفتہ کاغذ کی دستیابی، پرنٹنگ اور پریس کے معاملات اور لڑائی جھگڑے اس کے ذمہ ہو گئے۔ سارا سارا دن وہ ان کاموں میں چکرایا پھرتا۔ مجھے یاد ہے کہ کئی مرتبہ میں نے اسے سوتے میں اٹھایا کہ کاغذ کا ٹرک اسلام آباد نہیں پہنچا۔ وہ اٹھتا اور پھر لاہور سے اسلام آباد جانے والی جی ٹی روڈ پر آنے والے تمام شہروں کے نمائندوں سے باری باری رپورٹ لیتا کہ ٹرک کہاں سے گزر گیا ہے، کہاں پہنچا ہے اور اسلام آباد کب تک پہنچے گا۔ ایک دفعہ ٹرک راستے میں خراب ہو گیا تو عدنان نے بڑی مشکل سے دوسری سواری کا بندوبست کر کے کاغذ اسلام آباد پہنچایا۔ اس کام کیلئے وہ رات بھر بھاگا پھرتا رہا۔

Marfat.com

1994-95 میں خبریں ملتان کے آغاز سے قبل تیاریوں سے سلسلے میں وہ ملتان میں بھی مقیم رہا۔ وہاں بھی اس نے بڑی محنت سے کام کیا۔ اکیس سال کی عمر میں وہ خبریں کا مینجنگ ایڈیٹر بن گیا اور سارے سٹیشنوں کی انتظامی ذمہ داریاں نبھانے لگا تھا۔ پھر اسے مینجمنٹ سیکھنے کا شوق ہوا اور اس نے ظفر علی روڈ گلبرگ پر امریکن ایمبیسی کی سابقہ عمارت میں واقع امپیریل کالج کے ایم بی اے پروگرام میں داخلہ لے لیا۔ انہی دنوں ہم نے دوپہر کا اخبار صحافت کے نام سے شروع کیا۔ دوستوں اور ساتھیوں کا خیال تھا کہ لاہور شہر کا مزاج دوسرا ہے یہاں کسی ایوننگر کا چلنانا ممکن ہے۔ عباس اطہر صاحب اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے تھے۔ اخبار نکلا تو ساری پیشین گوئیاں اور قیاس آرائیاں غلط ثابت ہوئیں اور صحافت کی اشاعت 93 ہزار تک پہنچ گئی۔ عدنان نے اپنا ایم بی اے کا تحقیقی مقالہ (Thesis) اسی موضوع پر لکھا۔ اس کے مقالے کا عنوان تھا۔ "Eveninger Journalism in Lahore"۔

جب عدنان امپیریل کالج سے ایم بی اے کر رہا تھا تو انہی دنوں حمیرا اویس شاہد جو ابھی حمیرا احمید تھی، امپیریل کالج کے انتظامی عملہ کا حصہ تھیں۔ اس نے یہ نوکری چند ماہ ہی کی۔ نوشین کی شادی پر عدنان کے جو ملنے والے اور دوست آئے تھے ان میں حمیرا بھی شامل تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ ہمارے گھر آئیں۔ پھر 1996ء میں حمیرا کے ساتھ عدنان کی شادی طے ہوگئی۔ میری شادی جس قدر سادگی سے ہوئی تھی اس کی تمام کسریں عدنان کی شادی پر پوری کی گئیں اور ہم بڑی دھوم دھام سے بارات لے کر گارڈن ٹاؤن میں عبدالحمید بھٹی صاحب کے گھر گئے۔

عدنان بڑا سادہ اور منکسر المزاج لڑکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ شادی بڑی سادگی سے ہو اور مسجد میں نکاح پڑھ کر چھوٹا سا ولیمہ کر دیا جائے۔ اس موضوع پر خاصی بحث ہوئی مگر ماں کی خواہش تھی کہ وہ سارے ارمان پورے کریں گی۔ آخر اس نے ہار مان لی

Marfat.com

اور کہا کہ "جیسا امی کہتی ہیں ویسا ہی ہوگا۔" وہ ایسا ہی تھا گھر والوں کو، دوستوں کو، قرابت داروں کو اور دوسروں کو خوشی دے کر اور خوش دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ اس کی شادی کا ہنگامہ کئی روز تک چلا۔ امتنان اور اس کے دوستوں نے خصوصی تیاریاں کیں۔ ایک جیسے لباس بنوائے، گانوں کی ریہرسلیں کیں۔ مہندی کی الگ الگ دو رسمیں ہوئیں۔ بارات بڑی دھوم دھڑکے سے گئی اور پھر ایک ولیمہ ہوا۔ دنوں تک اس کی شادی کے تذکرے رہے۔

اس کی شادی کے بعد خوشنود علی خان ہم سے الگ ہو گئے۔ روزنامہ صحافت اور اسلام آباد کا دفتر و پریس خوشنود صاحب کے حصہ میں آیا۔ علیحدگی کے لئے تیس روز کا وقت مقرر ہوا۔ اسلام آباد میں خبریں کا نیا سیٹ اپ بنانے کا چیلنج بھی عدنان کے ذم[ے] ٹھہرایا گیا۔ پچیس سال کی عمر میں انہیں اسلام آباد جیسے اہم سٹیشن کے ریذیڈنٹ ایڈیٹ[ر] کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ وہاں سابق سٹوڈنٹ لیڈر اور خبریں کے موجودہ ریذیڈنٹ ایڈیٹر ودود قریشی سے مل کر انہوں نے کرائے کی عمارت تلاش کی۔ پریس لگوایا، سٹاف جمع کیا، تیس دن سے پہلے ہی الگ پرچہ شائع کرنا شروع کر دیا اور اسلام آباد کے اخ[بار] کو پھر سے پیروں پر کھڑا کیا۔

کرکٹ کے وہ شوقین تھے۔ اسلام آباد قیام کے دوران انہوں نے اخبارات [کے] مابین کرکٹ میچوں کا آغاز کیا۔ ایک اخبار کا میچ دوسرے سے، دوسرے کا تیسرے [سے] اور تیسرے کا پی ٹی وی سے کرانے کی روایت انہوں نے ہی اسلام آباد میں ڈالی۔ [ا]سلام آباد میں حمیرا کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تھی وہاں درختوں سے جو پولن الر[جی] ہوتی ہے، حمیرا اس کی مریضہ ہو گئی چنانچہ میں نے انہیں واپس بلوالیا اور لاہور [میں] انہیں خبریں کے تمام سٹیشنوں کے ایڈیٹر کی ذمہ داریاں تفویض کر دیں۔

کرکٹ کھیلنے اور چھوٹے چھوٹے میچوں کا اہتمام کرنے میں ان کا جواب [نہ]

Marfat.com

پانچ سال کی عمر میں

Marfat.com

بچپن کی ایک یادگار تصویر۔

Marfat.com

تھا۔ خبریں کے طباعتی مراکز بڑھ گئے تو انہوں نے مختلف اسٹیشنوں کے مابین میچ رکھنے شروع کر دیئے۔ ادھر لاہور میں بھی خبریں کا سٹاف بڑھ گیا تو دو ٹیمیں بناڈالیں۔ ایک ٹیم کے کپتان وہ خود تھے دوسری ٹیم کا کپتان چھوٹے بھائی امتنان کو بنادیا۔ کرکٹ میں وہ امتنان کے استاد بھی تھے۔

امتنان کی زیادہ عادتیں مجھ سے ملتی ہیں۔ اس کی ٹیم اگر ہار جاتی تو وہ غصے میں آجایا کرتا تھا۔ دوسری طرف عدنان میں تحمل اور برداشت کا مادہ بدرجہ اتم تھا۔ وہ بھائی کو تلملاتا دیکھتے تو چپ سادھ لیتے تاکہ لڑائی نہ بڑھنے پائے۔ عدنان کو یوں بھی چھوٹے بھائی سے بے حد پیار تھا۔ ان کی عمروں میں ساڑھے آٹھ برس کا فرق ہے اور عدنان نے امتنان کو گودوں کھلایا ہے لہٰذا وہ اس کی چھوٹی موٹی بات بڑے حوصلے سے برداشت کر جاتے تھے۔ ساری مشکل ہمارے لئے ہوتی کہ جس کی بھی ٹیم ہاری غصہ دوسرے پر نکلے گا۔ ہارنے پر امتنان کا موڈ تو آف ہو جاتا اور وہ بھائی سے لڑ جھگڑ بھی لیتا لیکن اگر کوئی تیسرا آدمی عدنان کے بارے میں بات کرتا تو امتنان خم ٹھونک کر بھائی کے ساتھ کھڑا ہو جاتا۔ دونوں آگ اور پانی ہونے کے باوجود ایک ہی تصویر کے دو رخ لگتے تھے اور یوں لگتا کہ دونوں مل کر ایک شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں۔

گٹار بجانا عدنان کا ایک اور مشغلہ تھا۔ انہوں نے گٹار سیکھا ہوا تھا اور گھریلو تقریبات اور دوستوں کی محفل میں گایا کرتے تھے۔ ان کا پسندیدہ گیت علی حیدر کا ”پرانی جین اور گٹار‘ محلے کی وہ چھت اور میرے یار“ تھا۔ فلمی گیتوں میں انہیں روبن گھوش کی موسیقی میں ”مجھے دل سے نہ بھلانا، چاہے روکے یہ زمانہ“ پسند تھا۔ یہ گانے وہ اکثر گایا کرتے تھے۔ جلد ہی چھوٹے بھائی امتنان نے بھی گانا شروع کر دیا تو عدنان نے رضاکارانہ طور پر اپنی جگہ اسے دے دی۔ کبھی کبھی دونوں بھائی مل کر فیملی فنکشنز میں گایا کرتے تھے۔ عدنان نے چھوٹے بھائی کی شادی پر خصوصی تیاری کی تھی۔ یوں بھی

Marfat.com

یہ ہمارے گھر کی آخری تقریب تھی اور اس کے لئے گھر بھر نے خصوصی اہتمام کیا تھا مگر عدنان نے مہندی کے موقع کے لئے کئی گانے بطور خاص تیار کئے۔ ڈانس کی تیاریاں کیں۔ اس شادی کو انہوں نے کچھ اس طرح سے Celebrate کیا کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ ایک شادی شدہ شخص اور اخبار کے ایڈیٹر ہیں۔ انہوں نے نور جہاں کا پنجابی گانا ''ماہی آوے گا میں پھلاں نال دھرتی سجاواں گی'' خاص طور پر تیار کیا۔ وہ ہاتھ والا پنکھا چہرے کے سامنے کر کے کچھ اس طرح سے آنکھوں کو دائیں بائیں مٹکاتے کہ سب کی ہنسی چھوٹ جاتی اور وہ خود بھی کھلکھلا کر ہنس پڑتے۔ تب ان کے چہرے پر بچوں کی سی معصومیت اور کھلنڈرا پن ہوتا۔ امتنان کی شادی عدنان کی بیوی حمیرا کی چھوٹی بہن سے ہوئی۔ یوں دونوں بھائی ایک دوسرے کے ہم زلف بھی تھے۔

گو کہ عدنان نے ایم اے اکنامکس کیا تھا اور پھر مینجمنٹ میں ایم بی اے بھی کیا مگر انہیں اخبار کے انتظامی معاملات سے دلچسپی نہ تھی۔ انتظامی معاملات کا بار چونکہ ان پر لاد دیا گیا تھا اس لئے وہ ان کو نبھاتے رہے لیکن وہ پیدائشی لکھاری اور تجزیہ نگار تھے۔ لکھنے پڑھنے میں ان کی دلچسپی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ ان کے مطالعہ کے شوق کو مزید تحریک اور مہمیز دینے کے لئے میں ہمیشہ کتابوں کے تحفے دیا کرتا تھا۔ شروع کے دنوں میں نسیم حجازی کی کتابوں کا سیٹ دیا۔ بعد کے برسوں میں جب وہ کچھ سمجھ دار ہو گئے تو مختار مسعود کی کتابیں دیں۔ قرآن پاک کے مختلف تراجم اور تفاسیر دیں۔ پھر محمد حسین ہیکل کی کتاب ''حیات محمدؐ'' اور فاروق اعظم بھی انہیں میری طرف سے تحفے میں ملیں۔ ایک دفعہ شفیق الرحمان کی کتابوں کا سیٹ لے کر دیا۔ شفیق الرحمان کو وہ بہت پسند کرتے تھے۔ انہیں شفیق الرحمان کے مزاح کے بجائے رومان اور سفر نامے زیادہ پسند تھے۔ عمر بھر ان کا یہ معمول رہا کہ باتھ روم جاتے ہوئے شفیق الرحمان کی کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ہوتی۔

مختار مسعود کے وہ حافظ تھے۔ آواز دوست، سفر نصیب اور لوح قلم کے صفحات

Marfat.com

کے صفحات ازبر تھے۔ شاعری میں فیض احمد فیض کے عاشق تھے۔ فیض کے مجموعہ کلام ''نسخہ ہائے وفا'' کے نئے نئے ایڈیشن خریدتے رہتے۔ وہ اس مجموعہ کو اس قدر استعمال کرتے اور اتنا پڑھتے کہ کچھ ہی عرصہ بعد کتاب یا تو پھٹ جاتی یا میلی ہو کر مضمحل ہو جایا کرتی تھی۔

عدنان فطرتاً شرمیلے، خاموش اور کم گو تھے۔ دل سے پیار کرنے والے انسان تھے۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ زندگی میں، جس قدر بھی ان کو ملی، انہوں نے کبھی کسی سے نفرت کا اظہار کیا ہو۔ ننانوے فی صد لوگوں کو ملتے ہوئے ہمیشہ ان کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی۔ ان کا تبسم بے حد نرم اور خوش کن ہوا کرتا تھا۔ مزاج میں ملنساری اور انکسار بے حد زیادہ تھا۔ میری سب سے زیادہ ڈانٹ ڈپٹ انہی کے حصہ میں آئی۔ کئی مرتبہ مجھے یہ احساس ہوتا کہ کچھ زیادہ ہی ڈانٹ دیا ہے۔ یہ احساس ہونے پر کبھی میں ان کے کمرے میں جاتا یا انہیں اپنے پاس بلاتا تو وہ کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے تھے اور موضوع کو ٹال دیا کرتے۔ دفتری نظم میں آجانے کے بعد انہوں نے کبھی مجھے ابو نہیں کہا تھا۔ دوسرے کارکنوں کی طرح چیف صاحب کہہ کر پکارتے۔ گھر میں بھی ضیا صاحب کہا کرتے تھے۔ وہ ایثار اور قربانی کے جذبہ سے لبالب تھے۔ دوسروں کی غلطیاں اپنے سر لینے اور ان کے حصہ کی ڈانٹ کھانے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ مجھے غصہ بہت جلد آجاتا تھا۔ جو کام نہ ہونے پر میں آسمان سر پر اٹھا لیا کرتا تھا اسے وہ بے حد ملائمیت اور سکون سے سرانجام دے دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ برسوں سے میں نے رپورٹنگ اور نیوز کی میٹنگ لینا چھوڑ دی تھی۔ اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کے لئے میں نے عدنان کی تجویز پر NO کا لفظ فریم کروا کے اپنے کمرے میں لٹکا چھوڑا تھا تاکہ جب بھی غصہ آئے اسے دیکھ کر غصہ پینے کی کوشش کروں۔

عدنان نے ''ردعمل'' کے عنوان سے خبریں میں کالم شروع کیا۔ بعض اوقات وہ

Marfat.com

بڑے تواتر سے کالم لکھتے لیکن پھر مہینوں غائب ہو جاتے۔ ان کی تحریریں ان کی فطری سچائی کی آئینہ دار تھیں۔ کبھی انہوں نے فرمائشی کالم نہ لکھا تھا۔ فطرتاً آرٹسٹ مزاج تھے۔ جی میں آتا تو لکھتے اور موڈ نہ ہوتا تو قلم کو ہاتھ تک نہ لگاتے۔

انگریزی اخبار شروع کرنے کا پروگرام بنا تو وہ امریکہ چلے گئے۔ وہاں انہوں نے واشنگٹن پوسٹ اور ہیوسٹن کرانیکل میں ایک ایک ماہ کام کیا تاکہ عملی تربیت حاصل کی جا سکے۔ واپس آکر انہوں نے خبریں کے تمام سٹیشنوں کا دورہ کیا اور وہاں رپورٹرز کو صحافت کے جدید رجحانات پر تفصیلی لیکچر دیئے۔ وہ ہر کام کو پرفیکشن کے ساتھ کرنے کے عادی تھے۔

عدنان کے ہاں پہلی اولاد جڑواں ہوئی۔ نوفل تو ماشاءاللہ اب نو سال کا ہے مگر اس کا دوسرا بھائی بے جان پیدا ہوا۔ نوفل ابھی ہسپتال میں تھا جب میں اور عدنان بے جان بچے کا جسم سفید چادر میں لپیٹ کر تدفین کے لئے اسی قبرستان میں لے گئے جہاں اب وہ خود آسودہ خاک ہیں۔ بچے کی تدفین کے وقت وہ بے حد افسردہ تھے اور یہ کیفیت ان پر کئی روز تک طاری رہی۔ خود تو وہ ایسی اولاد کے لئے اداس تھے جس کی ایک قلقاری تک نہ سنی تھی اور کہاں وہ 37 سال گزار کر ہمیں اکیلا چھوڑ گئے ہیں۔

نوفل کے بعد بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام فجر رکھا گیا اور پھر دوسری بیٹی حفصہ پیدا ہوئی۔ وہ حفصہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ امتنان کے بیٹے واسع کو حفصہ کی ادائیگی میں مشکل ہوتی چنانچہ اس نے حفصہ کا نام پپی رکھ دیا۔ پپی ہے بھی گڑیا سی۔ چند روز پہلے میں نے اسے بلک بلک کر روتے سنا تو حمیرا کو ڈانٹا۔ اس نے کہا جب سے اس کے بابا گئے ہیں بہت ضدی ہو گئی ہے۔ میں نے کہا پھر بھی اسے رونے نہ دیا کرو کیونکہ اس کے بابا اسے کبھی رونے نہیں دیتے تھے اور پورے دفتر کے ہر کمرے میں کندھوں پر اٹھائے پھرتے تھے۔

عدنان کی طبیعت میں ایک خاص قسم کی درویشی اور استغناء تھی وہ نیکی کر دریا میں

Marfat.com

اظنان شاہد' عدنان شاہد' دو بھائیوں کا زمانہ لڑکپن۔

Marfat.com

عدنان شاہد' امتنان شاہد ایک درخت پر بیٹھے ہیں۔

Marfat.com

ڈال کے اصول پر یقین رکھتے تھے۔ ذاتی زندگی کے بارے میں تو وہ کوئی نیکی بھی کرتے تو چھپا کر، مگر صحافتی کامیابیاں آشکار ہو جاتیں۔ خبریں اسلام آباد کی ایڈیٹر شپ کے دور میں انہوں نے ایک بہت بڑی سٹوری چھاپی۔ بلوچستان سے آنے والے کچھ دیہاتیوں نے اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف کے دفتر کے عین سامنے اپنے لبوں کو سوئی دھاگے سے سی کر انوکھا احتجاج کیا۔ وہ بلوچستان کی حکومت کے کسی سیکرٹری کے ظلم کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ عدنان فوٹوگرافر اور رپورٹر لے کر موقع پر پہنچے۔ پورے پاکستان میں خبریں واحد اخبار تھا جس میں یہ خبر چھپی۔ عدنان نے صرف خبر ہی نہیں چھاپی بلکہ وزیراعظم سیکرٹریٹ سے مداخلت کے احکام لے کر اور پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (پمز) میں لے جا کر ان کے زخمی ہونٹ بھی کھلوائے۔ لیکن میرے بار بار کہنے کے باوجود اتنی بڑی سٹوری اے پی این ایس کے سالانہ مقابلے میں نہ بھیجی۔

یہ تو خیر ان کا اپنا کارنامہ تھا لیکن ملتان میں مختاراں مائی، دیپالپور میں موتیا کیس، وزیر آباد میں بشارتی کا واقعہ اور بے شمار ایسی خبریں ہیں جنہیں سال کی بہترین خبر ہونے کا انعام مل سکتا تھا۔ مگر میں نے جب کبھی کہا عدنان کہتے "چھوڑیں چیف صاحب! اصل انعام تو ریڈر کی پسندیدگی ہوتا ہے، وہ ملنا چاہئے" خود ان کے دو تین کالم ایسے تھے کہ میں انہیں اے پی این ایس کے مقابلے میں بھیجنا چاہتا تھا مگر انہوں نے مجھے نہ جانے کیا کیا دلائل دے کر ایسا کرنے سے باز رکھا۔

ایک ایڈیٹر چاہے تو سال کے 365 دن گھر سے باہر کسی نہ کسی پر تکلف تقریب میں جا سکتا ہے لیکن عدنان کو سرکاری بریفنگز میں بھی بہت اصرار سے بھیجنا پڑتا تھا۔ وہ مزاجاً نمود و نمائش کی زندگی سے بہت دور تھے اور Complete Family Man کی اصطلاح ان پر واجب آتی تھی۔ خبریں کی سالگرہ تقریبات ہوں یا دوسرے خوشی کے تہوار، وہ ناچ

Marfat.com

گانے کی مجالس سے دور رہتے۔ اردو فلم دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ امریکی حکومت اور معاشرہ انہیں اچھے نہیں لگتے تھے البتہ آزادی فکر کے اعتبار سے برطانوی پریس اور نظام کے بہت دل دادہ تھے۔ لندن، جہاں انہوں نے اپنی زندگی کا آخری سانس لیا، ان کا پسندیدہ ترین شہر تھا۔ یہاں کی پارلیمنٹ، اخبارات، نشریاتی ادارے، عجائب گھر اور کتابیں ان کے لئے آئیڈیل حیثیت رکھتے تھے۔ اکثر کہتے تھے کہ جب میں ریٹائر ہو جاؤں گا تو لندن آ کر کسی بڑی سی لائبریری کے خاموش اور تنہا گوشے میں بیٹھ کر کتابیں پڑھا کروں گا۔

سیاسی سرگرمیاں ہوں یا تنظیمی وہ ان پر وقت صرف کرنا خالصتاً تضیعِ اوقات سمجھتے تھے۔ البتہ کرکٹ، ٹینس وغیرہ سے انہیں بہت دلچسپی تھی۔ ٹی وی پر سپورٹس کے پروگرام ان کے پسندیدہ تھے اور اس کے باوجود کہ ان کی بیگم پنجاب اسمبلی کی رکن تھیں، وہ عملی سیاست کی آلائشوں سے کوسوں دور تھے۔ ایک بار میرے کسی بے تکلف دوست نے ان کی موجودگی میں مجھ سے کہا کہ آپ معمولی سی کوشش کریں تو بیٹی وزیر بن سکتی ہے۔ ابھی جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ عدنان صاحب نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ کہنے لگے "ممبر بننے کی حمایت بھی میں نے چیف صاحب کے اصرار پر کی تھی کوئی کام کرنا چاہتی ہے تو تعمیری کام کرے یا نئی اور مفید قانون سازی کروائے۔" پھر ہنس کر بولے جناب میرا گھر یوں خراب کرتے ہیں۔

خوشامد اور ستائش باہمی سے عدنان صاحب کو سخت چڑ تھی۔ ایک بار دفتر کے ایک بزرگ نے اپنی طرف سے انہیں خوش کرنے کو کہا کہ عدنان صاحب آپ تو ہمارے مائی باپ ہیں۔ عدنان صاحب بولے میری معلومات کے مطابق آپ میرے والد صاحب سے بھی آٹھ سال بڑے ہیں۔ میں آپ کا مائی باپ کیسے ہو گیا۔ چاچا جی! اللہ کے واسطے مجھ پر رحم کریں اور مجھے وہیں رہنے دیں جہاں میں ہوں۔

37 برس کی یادوں کو سمیٹنا بہت مشکل کام ہے۔ عدنان پر بہت کچھ لکھا گیا ہے،

Marfat.com

میں صرف باپ اور بیٹے کے تعلق کے بارے میں بات کرنے کی کوشش کروں گا۔ بچپن سے آخری دن تک میں نے نہیں دیکھا کہ کبھی انہوں نے میری حکم عدولی کی ہو۔ کوئی غلط فیصلہ بھی سنا دیتا تو بھی وہ خاموشی سے اس پر عمل کرتے۔ بعد میں نتائج سامنے آنے پر میں ان پر ناراض ہوتا کہ آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا تو عدنان کہتے "چیف صاحب آپ نے جو حکم دیا تھا"۔ پچھلے سال مجھے لندن علاج کی خاطر چند ماہ رہنا پڑا۔ یاسمین مسلسل میرے ساتھ تھیں البتہ عدنان، امتنان اور نوشین باری باری ایک ایک ہفتے کے لئے لندن آتے تھے۔ عدنان میری بیماری کو زیادہ سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر نوشین کے بعد وہی ڈاکٹروں سے بہتر طور پر بات چیت کر لیتے تھے۔ ڈاکٹروں کی ہدایات سمجھتے تھے اور انہیں اپنی سمجھاتے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران وہ اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ مصروف رہتے اور دفتر میں پہلے خبریں اور پھر پوسٹ کے کام کاج سر نہ اٹھانے دیتے لیکن جب میں بیمار ہوا تو میں نے انہیں زیادہ قریب سے دیکھا۔ تین بچوں کا باپ بننے کے باوجود ان کے اپنے اندر ایک زندہ دل اور پیار کرنے والا بچہ پوری طرح زندہ تھا۔ لندن کے سینٹ انتھونی ہسپتال میں رات کی ڈیوٹی وہ اپنے ذمہ لیتے اور پوری رات کرسی پر بیٹھ کر مختلف کھیلوں کے میچ دیکھتے رہتے۔ اچھے کھیل پر کھلکھلا کر ہنستے، تالیاں پیٹتے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہسپتال کے کمرے میں ہیں "ویل ڈن" کے نعرے لگاتے۔ ایک دن بڑے اشتیاق سے جنگلی بطخ کے بچے دیکھنے گئے جس نے ہسپتال کے برآمدے میں بنی ہوئی راکری میں انڈے سئے تھے اور ان میں سے آٹھ بچے نکلے تھے۔ عدنان اتنے خوش تھے کہ بار بار مجھے اصرار سے کہتے کہ چلیں آپ کو بھی وہیل چیئر پر بٹھا کر بطخ کے بچے دکھا لاؤں۔

"دی پوسٹ" نکلنے کے بعد انہوں نے دفتر کی عمارت کی بالائی منزل پر رہائش گاہ بنائی تاکہ رات گئے تک نئے انگریزی اخبار کے لئے کام کر سکیں، تو وہاں بھی چھت کا

Marfat.com

ایک حصہ توڑ کر راکری بنوائی اور اس کی چھت پر جالی لگوا کر کھلی دھوپ اور کھلی ہوا کے ماحول میں فاختہ کے بچے پالے اور رنگ برنگی چڑیاں رکھیں۔ روپیہ پیسہ، نام، شہرت، لباس، گاڑی، کوٹھی وغیرہ کی بجائے زندگی کی چھوٹی چھوٹی معصوم خوشیاں انہیں زیادہ بھلی لگتی تھیں۔ لندن میں کبھی ہنستے ہوئے بتاتے کہ اس وقت میرے گھر میں گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے۔ پپی (حفصہ) نے ڈنڈا پکڑا ہوا ہے اور خود اڑھائی سال کی ہونے کے باوجود بڑے بہن بھائی چھ سالہ فجر اور نو سالہ نوفل کی پٹائی کر رہی ہے اور ساتھ ساتھ رو بھی رہی ہے کہ بابا سے شکایت کروں گی۔

ہسپتال سے فارغ ہونے کے بعد ایک ماہ کے لئے ہم ایک فلیٹ لے کر لندن میں رکے کیونکہ ابھی ٹیسٹ جاری تھے۔ عدنان، جو عام زندگی میں بہت سادہ مزاج تھے، نے دریائے ٹیمز کے کنارے دو بیڈ روم کا ایک ایسا اپارٹمنٹ تلاش کیا جس کا کرایہ تو زیادہ تھا لیکن اس کا محل وقوع بہت خوبصورت اور پر فضا تھا۔ کہنے لگے، میں چاہتا ہوں آپ اس کی بالکونی میں بیٹھ کر دریا میں تیرتی ہوئی بطخیں اور مرغابیاں دیکھا کریں اور کشتیوں کی سیر کا نظارہ بھی کریں۔ میری طبیعت تھوڑی سی سنبھل چکی تھی۔ لیکن چھ ماہ کی مسلسل علالت کی وجہ سے پیدل نہیں چل سکتا تھا۔ انہوں نے ایک وہیل چیئر خریدی اور مجھے اس پر بٹھا کر دھکیلتے ہوئے شاپنگ سنٹروں میں لے جاتے۔ دریائے ٹیمز کے پل کی اونچائی پر ان کا سانس پھول جاتا اور وہ تھک جاتے۔ میں ہر بار مخالفت کرتا کہ آپ مجھے گھر پر چھوڑ جائیں مگر ایک آدھ بار سانس لے کر وہ چڑھائی پوری کر لیتے، پھر ایک ایک سنٹر میں مختلف چیزیں لا لا کر دکھاتے اور اصرار کرتے کہ میں کچھ پسند کروں، وہ ٹیکسی لے کر مجھے ہر تیسرے دن چیک اپ کے لئے ہسپتال لے کر جاتے تھے۔ وہیل چیئر فولڈ کر کے ٹیکسی کی ڈگی میں رکھوا لیتے تاکہ ٹیکسی سے اتر کر ہسپتال کی عمارت تک جاتے ہوئے مجھے تکلیف نہ ہو۔ ڈاکٹر یہ کہتا کہ ٹیسٹ پہلے سے اچھے آئے ہیں تو ان کے چہرے

Marfat.com

1984 .میں روڈ ایکسیڈنٹ کے بعد ہسپتال سے گھر آنے پر عدنان شاہد اپنی امی یاسمین شاہد کے ساتھ گھر کے باہر کھڑے ہیں۔

Marfat.com

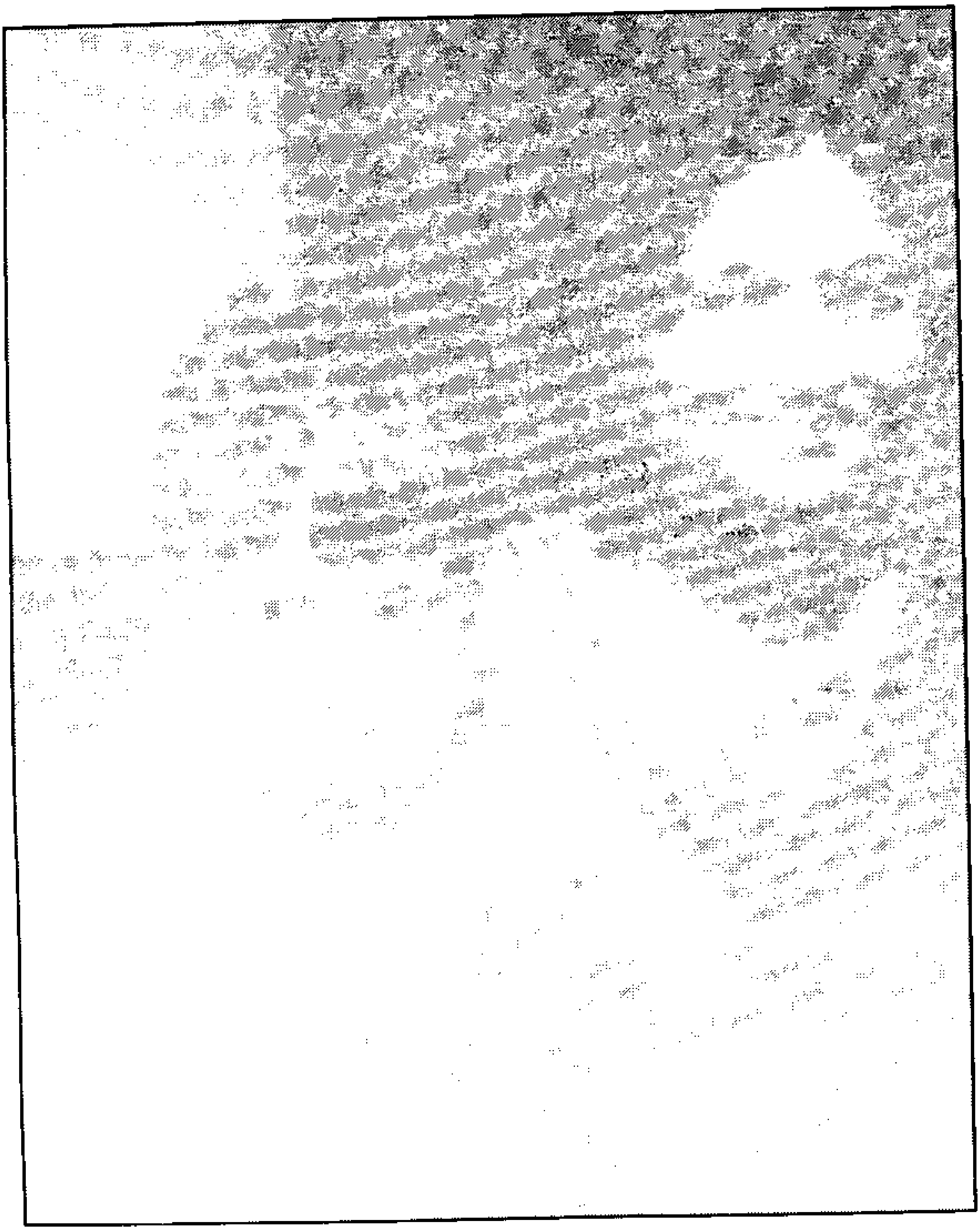

5 سالہ عدنان شاہد اپنی والدہ یاسمین شاہد کے ساتھ۔

Marfat.com

کے ایک ایک مسام سے خوشی پھوٹنے لگتی اور وہ فوراً مجھے کھانے پینے کی دعوت دیتے۔ آپ فش گرل کھائیں گے یا پاکستانی پائے اور پلاؤ؟ میکڈانلڈیا کے ایف سی یا سب وے؟ وہ قسم قسم کے فریش فروٹ جوس تلاش کر کے لاتے اور مجھے پلا کر خوش ہوتے۔ رات کے وقت اگرچہ ساتھ والے کمرے میں سوتے تھے لیکن کمروں کا درمیانی دروازہ کھلا رکھنے کے لئے دروازہ کھول کر اس کے آگے کرسی رکھتے تھے تاکہ اگر مجھے رات کو کسی وقت واش روم وغیرہ جانا پڑے تو میری ایک ہی آواز سے فوراً اٹھ سکیں۔

میری چھوٹی سی چھوٹی خوشی کے لئے ٹرین میں سفر کرتے، ٹیکسی لیتے، پیدل چلتے اور جس چیز کی خواہش کرتا وہ بالآخر تلاش کر کے لے آتے۔ ایک مہینہ اپارٹمنٹ میں رہنے کے بعد جب ہم واپس پاکستان آئے اور میں نے تھوڑے تھوڑے وقت کے لئے دفتر جانا شروع کیا تو بہت خوش تھے، لیکن میری ریڑھ کی ہڈی میں مہرے کی تکلیف پر بہت پریشان رہا کرتے تھے۔ پاکستان میں اس کی وجہ پتہ نہیں چل رہی تھی۔ عدنان نے نوشین اور امتنان سے مل کر دنیا بھر کے میڈیکل سنٹروں کی ویب سائٹس چھان ماریں اور بالآخر ایک ہسپتال تلاش کر لیا۔ یہ چند ماہ پہلے کی بات ہے پھر انہوں نے بڑی مشکل سے امریکہ میں واشنگٹن ڈی سی کے قریب میری لینڈ کے شہر بالٹی مور میں جان ہاپکنز ہیلتھ یونیورسٹی سے ٹائم لیا۔ یہاں آئی سنٹر اور سپائن سنٹر دونوں خصوصی شعبے ہیں۔ نوشین کے پاسپورٹ پر ویزا ختم ہو چکا تھا لہٰذا اس بار بھی ساتھ جانے کا قرعہ فال عدنان کے نام نکلا۔

واشنگٹن میں ہم ایک ماہ رہے۔ یاسمین اور عدنان دونوں میرے ساتھ تھے۔ اس دوران میں مسلسل برف باری ہوتی رہی۔ درمیان میں دو چار دن کے لئے رکی ہوگی۔ ہمارا قیام یاسمین کی بڑی بہن باجی مانی کے واشنگٹن ڈی سی والے فلیٹ پر تھا، کیونکہ یہاں سے بالٹی مور بہت قریب ہے اور صرف پون گھنٹے کی ڈرائیو پر واقع ہے۔ ان کے بڑے

Marfat.com

والے گھر سے، جو سٹیفورڈ میں ہے، یہ فاصلہ ڈیڑھ گھنٹہ ہو جاتا ہے۔ میری بھانجی شازیہ قریشی ہمیں اپنی کار میں ہسپتال لے جاتیں اور واپس لاتیں۔ باقی وقت چوبیس گھنٹے عدنان اور یاسمین میرے ساتھ رہتے تھے۔

اس ایک ماہ کے دوران میں مجھے ان کے مطالعے اور مشاہدے کی وسعت کا اندازہ ہوا۔ عالمی سیاست، امریکی نظام حکومت، آنے والے امریکی انتخابات اور دنیا میں بڑی طاقتوں کی زور آزمائی سے لے کر عراق، افغانستان اور فلسطین کی لڑائی تک تمام واقعات اور اعداد و شمار انہیں ازبر تھے۔ ہر واقعہ کے پس منظر پر ان کی گہری نظر ہوتی تھی۔ فارغ وقت میں ہم کبھی بازار جاتے تو بچوں کے لئے خریداری کرتے۔ ایک ایک بچے کی پسند ناپسند ان کے علم میں ہوتی۔

ہسپتال میں انٹر نیشنل ڈیسک کی انچارج ایک چینی خاتون تھیں جس کا نام عدنان اور شازیہ نے مس سوزی وانگ رکھ چھوڑا تھا یہ نام ایک مشہور فلم "ورلڈ آف مس سوزی وانگ" سے مستعار لیا گیا تھا۔ عدنان جہاں جاتے، جلد ہی مخاطب سے گھل مل جاتے۔ مس سوزی وانگ نے کہا کہ آپ کے ساتھ تصویر بنواؤں گی۔ یاسمین نے جھوٹ موٹ کی ناراضگی کا اظہار کیا تو کہنے لگے۔ اب تو میں ضرور بنواؤں گا تاکہ حمیرا کو بھیج سکوں۔ ذرا وقت ملتا تو حمیرا، نوشین اور امتنان کو موبائل پر ایس ایم ایس بھیجنے لگتے۔ لطیفے، دلچسپ واقعات والے ایس ایم ایس۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ ان کے اندر کا بچہ پوری لطافتوں کے ساتھ متحرک اور زندہ تھا۔ باجی مانی زی ٹی وی پر انڈین ڈرامے دیکھتی تھیں تو عدنان بہت کڑھتے تھے۔ ایک دن کئی ایک فلمیں لے کر آئے۔ میں نے کہا میں کوئی سنجیدہ فلم نہیں دیکھوں گا۔ کہنے لگے آپ کے لئے نیمو مچھلی کی فلم لایا ہوں۔ اس فلم نے پوری دنیا میں بچوں میں مقبولیت کا ریکارڈ قائم کیا ہے مگر اسے بڑے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ وہ کئی بار یہ فلم دیکھ چکے تھے لیکن میرے ساتھ بیٹھ کر

Marfat.com

اپنے امی ابو کی شادی کی 25ویں سالگرہ پر تینوں بہن بھائی۔

Marfat.com

جھیل سیف الملوک' 1986ء کی یادگار تصویر

Marfat.com

دیکھا تو پوری طرح لطف اندوز ہوئے، میں بھی کچھ دیر کو اپنی بیماری بھول گیا اور عدنان کو بچوں کی طرح سے تالیاں بجاتے دیکھ کر خوش ہو گیا۔

میرے پاؤں میں سوجن تھی۔ ایک دن شاپنگ کے لئے گئے تو مجھے فوڈ ایریا میں بٹھا کر پون گھنٹے تک میرے لئے نرم جوتا تلاش کرتے رہے۔ جوتا مل گیا تو خوشی خوشی مجھے ساتھ لے گئے۔ دکان میں رش تھا اس لئے خود ہی مجھے جوتا پہنایا اور جب میں نے کہا کہ قیمت بہت زیادہ ہے تو اصرار کر کے اپنے کارڈ سے ادائیگی کی۔ میرے انکار پر بڑی دیر تک بحث کرتے رہے کہ نرم اور آرام دہ جوتا صحت کے لئے اور خاص طور پر آپ کے لئے کتنا ضروری ہے۔ مگر جب میں نے کہا کہ میری طرف سے اپنے لئے نیا کوٹ لے لو تو کہنے لگے میرے پاس آپ کا پرانا کوٹ ہے۔ نیا خرید لیا تو اسے کہاں رکھوں گا، ٹرالی باکس میں اتنی جگہ نہیں ہے۔ زیادہ بحث کی تو کہنے لگے کہ اب میں شادی شدہ ہوں مجھے بھی تنخواہ ملتی ہے اور بیوی کو بھی۔ لہٰذا کم از کم اپنے کپڑے تو مجھے خود بنانے چاہئیں، لیکن جب ایک سٹور میں جیولری کا سیکشن دیکھا تو آنے والے ویلنٹائن ڈے کے لئے وہیں سے پاکستان فون کر کے حمیرا کی پسند پوچھی اور اس کے لئے تحفہ خریدا۔ میں نے مذاق میں ڈانٹا کہ بیگم صاحبہ کے لئے تو بہت پیسے نکل آتے ہیں تو ہنسنے لگے اور کہا کہ "سر جی! ویلنٹائن ڈے کے لئے جو گفٹ خریدا جائے اس کے لئے کوئی بھی قیمت زیادہ نہیں ہوتی۔" ان کے تمام کپڑے اور سامان ایک چھوٹے ٹرالی بیگ میں تھے لیکن بچوں کے لئے اتنے کھلونے خریدے کہ ایک بہت بڑا ٹرالی بیگ بطور خاص حاصل کرنا پڑا۔ اپنے، امتنان کے، نوشین کے اور دوستوں کے بچے۔ ہر کھلونے کے اوپر سٹیکر لگائے جس پر متعلقہ بچے کا نام لکھا تھا۔

ہسپتال میں میری بائی آپسی (Biopsy) ہو یا ایم آر آئی (MRI)، الٹرا ساؤنڈ ہو یا ایکسرے وہ یاسمین اور شازیہ کو سٹنگ ایریا میں بٹھا دیتے اور مجھے وہیل چیئر پر ہسپتال کے

Marfat.com

اندر شاید میلوں لئے پھرتے۔ تین تین چار چار گھنٹے انتظار کے لئے بیٹھنا پڑتا تو مجھ سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے رہتے تھے۔ ریاکاری، جھوٹ اور نمائش سے انہیں سخت نفرت تھی۔ میرے ایک جاننے والے کھانے پر مدعو کرنے آئے تو اپنی گاڑیوں کی تعریفیں شروع کر دیں۔ عدنان منہ پر کچھ نہیں بولے لیکن بعد میں صرف اتنا کہا کہ آپ لوگ کھانے پر ہو آیئے گا، مجھے کسی دوست سے ملنے جانا ہے۔ یہ سچ تھا اور واقعی وہ دوست سے ملنے بھی گئے لیکن یہ ملاقات عدنان نے خود فون کر کے اسی دن اور اسی وقت طے کی تھی جس دن ہم نے گاڑیوں کے بیڑے والے دوست کے گھر کھانے پر جانا تھا۔

انہیں کئی سال سے بی ایم ڈبلیو لینے کا شوق تھا لیکن امتنان کے مرسڈیز خریدنے کے باوجود اور میرے بار بار کہنے کے برعکس عدنان نہیں مانے۔ کہنے لگے میرا اخبار ابھی نیا ہے، تین چار سال اسے بننے میں لگیں گے۔ فی الحال فضول خرچی نہیں کر سکتا۔ خبریں تو کماؤ پوت ہے اور اس کی عمر پندرہ سال ہے۔ دی پوسٹ تو ابھی صرف ایک سال کا ہے۔

ہم امریکہ میں ایک ماہ رہ کر واپس آرہے تھے تو واشنگٹن سے لندن کی فلائٹ ملی۔ لندن میں پی آئی اے کی فلائٹ لینے کے لئے ایک دن کا قیام کرنا پڑا۔ صبح کے وقت لندن میں باجی ڈاکٹر سعیدہ کے گھر پہنچے۔ عدنان ناشتے کے فوراً بعد ہی کپڑے بدل کر تیار ہو گئے۔ میں نے کہا رات بھر سفر کیا ہے، کل صبح پھر لاہور جانا ہے۔ آپ آرام کر لو۔ کہنے لگے "اوول کے کرکٹ سٹیڈیم میں جانا ہے، کرکٹ کی کچھ چیزیں خریدنی ہیں۔ واپسی پر ٹریول ایجنسی سے پی آئی اے کی سیٹیں اپ گریڈ کروانی ہیں تاکہ آپ آرام سے جا سکیں۔ اکانومی کی نشستوں میں درمیانی فاصلہ بہت کم ہو گیا ہے۔ اس لئے یہاں سے بزنس کلاس کروا لیتے ہیں۔ میں نے منع بھی کیا کہ ٹھہر کر چلے جانا لیکن کہنے لگے میں نے فون کر دیا ہے۔ آسانی سے ہو جائے گا۔

Marfat.com

Marfat.com

کراچی 1982ء

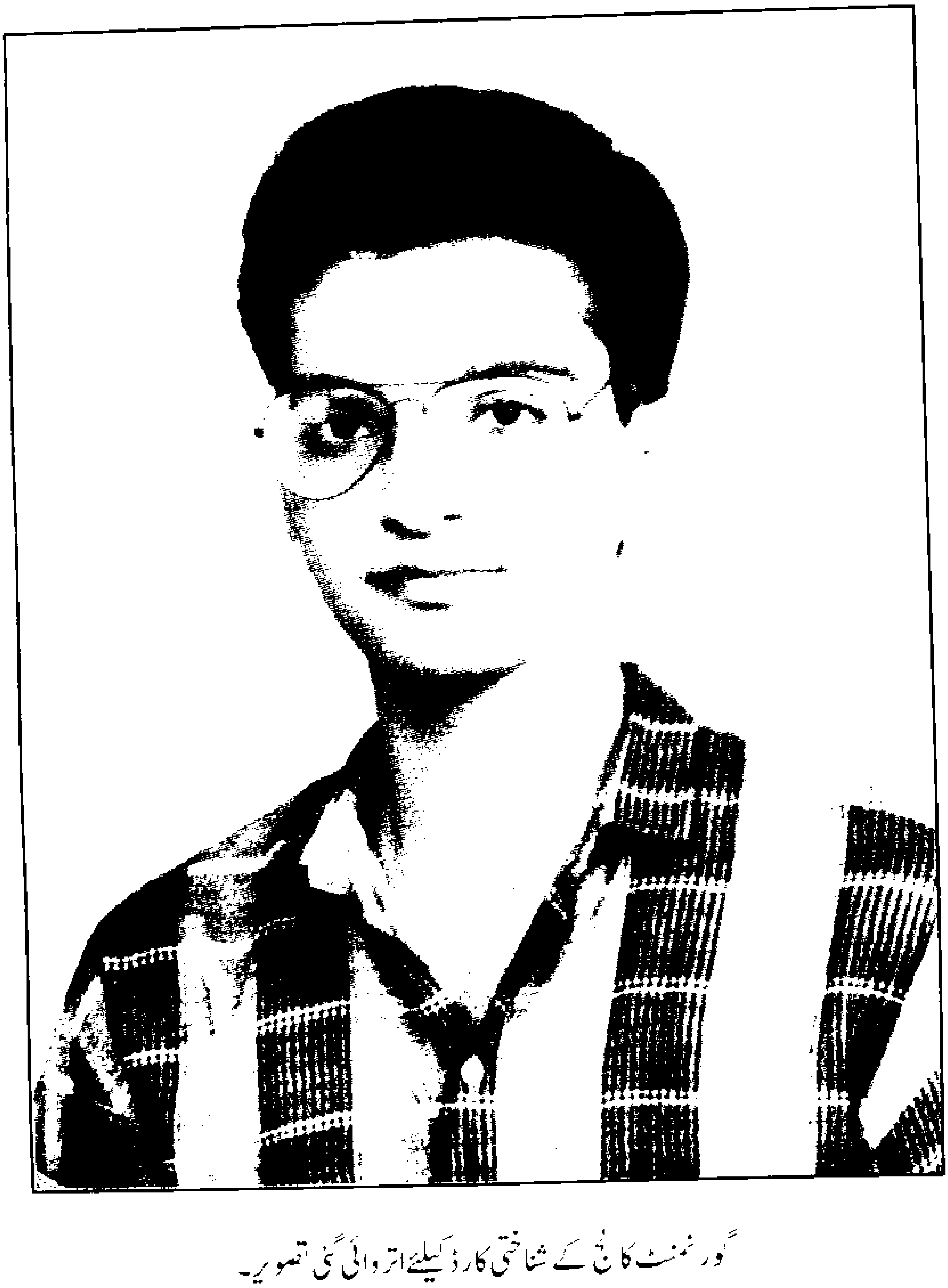

گورنمنٹ کالج کے شناختی کارڈ کیلئے اتروائی گئی تصویر۔

Marfat.com

اس وقت شائد دن کے ساڑھے گیارہ بجے ہوں گے۔ ساڑھے تین بجے یاسمین کو ان کا فون آیا کہ اوول سے ہو آیا ہوں۔ ٹریول ایجنسی میں ہوں اور ابھی سٹکر لگوا کر آجاتا ہوں۔ ساڑھے چار اور پانچ بجے کے درمیان ٹریول ایجنسی کی منیجر کا فون آیا۔ بار بار تسلی کرنے کے بعد کہ میں عدنان شاہد کا والد بول رہا ہوں، اس نے کہا کہ عدنان ایجنسی میں آئے تھے اور ہم ٹکٹ بنا رہے تھے کہ وہ واش روم کا کہہ کر گئے، پھر جب پانچ دس منٹ تک واپس نہیں آئے تو میں نے کسی کو پتہ کرنے کے لئے بھیجا۔ عدنان اس برآمدے' میں جس کے آخر میں باتھ روم ہے 'گرے پڑے تھے اور بے ہوش تھے۔ ہم نے ایمبولینس منگوا کر ہسپتال بھیج دیا ہے، پھر اس نے ہسپتال کا پتہ مجھے لکھوادیا اور کہا آپ فوراً وہاں پہنچ جائیں۔

گھر میں عجیب سی سنسنی اور بے چینی پھیل گئی۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس حال میں ہیں۔ میں نے باجی سعیدہ کے میاں، محمود صاحب سے کہا کہ ہمیں فوراً متعلقہ ہسپتال لے چلیں۔ پھر میں نے اپنے بھتیجے رضی کو بھی فون کر دیا کہ فوراً ہسپتال پہنچ جائے۔ بارش ہو رہی تھی۔ پون گھنٹے میں ہسپتال پہنچے۔ استقبالیہ پر رابطہ کیا تو ایک نرس ہمارے ساتھ ہو گئی اور مختلف برآمدوں، راہداریوں سے گھماتی ہوئی ایک کمرے میں لے گئی اور بیٹھنے کو کہا۔ راستے میں بار بار استفسار کرنے پر بھی وہ خاموش رہی۔ ہماری بے چینی اور پریشانی سوا ہوتی جا رہی تھی۔ کمرے میں بٹھا کر بھی اس نے ہمیں کچھ نہ بتایا۔ نرس کی گہری خاموشی کسی طوفان کا پتہ دے رہی تھی۔ چند لمحے بعد اس نے کمرے کا بغلی دروازہ کھول لیا۔ سامنے ایک بیڈ تھا اور عدنان اس پر لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر جیسے ابدی مسکراہٹ تھی اور سر کے بھورے بال پھولے ہوئے تھے۔

"عدنان! کیا ہوا۔" مجھے تب تک اس سانحہ کا گمان نہیں تھا۔ میں بے کلی سے عدنان کی طرف لپکا تو بھائی محمود نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

Marfat.com

"اناللہ واناالیہ راجعون"

کہتے ہوئے انہوں نے مجھے بتایا کہ عدنان تو ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی Collapse ہو گئے تھے۔ 37 برس میں یہ پہلی مرتبہ ہوا کہ میں نے عدنان کو آواز دی اور وہ بولے نہیں، انہوں نے جواب نہیں دیا۔ اتنے برسوں میں میرے کان تو عدنان کو بلانے کے لئے دی جانے والی آواز کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی "جی سر، جی ضیا صاحب، جی چیف صاحب" سننے کے عادی تھے مگر آج وہ آواز خاموش تھی۔

کئی دن بعد لاہور میں میرے گھر کے سامنے والے بڑے کرکٹ گراؤنڈ میں جہاں عدنان اور امتنان کی شادیاں ہوئی تھیں۔ شادی والے دن سے کئی گنا زیادہ لوگ جمع تھے۔ مجھ میں چلنے کی سکت نہیں تھی اور میں وہیل چیئر پر تھا۔ وہیل چیئر پر بیٹھنے سے پہلے میں نے گھر میں پڑے اس لکڑی کے تابوت کا ڈھکن ہٹایا تھا اور ان بھورے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیری تھی، اس فراخ پیشانی کو آخری بوسہ دیا تھا اور ان رخساروں کو بھی آخری بار سہلایا تھا جو اتنے دنوں سے موت کی زردی اوڑھ لینے کے باوجود تروتازہ تھے۔ یہ میری نظروں میں سمائی شفقت پدری کا کرشمہ نہیں تھا بلکہ جس جس نے بھی اسے دیکھا یہی شہادت دی کہ وہ چہرہ ویسا ہی تروتازہ تھا، ویسا ہی روشن اور ویسا ہی تبسم افشاں تھا جیسے ابھی ہنستے ہنستے سو گیا ہو۔ مکمل Relaxed، سارے غم جو ختم کر گیا تھا، کم از کم اپنے۔ جنازے پر بوندا باندی شروع ہو چکی تھی مگر اتنی زیادہ نہیں تھی۔ کچھ آنسو آنکھوں میں تھے اور کچھ بادلوں سے ٹپک رہے تھے۔ کسی نے میرے قریب ہی زور سے کہا صفیں سیدھی نہیں ہو رہیں، لوگ دس ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔

جنازہ ہو چکا تو اسے اٹھا کر قریبی قبرستان کی طرف روانہ ہوئے۔ ان گنت لوگوں سے ہاتھ ملائے اور تعزیت وصول کی۔ پھر گاڑی میں بٹھا کر مجھے قبرستان لے گئے۔ یہاں میری والدہ کی قبر ہے۔ اس کے ساتھ ہی میری بہن کے جواں سال بیٹے محمد

Marfat.com

کالج کے دنوں میں گٹار بجاتے ہوئے

Marfat.com

2004ء میں ایک تقریب کے موقع پر ضیا صاحب اور حمیرا اویس کے ہمراہ

Marfat.com

دفن ہیں۔ جن کا امریکہ میں ٹریفک ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ ان قبروں کے درمیان عدنان کی آرام گاہ تیار ہو چکی تھی۔ میں قبرستان کی دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہوا تھا۔ میرا ضبط پاش پاش ہو گیا اور صبح سے اب تک میں نے جو آنسو روکے ہوئے تھے اور جو سسکیاں ضبط کی ہوئی تھیں وہ سارے بند توڑ کر باہر آ نکلے۔ میں نے امتنان کو دیکھا جو عدنان کا کفن میں لپٹا ہوا جسمِ خاکی لحد میں اتار رہا تھا۔ زور زور سے دعائیں پڑھنے کی آوازیں، پھر کسی نے میرے ہاتھ میں مٹی پکڑا دی جسے میں نے اندازے سے اس کی لحد پر پھینک دیا۔ تھوڑی دیر میں عدنان کو آغوش میں لے کر زمین برابر ہو گئی اور کچی مٹی کا ایک ڈھیر نمایاں ہو گیا۔

ہم کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں، ہمارا ایمان ہے کہ بچے اللہ کی امانت ہوتے ہیں۔ 37 سال پہلے جو امانت اللہ نے دی تھی وہ واپس لے لی۔ نہ کوئی گلہ ہے نہ کوئی شکوہ اور نہ کوئی شکایت۔ اس کا حکم تھا جس کی تعمیل ہو گئی۔ پر مولا کی ذات سے یہ پوچھنے کو ضرور جی چاہتا ہے کہ بچے اگر تیری امانت ہوتے ہیں تو والدین کے دلوں میں ان کے لئے اتنی چاہت کیوں پیدا فرما دیتا ہے۔ ان کی موجودگی میں راحت اور چلے جانے پر تکلیف اور اذیت کے احساسات کیوں دلوں میں جاگزیں کرتا ہے۔

اللہ دے حوالے میرے بیٹے! اللہ تجھے جنت نصیب کرے۔ تو نیک روح تھا پھر بھی تیرے چھوٹے بڑے گناہ اگر کوئی ہیں تو اللہ معاف کرے۔ تیرے ماں باپ، بہنوں، بھائیوں اور بیوی کو صبر دے۔

اللہ دے حوالے عدنان صاحب۔ اللہ دے سپرد۔

Marfat.com

میرا بھائی۔ میرا دوست۔ میرا ہمراز

ڈاکٹر نوشین عمران

یہ جو اخبار میرے سامنے رکھا ہے، اس پر 14 اگست 2005ء کی تاریخ درج ہے۔ اس کے صفحہ اول پر اوپر کے بائیں کونے میں نیلے مارکر کے ساتھ چند سطریں لکھی ہیں۔

For Noshi

You are the truest friend that I have and I have shared all my life with you. I love you more than I ever did.

Ednan

14-08-05

یہ دی پوسٹ کا پہلا شمارہ ہے جو عدنان نے مجھے بڑی محبت اور چاہت سے دیا تھا۔ اس پر مضمون لکھنے کا مرحلہ درپیش ہے تو میں نے اپنے ڈیسک میں سنبھال کر رکھا ہوا یہ پرچہ نکالا ہے۔ یہ تحریر دیکھ کر آنکھیں بھیگنے لگی ہیں۔ دو قسم کے لوگوں بارے لکھنا یا کچھ کہنا مشکل ہوتا ہے۔ ایک وہ جنہیں آپ بہت کم جانتے ہوں اور دوسرے وہ جن کو آپ بہت زیادہ جانتے ہیں۔ ضیا صاحب نے کہا ہے کہ تم عدنان کی یادیں تازہ کرو اور ہر صورت اس پر کچھ لکھو۔ تازہ تو بھولی بسری باتیں کی جاتی ہیں،

Marfat.com

Marfat.com

5 سالہ نوشین اور 4 سالہ عدنان شاہد اپنے ماما احمد کے ساتھ

عدنان شاہد اور نوشین اپنے کزن کے ساتھ۔

Marfat.com

وہ یادیں اور وہ تعلق جو ہمہ وقت آپ کی ذات کے اور فکر کے گرد ہالہ بنائے رکھتی ہوں، ان کو تازہ کرنے کے کیا معنی؟

وہ ماں کی گود سے میرا ساتھی تھا۔ میں ایک سال کی تھی جب وہ ہمارے گھر آیا۔ ہم نے ماں کی گود شیئر کی ہے اور تب سے اس کے لحد میں اتر جانے تک ساری زندگی میں نے اس کے ساتھ بانٹی ہے۔ ہمارے خاندان میں لڑکیاں بہت کم ہیں۔ میری بھی کوئی بہن نہیں۔ سو وہ آیا تو میرا سب سے اچھا دوست بن گیا۔ وہ میرا بھائی بھی تھا، ہم راز بھی۔ میں یہ ثابت نہیں کرنا چاہتی کہ وہ کوئی بڑا پہنچا ہوا اور اللہ کا مقرب خاص تھا مگر ایک بات ضرور ہے کہ وہ دل کا بڑا صاف تھا۔ جو اس کی زبان پر ہوتا وہی اس کے دل میں ہوتا۔ اس کا قول اور اس کا عمل ایک دوسرے کا عکس تھے۔ میرے لکھے کو تو کوئی بھی یہ کہہ کر رد کر سکتا ہے کہ بہنوں کے بھائیوں بارے جذبات ایسے ہی ہوا کرتے ہیں مگر اتنے بہت سارے لوگوں کا لکھا اور کہا اس کی نیک دلی اور خوش عملی کی شہادت کو موجود ہے اور میرے اللہ کا وعدہ ہے کہ انسان کے حق میں اچھی اور نیک گواہیوں پر میں اپنے فیصلے بدل دوں گا۔ سوائے بار الٰہ! ہمارے دامن بھی تیری بارگاہ عزوجل میں دراز ہیں اور ہم عدنان کے حق میں تجھ سے تیری رحمت اور تیرے فضل کے خواستگار ہیں۔

بچپن میں ہمارے کھلونے اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ مجھے نہیں یاد کہ بچپن میں کبھی میں گڑیا وغیرہ سے کھیلی ہوں۔ سارے کھلونے لڑکوں والے تھے۔ میکنو سیٹ، ٹولز، ڈاکٹر سیٹ، کاریں۔ سبھی کچھ لڑکوں کے کھیلنے والا۔ عدنان چھوٹا ہونے کے باوجود میری پسند پر حاوی رہا، مگر اس نے اپنی Choice کبھی مجھ پر مسلط نہیں کی تھی، زبردستی کبھی اپنی نہیں منوائی تھی۔ بڑے پیار سے اپنی پسند کے حق میں دلائل دیا کرتا تھا۔ عدنان نے مجھے کرکٹ کھیلنا سکھایا۔ بچپن میں بال سے بہت ڈرتی تھی لیکن پھر عادت ہوتی

Marfat.com

گئی۔ میں ' عدنان اور امتنان میری شادی سے پہلے تک اکٹھے کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ ہمارے گھر میں کرکٹ میچ دیکھنے کا بڑا اہتمام ہوتا تھا۔ کاپی پنسل ہاتھ میں رکھ کر باقاعدہ سکور بورڈ ترتیب دیا جاتا تھا۔

عدنان تین چار سال کا تھا۔ ہمیں کسی نے ڈاکٹر سیٹ تحفے میں دیا۔ میں شروع ہی سے کہتی تھی کہ بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اس لئے میری دلچسپی اس ڈاکٹر سیٹ میں زیادہ تھی۔ ہم اکثر اس سے کھیلتے رہتے۔ اس سیٹ میں چھوٹی چھوٹی پلاسٹک کی چھریاں بھی تھیں۔ ایک دفعہ عدنان نے ایک چھری میرے کان پر آزمائی تو کان سے خون جاری ہو گیا۔ امی کی ڈانٹ اور ایک آدھ تھپڑ پڑا تو وہ روتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ میں کبھی ڈاکٹر نہیں بنوں گا۔ مجھے بڑا ہو کر ڈاکٹر نہیں بننا۔

مجھے مونٹیسوری سکول میں داخل کروایا گیا تو میں بہت روتی تھی۔ سکول جاتے ہوئے بھی اور سکول میں بھی۔ کئی ہفتے یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر عدنان کا داخلہ بھی اسی سکول میں ہوا تو مجھے ایک کلاس پیچھے کر کے اس کی جماعت میں بٹھا دیا گیا تاکہ میرا رونا کچھ کم ہو سکے۔ عدنان اس وقت بے حد دبلا پتلا تھا مگر اس کا سر بہت بڑا تھا۔ سکول میں ایک ٹیچر مس سیمی ہوتی تھیں۔ وہ عدنان کو Big Head کہا کرتی تھیں۔ سکول کے گیٹ پر پہنچ کر میں رک جاتی اور رونے لگتی تو عدنان میرا ہاتھ پکڑ کر گیٹ کے اندر کلاس تک لے جاتا۔ کلاس میں بھی اس کا زیادہ وقت مجھے چپ کرانے اور میری دل جوئی کرنے میں گزرتا۔ خود اتنا چھوٹا اور کمزور سا تھا۔ یونیفارم کی نیکر پہنتا تو پتلی پتلی ٹانگیں نکل آتیں مگر مجھے چپ کراتے وقت وہ بزرگ بنا ہوتا۔ لنچ بریک میں مجھے لنچ بھی وہی کرواتا اور اب عدنان کا بیٹا نوفل بالکل عدنان جیسا لگتا ہے۔ شکل، جسامت، باتیں اور بہت پیار کرنے والا دل ' سب عدنان جیسا ہے۔

گھر میں ہم دونوں کا کمرہ ایک تھا۔ اکٹھے پڑھتے اور ایک ساتھ کھیلتے۔ میں نو سال کی

Marfat.com

اور عدنان آٹھ برس کا تھا جب مونتو (امتنان) نے ہمارا کمرہ شیئر کرنا شروع کیا۔ مونتو پیدا ہوا تو امی محکمہ تعلقات عامہ میں جاب کرتی تھیں اور بڑے ہونے کی وجہ سے مونتو کو پالنے میں عدنان کا اور میرا بڑا حصہ ہے۔ وہ ہماری کتابوں، کاپیوں پر لکیریں لگاتا، ہمارے درمیان سوتا، کھانا کھاتے ہوئے اسے بیچ میں بٹھایا جاتا۔ عدنان نے اور میں نے مونتو کو ایک ایک بات سکھائی۔ جب وہ کھڑا ہونے لگا تو اس کا ایک ہاتھ عدنان پکڑتا، دوسرا میں پکڑتی اور پھر ہم اس کو پاؤں پاؤں چلنا سکھاتے۔ سارا دن ہم دونوں مونتو کے گرد چکرائے پھرتے۔ پھر ہم اور بڑے ہوئے تو میرا کمرہ الگ ہو گیا اور مونتو اور عدنان ایک کمرے میں رہنے لگے۔ مونتو عدنان کے تمام کپڑے جوتے استعمال کرتا۔ ایک دفعہ عدنان نے کہا کہ اپنی چیزیں ڈھونڈنے کے لئے مونتو کی الماری کھولنا پڑتی ہے۔

عدنان کی یادداشت بے حد اچھی تھی۔ پانچویں جماعت میں وہ کریسنٹ سکول میں داخل ہو گیا۔ کلاس میں وہ جو کچھ پڑھتا، گھر آ کر ہوم ورک کی صورت میں دوسری مرتبہ دیکھتا اور پھر تیسری دفعہ وہ امتحان کے دنوں میں اس پر نظر ڈالتا۔ عدنان نے یہ غیر معمولی حافظہ وراثت میں پایا تھا۔ وہ فوٹو میموری رکھتا تھا جب لکھنے بیٹھتا تو پڑھے ہوئے کو سطر سطر نقل کر دیتا۔ اسے کتاب کا صفحہ نمبر تک یاد رہتا تھا۔ اس بنا پر اسے محنت کم کرنا پڑتی اور وہ ہمیشہ اے پلس گریڈ لیتا۔ مگر حساب سے وہ بھاگتا تھا۔ اس مضمون میں اس کے نمبر پچاس پچپن سے اوپر نہیں آتے تھے۔ حساب پڑھنے میں اس کی مدد میں کیا کرتی تھی۔ ساتویں جماعت میں کریسنٹ ماڈل سکول کے ادبی رسالے کا جونیئر ایڈیٹر بن گیا۔ آٹھویں جماعت کا امتحان عدنان نے کراچی میں فیڈرل بورڈ سے دیا کیونکہ اس وقت ابو کی ٹرانسفر نوائے وقت کراچی ہو گئی تھی۔ آٹھویں جماعت کے امتحانوں میں عدنان کو سکالر شپ ملا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ سکول سے فارم لے کر آیا۔ ان کو پر کیا، ابو کے دستخط کروائے اور جمع کروانے کے لئے فارم سکول بیگ میں رکھ لئے۔

Marfat.com

کئی دن گزر گئے۔ ایک دن میں اس کو پڑھا رہی تھی۔ میں نے اس کا بیگ دیکھا تو سکالرشپ کے فارم پڑے تھے۔ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ گزر چکی تھی۔ میں نے پوچھا تم نے فارم جمع نہیں کروائے؟ ذرا سا گڑبڑا گیا اور کہنے لگا "دیکھو! تم امی ابو کو نہ بتانا پلیز۔" میں نے پھر ذرا سختی سے پوچھا "لیکن تم نے آخر کیوں نہیں جمع کروائے" عدنان نے کہا "میں نے جان بوجھ کر نہیں کروائے۔ وہ، بات یہ ہے کہ میری کلاس میں ایک لڑکا پڑھتا ہے، اس کے نمبر ذرا کم ہیں۔ سکالرشپ حاصل کرنے والوں میں اس کا نام نہیں آیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اگر فہرست میں سے کوئی ایک لڑکا بھی ڈراپ ہو جائے تو مجھے وظیفہ مل جائے گا۔" وہ کچھ دیر خاموش رہا، پھر بولا "تمہیں پتہ ہے نوشی! اس کے ابو نہیں ہیں۔ اس وظیفے کی اس کو مجھ سے زیادہ ضرورت ہے۔ اسی لئے میں نے فارم جمع نہیں کروائے۔" پھر وہ چہکا۔ "یار! اصل بات تو Honour کی ہوتی ہے۔ میرا نام سکالرشپ حاصل کرنے والوں کی فہرست میں آ گیا، یہ Honour کیا کم ہے۔"

میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ مجھے کوئی دعویٰ نہیں کہ میرا بھائی کوئی ولی اللہ تھا لیکن بچپن ہی سے اس میں کوئی بات ایسی تھی، اس کے اندر سے کوئی آواز ایسی اٹھتی تھی جس کی بنا پر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا تھا۔ کوئی جذبہ اس کے اندر تھا جس نے اسے ہمیشہ Sacrifice کرنے پر مائل رکھا۔ وگرنہ آٹھویں جماعت کے طالب علم کی عمر ہی کیا ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کا خیال رکھنے کی شعوری کوشش کر سکے۔ کوئی تو Source ایسا تھا جہاں سے بارہ تیرہ سالہ بچے کے دل میں یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنے کی ترغیب ڈالی گئی۔

سکول کے زمانے میں اپنا لنچ دوسروں کو پیش کر دینا تو گویا اس کا معمول تھا۔ اسے خود بڑے محدود سے پیسے ملتے تھے، وہ یہ پیسے بھی اپنی کلاس کے نسبتاً کم وسائل کے حامل دوستوں پر خرچ کر دیتا تھا۔ جب ہم ایک ہی کلاس میں تھے تو میں اکثر دیکھتی کہ

Marfat.com

نوشین کی شادی میں مہندی پر ڈانس کرتے ہوئے۔

Marfat.com

نوشین کی شادی پر اسے کچھ کہتے ہوئے۔

Marfat.com

کلاس کا کوئی بچہ عدنان کے لنچ سے انصاف کر رہا ہے اور یہ اسے کھاتا دیکھ رہا ہے۔ میں پوچھتی "تم نے خود کیوں لنچ نہیں کیا۔" اس پر وہ کھسیانی سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر کہتا۔ "وہ اصل میں اس کا لنچ باکس گر گیا تھا، تم گھر جا کر امی کو نہ بتانا۔" دوسروں کی مدد کر کے وہ ہمیشہ خوش ہوتا۔

جب ہم ذرا بڑے ہوئے اور کھلونوں سے کھیلنے کی عمر سے نکل آئے تو گھر کا ماحول ایسا تھا کہ سوائے مطالعہ کے کوئی ایکٹوٹی نہ ملتی تھی۔ ٹی وی دیکھنے کا وقت مقرر تھا۔ دن بھر میں صرف ڈرامہ دیکھنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ضیا صاحب کی مصروفیت کی بنا پر گھر سے باہر آنا جانا بھی کم ہوتا۔ کتابیں گھر میں بہت زیادہ تھیں۔ سو ایسے میں کتابیں پڑھنا ہی ہماری سب سے بڑی مصروفیت ہو گئی۔ یوں بھی امی اور ابو دونوں ہی ہمیں مطالعہ کی طرف مائل کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے میں اور عدنان چوتھی جماعت میں تھے جب ہم نے فسانہ آزاد پڑھنا شروع کیا۔ اس کے دو تین حصے تھے۔ ہم نے گرمیوں کی چھٹیوں میں پڑھ ڈالے۔ میں اور عدنان کتاب سامنے رکھ لیتے اور اکٹھے پڑھتے۔ کوئی صفحہ اگر ایک پہلے پڑھ لیتا تو جب تک دوسرا آخری سطر تک نہ پہنچ جاتا، صفحہ پلٹا نہ جاتا۔ عدنان مطالعہ کا شروع ہی سے رسیا تھا۔ وہ جلد پڑھ لیتا اور پھر میری وجہ سے صفحہ پلٹنے کا انتظار کرتا رہتا۔ ہمیں اکثر باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ ضیا صاحب تو ملتے نہ تھے البتہ امی ہر وقت گھر پر ہوتیں تو ہم ان سے پوچھ لیتے۔ سوال کرتے، نکتے اٹھاتے۔ چھٹی جماعت میں ہم نے نسیم حجازی کا "خاک اور خون" پڑھا، پھر "شاہین، آخری چٹان" اور دیگر چھ سات تاریخی ناول پڑھے۔ مجھے لٹریچر سے کوئی ایسی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے ذرا بڑے ہوئے تو پھر ہمارا مطالعہ بھی اپنی اپنی پسند کے مطابق الگ ہو گیا۔ عدنان کو زیادہ تر کتابیں ابو ہی لا کر دیتے۔ جیسے جیسے اس کی کلاس بڑی ہوتی گئی کتابیں بھی بڑی ہوتی گئیں۔ سکول کے دوران ہی عدنان نے بڑی ثقیل قسم کی کتابیں

Marfat.com

پڑھ لیں اور اپنے سکول کے مضامین میں ان کا حوالہ دیتا۔ اس کے طرز تحریر پر اس کے ٹیچر حیران ہوتے اور اکثر یہ سمجھا جاتا کہ اسے گھر کا کوئی بڑا مضمون لکھ کر دیتا ہے۔

پانچویں جماعت کے بعد میں نے ڈبل پروموشن لے لی۔ پھر ضیا صاحب نوائے وقت کراچی کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے تو ہم بھی وہاں چلے گئے۔ کراچی میں ٹیسٹ دے کر میں نے ایک جماعت مزید آگے داخلہ لے لیا۔ یوں میں عدنان سے دو گریڈ آگے ہوگئی۔ اس نے میٹرک کا امتحان دیا تو میں ایف ایس سی کے امتحانات سے فارغ ہو چکی تھی۔ دونوں کو چھٹیاں تھیں ان چھٹیوں میں ہم نے ترجمے اور تفسیر کے ساتھ قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ کافی باتیں سمجھ میں نہ آتیں۔ ہم نے مولانا مودودی کی تفہیم القرآن پڑھنا شروع کی۔ ہمارا معمول ہو گیا کہ روزانہ کچھ صفحات ترجمے کے ساتھ پڑھتے، اس کی تفسیر کا مطالعہ کرتے اور پھر اس پر نوٹس بناتے۔ عدنان کہا کرتا کہ صرف پڑھ لینا ہی کافی نہیں اس پر عمل بھی ہونا چاہئے۔ تب تک عدنان کا مطالعہ کا شوق پختہ ہو چکا تھا۔ ہمارے مزمل چچا مرحوم سعودی عرب میں رہتے تھے۔ وہ عدنان کے آئیڈیل تھے۔ وہ بھی مطالعہ کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ جب بھی آتے عدنان کے لئے کتابیں لایا کرتے انہی دنوں وہ ابو کے لئے بخاری شریف کا سیٹ لے کر آئے۔ وہ بھی میں نے اور عدنان نے مل کر پڑھا۔

اس وقت پی ٹی وی پر ہفتے میں ایک دفعہ نیشنل جیوگرافک کا پروگرام شروع ہوا۔ ہم یہ پروگرام بڑے شوق سے دیکھتے تھے۔ مونتو بہت چھوٹا تھا مگر اسے زبردستی ساتھ بٹھا کر پروگرام دکھایا جاتا اور بعد میں عدنان لیکچر دے کر سمجھاتا۔ ایک دفعہ اہرام مصر پر ڈاکومنٹری دیکھ کر اسے اہرام کے بارے میں جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ تب بھی مزمل چچا نے اسے اہرام مصر پر ایک کتاب لا کر دی۔ اس نے بڑی رغبت سے یہ کتاب پڑھی۔ پھر وہ ہمیں ان کے بارے میں بتایا کرتا۔ دیکھو یہ اہرام ستاروں کو دیکھ کر

Marfat.com

ڈیزائن کیے گئے ہیں۔ فلاں زاویے کی فلاں وجہ تسمیہ ہے۔ اس موضوع سے اس کی دلچسپی ہمیشہ قائم رہی۔ اس کی لائبریری میں اہرام مصر پر بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ اب وہ انٹرنیٹ سے بھی اہرام کے بارے نئی نئی معلومات لیتا رہتا اور مجھے میل کیا کرتا تھا۔ اب تک وہ کوئی اچھی کتاب پڑھتا تو مجھے ضرور پڑھنے کے لئے دیتا یا اس کے بارے میں زبردستی بٹھا کر لیکچر دیتا۔ شفیق الرحمان کو وہ بہت پسند کرتا تھا۔ خبریں کا ایڈیٹر بننے کے بعد اس نے کالم لکھنا شروع کیا تو اپنے کالموں میں ان کی کتابوں کے اکثر حوالے دیا کرتا تھا۔ سیرت رسولؐ پر اس نے کئی کتابیں پڑھیں۔ خصوصاً نقوش کا رسول نمبر عدنان کا Favorite رہا۔ حضرت عمر فاروقؓ پر اس نے بہت پڑھا۔ کچھ سال سے وہ حضرت عمر کے دور حکومت اور طرز حکومت پر کتابیں پڑھ رہا تھا اور اکٹھی بھی کر رہا تھا۔

عدنان کا ایک اور شوق فوٹوگرافی تھا۔ وہ گورنمنٹ کالج کی فوٹوگرافی سوسائٹی کا بھی رکن تھا۔ گھر میں کوئی بھی تقریب ہوتی تو تصویریں عدنان ہی بنایا کرتا۔ گورنمنٹ کالج میں جب وہ تھرڈ ایئر میں تھا تو فوٹوگرافی کا مقابلہ ہوا۔ عدنان نے ریس کورس میں گھوڑوں کی ایک ایسی تصویر اتاری جس میں چند سیاہ گھوڑے کھڑے ہیں اور ایک سفید گھوڑا ان سے الگ اکیلا کھڑا ہے۔ اس تصور کا کیپشن اس نے یہ دیا ''تیری ساڈی نئیں نبھنی'' اس تصویر پر اسے پہلا انعام ملا تھا۔

میرے لئے اس کی زندگی کھلی کتاب ہے کیونکہ اس نے مجھ سے کبھی کچھ نہیں چھپایا تھا۔ فرسٹ ایئر میں پہلی دفعہ دوستوں کے ساتھ سگریٹ پی تو مجھے آ کر بتایا۔ میں ناراض ہوئی اور امی کو بتانے کی بات کی تو منتیں کرنے لگا ''دیکھو نوشی! تم میری دوست ہو، تم سے میں کوئی بات چھپا ہی نہیں سکتا۔ امی کو نہ بتانا پلیز۔'' میں نے تو امی کو نہ بتایا لیکن پھر ایک دن انہوں نے اس کے کالج بیگ سے سگریٹ کی ڈبیا برآمد کر لی۔ بس پھر عدنان تھا اور امی کا جوتا تھا۔ امی روتی بھی جاتی تھیں اور متواتر پٹائی بھی کر رہی تھیں۔

Marfat.com

ضیا صاحب نے ہم پر کبھی سختی نہیں کی۔ گھر پر ان کا وقت ہی بہت کم گزرتا تھا لیکن امی کے جوتے میں نے عدنان نے اور امتنان نے شادیاں ہو جانے تک بکثرت کھائے ہیں۔ وہ اکثر جوتے سے مارتی تھیں۔ امتحانوں کے دنوں میں تو گویا شامت ہی آجاتی اور امی احتیاطاً پرچوں سے پہلے ہی اپنا یہ عمل شروع کر دیتیں۔ ان کا خیال تھا کہ حفظ ماتقدم کے طور پر یہ "کورس" پہلے ہی شروع کر دینا چاہئے تاکہ یہ زیادہ پڑھیں اور اچھے نمبر لیں۔ کالج میں آنے کے بعد عدنان شام کو دوستوں سے ملنے ملانے بھی جایا کرتا تھا۔ اس کو ہدایت تھی کہ جتنے بجے کا کہہ کر جائے اتنے بجے اسے گھر میں ہونا چاہئے۔ کبھی تاخیر ہو تو فون پر اطلاع دینا لازم تھا۔ اگر کبھی ایسا ہوتا کہ وہ بغیر اطلاع کے دیر سے آتا تو امی گیٹ پر کھڑی ہوتیں۔ ایک دفعہ مزمل چچا گھر آئے ہوئے تھے۔ عدنان دیر سے واپس آیا تو امی نے پٹائی شروع کر دی۔ مزمل چچا نے کہا "یاسمین! کیا کرتی ہو، جوان بچے کو مار رہی ہو۔" عدنان مار کھا رہا تھا، رو بھی رہا تھا اور چچا سے کہہ رہا تھا۔ "کوئی بات نہیں امی جو کرتی ہیں کرنے دیں۔ امی کو مارنے دیں، میرا ہی قصور ہے۔" اور پھر امتنان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا تو عدنان اسے تسلی دیتا "کوئی بات نہیں بیٹا یہ مار بڑا کام آئے گی۔"

سکول کے زمانے سے ہی جب عدنان کو نماز پڑھنا ہوتی تو کمرے میں بند ہو کر پڑھتا۔ کالج میں اس کی سگریٹ نوشی کا انکشاف ہونے کے بعد جب اس کے کمرے کا دروازہ بند ہوتا تو امی مجھے کہتیں " جاؤ جا کر دیکھو، دروازہ کیوں بند ہے، بیٹھا سگریٹ پی رہا ہوگا۔" اکثر دروازہ کھولتی تو عدنان نماز پڑھ رہا ہوتا۔ کتنی ہی مرتبہ میں نے اسے کہا کہ تم چھپ کر کیوں نماز پڑھتے ہو۔ یہ ایسی کیا چھپانے کی چیز ہے، سب کے سامنے پڑھا کرو، وہ جواب دیتا "یہ کوئی دکھا کر کرنے کا کام ہے۔ میں سب کے سامنے نہیں پڑھ سکتا۔ کوئی مولوی تھوڑا ہی ہوں۔ ساری نمازیں کہاں پڑھتا ہوں! دن میں جتنی بھی

Marfat.com

عدنان شاہد اور احتشام شاہد اپنی بہن نوشین کو شادی پر ڈولی میں بٹھاتے ہوئے۔

Marfat.com

اپنی بارات والے دن نوشین کو سونے کا سیٹ دیتے ہوئے۔

Marfat.com

نمازیں پڑھتا ہوں، یہ جس کے لئے ہیں وہ سب کچھ جانتا ہے۔ لوگوں کو کیا دکھانا۔ ''شب برات یا شب معراج پر جب امی رات بھر نوافل وغیرہ پڑھتیں تب بھی وہ اپنے کمرے میں ہی رات رات بھر جاگتا اور ہمیشہ اصرار کرتا کہ کسی کو نہ بتانا۔

ایم اے میں پہنچ کر اس کے مطالعہ کی سمت کسی قدر تبدیل ہو گئی تھی، وہ تصوف پڑھنے لگا تھا۔ سب سے پہلے اس نے جو کتاب پڑھی وہ کشف المحجوب تھی۔ جب وہ خود یہ کتاب پڑھ چکا تو مجھے پڑھنے کو دی۔ میں نے پڑھنے کی کوشش کی مگر کچھ سمجھ نہ سکی۔ عدنان کو بتایا تو اس نے مجھے بٹھایا اور بتانے لگا ''دیکھو یہ کوئی عام کتاب نہیں ہے کہ شروع کی اور آخری باب تک پڑھ ڈالا۔ اسے پڑھنے کا اور سمجھنے کا خاص طریقہ ہے۔ کچھ Key Words ہیں۔ انہیں پکڑنا اور سمجھنا پڑتا ہے۔ وگرنہ کچھ پلے نہ پڑے گا۔

دو سال پہلے اس نے مجھے اشفاق احمد صاحب کی کتاب ''زاویہ'' پڑھنے کو دی۔ ہمارا مطالعہ کا ذوق الگ الگ ہو گیا تھا لیکن وہ جب بھی کوئی اچھی کتاب پڑھتا تو بعد میں مجھے ضرور بھیجتا کہ اسے پڑھو پھر اس پر گفتگو کریں گے۔ زاویہ دیتے ہوئے اس نے مجھے کہا کہ اشفاق صاحب کی ایک بات مجھے بڑی اچھی لگی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''مجھے میرے بابا نے بتایا، جب تم کسی دوسرے کو کچھ دیتے ہو تو اپنے پاس سے نہیں دیتے۔ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے دیتے ہو، جب تمہارا اپنا کچھ ہے ہی نہیں تو پھر احسان کیسا؟ تم نے بھی تو دیئے میں سے دینا ہے کون سا پاس سے دینا ہے۔''

پھر سے مجھے اپنا بچپن یاد آتا ہے۔ ہم بہت چھوٹے تھے تو ابو کے ساتھ بابا نور والے کے ڈیرے پر جایا کرتے تھے۔ یہ ڈیرہ لاہور چھاؤنی میں کہیں تھا۔ یہی نور والے، اشفاق احمد صاحب کے بابا جی تھے۔ حنیف رامے صاحب کے بڑے بھائی رشید چودھری تھے ان کا پرنٹنگ پریس تھا، وہ بھی اکثر ہمارے ساتھ ہوتے تھے۔ شاید یہی یاد عدنان کے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ تھی، اسی لئے وہ اشفاق صاحب کو بہت پڑھتا

Marfat.com

تھا اور پھر قدرت اللہ شہاب کے شہاب نامہ کا آخری باب نائنٹی پر ہماری کئی دن تک بحث ہوتی رہی۔ کیا ایسا ہوتا ہے۔ عدنان کا خیال تھا کہ ہر اچھی کتاب سے کوئی نئی اور اچھی بات سیکھی جا سکتی ہے اور بعض اوقات کچھ باتیں آپ کی زندگی بدل دیتی ہیں۔

وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں تھا اور میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں پڑھتی تھی تبھی عدنان میں بھی ایک نئی عادت نے جنم لیا، وہ ہر وقت زیر لب کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا پڑھتے ہو؟ کہنے لگا "اللہ کا کوئی بھی نام پڑھا جا سکتا ہے۔ لوگ زیادہ تر یا رحمٰن، یا رحیم، یا کریم، یا غفور وغیرہ پڑھتے ہیں لیکن میرے خیال میں یا اللہ کا ورد کیوں نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو اس کا ذاتی نام ہے اور سب سے پیارا بھی۔ ویسے بھی میرے جیسا آرام طلب بندہ مشکل کام نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا تم یا اللہ پڑھتے ہو۔ اس نے کہا "کبھی مصروفیت میں بھول بھی جاتا ہوں مگر اس کا یہی نام پڑھتا ہوں۔ پوری کوشش کرتا ہوں زبان سے یا دل میں پڑھتا رہوں۔ تم بھی پڑھا کرو۔ شاید کبھی اللہ کا دامن پکڑ لیں۔"

پچھلے سال ابو بیمار ہوئے۔ شیخ زید ہسپتال میں داخل تھے۔ ان کا ڈائیلسز ہوتا تھا، نظر پر بھی اثر پڑا تھا۔ ایک وقت آیا کہ ڈاکٹروں نے کہہ دیا اب کوئی ٹریٹمنٹ ممکن نہیں۔ ہمیشہ ڈائلسز کروانا پڑے گا۔ بڑی پریشانی تھی۔ ابو کا ڈائیلسز ہو رہا تھا۔ میں عدنان اور امتنان کمرے کے باہر کھڑے تھے۔ تبھی ہم نے سوچا کہ ان کو علاج کے لئے بیرون ملک لے جانا چاہئے۔ لندن میں چند ایک ڈاکٹروں سے رابطہ کیا۔ انہوں نے کہا لے آئیں۔ ہم نے لندن جانے کا پروگرام بنا لیا۔ یہاں کے ڈاکٹروں نے ہم سے دستخط لئے کہ آپ ضیا صاحب کو اس حالت میں آٹھ گھنٹے کے سفر پر لے کر جا رہے ہیں اگر راستہ میں خدانخواستہ کوئی مسئلہ ہوا تو ہم ذمہ دار نہ ہوں گے۔ انہی دنوں میں عدنان نے بتایا کہ میں ایک بندے کے پاس گیا تھا، اس نے پڑھنے کو کچھ دیا ہے۔ اللہ کے نام ہیں

Marfat.com

ضیاصاحب سارا وقت پڑھتے رہا کریں۔ میں نے پوچھا "کس نے یہ ورد بتایا ہے، تمہارے ماڈرن بابے نے؟" فرسٹ ایئر سے ہی عدنان کا رابطہ کسی سے تھا۔ پتہ نہیں وہ کون تھا مگر صوفی ازم اور تصوف کی طرف عدنان کے مائل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ اس نے کبھی ان کا نام پتہ نہیں بتایا صرف ان کی باتیں بتاتا تھا اور کبھی کبھی تو مجھے بتاتا کہ تمہارے لیے یہ پیغام بھیجا ہے۔

میں اور امی ضیا صاحب کے ساتھ لندن جا رہے تھے۔ ایئرپورٹ لاؤنج میں جہاز کے اندر جاتے وقت مجھے رونا آ گیا۔ ہم تینوں بہن بھائی الگ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے کہا مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ عدنان اور امتنان کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ ہم تینوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لئے پھر عدنان قدرے بلند آواز میں کہنے لگا "اے اللہ تو رحمان ہے اور رحیم ہے۔ تو قیامت کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم پر اپنا رحم فرما۔" پھر مجھ سے کہنے لگا "تم سارا راستہ اللہ سے اس کا فضل مانگتی جانا۔ اس پر یقین رکھو، کچھ نہیں ہوگا۔ جب کوئی اس کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ نا امید نہیں کرتا۔ بس یقین کامل رکھو۔" اس کی باتوں سے مجھے بڑا حوصلہ ہوا۔ میں راستے میں سورۃ فاتحہ کے یہی جملے دہراتی گئی۔ اللہ نے واقعی کرم کیا اور ضیا صاحب کا علاج کامیاب رہا۔

وہ میرا بھائی تھا، میرا دوست تھا، میرا ہمراز تھا۔ چھوٹے چھوٹے مسائل سے لے کر بڑے بڑے فیصلوں تک وہی میرا مشیر بھی تھا اور رہنما بھی۔ اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ بھی میں نے اسی کی مشاورت اور یقین دہانی پر کیا۔ میری شادی ایک روایتی ارینج میرج تھی۔ عدنان میرا سب سے قریبی دوست تھا، جس سے میں زندگی کی ہر بات شیئر کرتی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا "عدنان! میں نہیں جانتی، جس سے میری شادی ہونے جا رہی ہے، وہ کیسا شخص ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کرنا چاہئے۔" عدنان

Marfat.com

نے کہا ”میں ان سے ملا ہوں، بہت اچھے ہیں۔ ضروری نہیں جس سے آپ کی شادی ہونی ہے، اسے آپ نے دیکھا بھی ہو، تم خوش رہو گی۔ اللہ پر بھروسہ رکھو“۔ اس کی یقین دہانی سے مجھے تسلی سی ہو گئی۔ میں نے کہا کہ ”تم نے اوکے کر دیا، بس ٹھیک ہے۔“ میں اب بھی اکثر اپنے شوہر سے کہا کرتی ہوں کہ آپ عدنان کی چوائس ہیں۔

میری شادی، مہندی، مایوں پر وہ سارے کام جو بہنیں اور سہیلیاں کرتی ہیں، عدنان اور امتنان نے کئے۔ ان کے دوستوں نے ایک جیسے کپڑے بنوائے، عدنان نے خصوصی طور پر ڈھولک سیکھی اور مہندی، مایوں پر ڈھولک بجاتا رہا، پھر شادی کے دن جیسے وہ بچپن میں مجھے ہاتھ پکڑ کر سکول کے گیٹ سے کلاس تک لے جایا کرتا تھا، اسی طرح میرا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج پر بٹھایا۔ پھر ڈولی تک لے کر گیا۔ عدنان اور امتنان نے ڈولی اٹھا کر مجھے گاڑی تک پہنچایا۔ رخصتی ہوئی تو دونوں میرے ساتھ ہی گئے۔ مجھے سسرال چھوڑ کر وہ میرے گھر کے باہر دیر تک بیٹھے روتے رہے۔

میرے فون میں ابھی تک وہ ایس ایم ایس محفوظ ہیں جو عدنان اپنی زندگی کے آخری ایام میں امریکہ سے مجھے کرتا رہا۔ وہ ضیا صاحب کو علاج کے لئے لے کر امریکہ گیا تھا۔ امریکہ جانے سے پہلے میں نے اسے کہا کہ ابو کو ڈاکٹروں کو دکھانا ہے، ہسپتالوں میں جانا پڑے گا، ڈاکٹروں سے سارا کیس Discuss کرنا ہے کیا تم کر لو گے۔ عدنان نے کہا کوئی مسئلہ نہیں۔ میں handle کر لوں گا۔ ویسے بھی ماں باپ کی خدمت کرنے جا رہا ہوں یہ تو فرض ہے یہ کریں تو بخشش ہو گی۔ روزانہ ہی فون اور میسج کرتا۔ ایک دن میں نے پوچھا ”اتنے دن ہو گئے ہیں، تم امریکہ میں تنگ تو نہیں آ گئے۔“ کہنے لگا ”بس ایک مسئلہ ہے کہ سگریٹ پینے کی تنگی ہوتی ہے۔ گھر میں سموکنگ کر نہیں سکتا اور باہر کا درجہ حرارت منفی نو ڈگری ہے۔ سویٹر، جرسی، مفلر، کوٹ، ٹوپی پہنتا ہوں اور پھر کہیں باہر جا کر ایک سگریٹ پیتا ہوں۔“ اس کی سموکنگ فرسٹ ایئر سے شروع

Marfat.com

عدنان شاہد اور احتشان شاہد اپنی بہن نوشین کی شادی میں۔

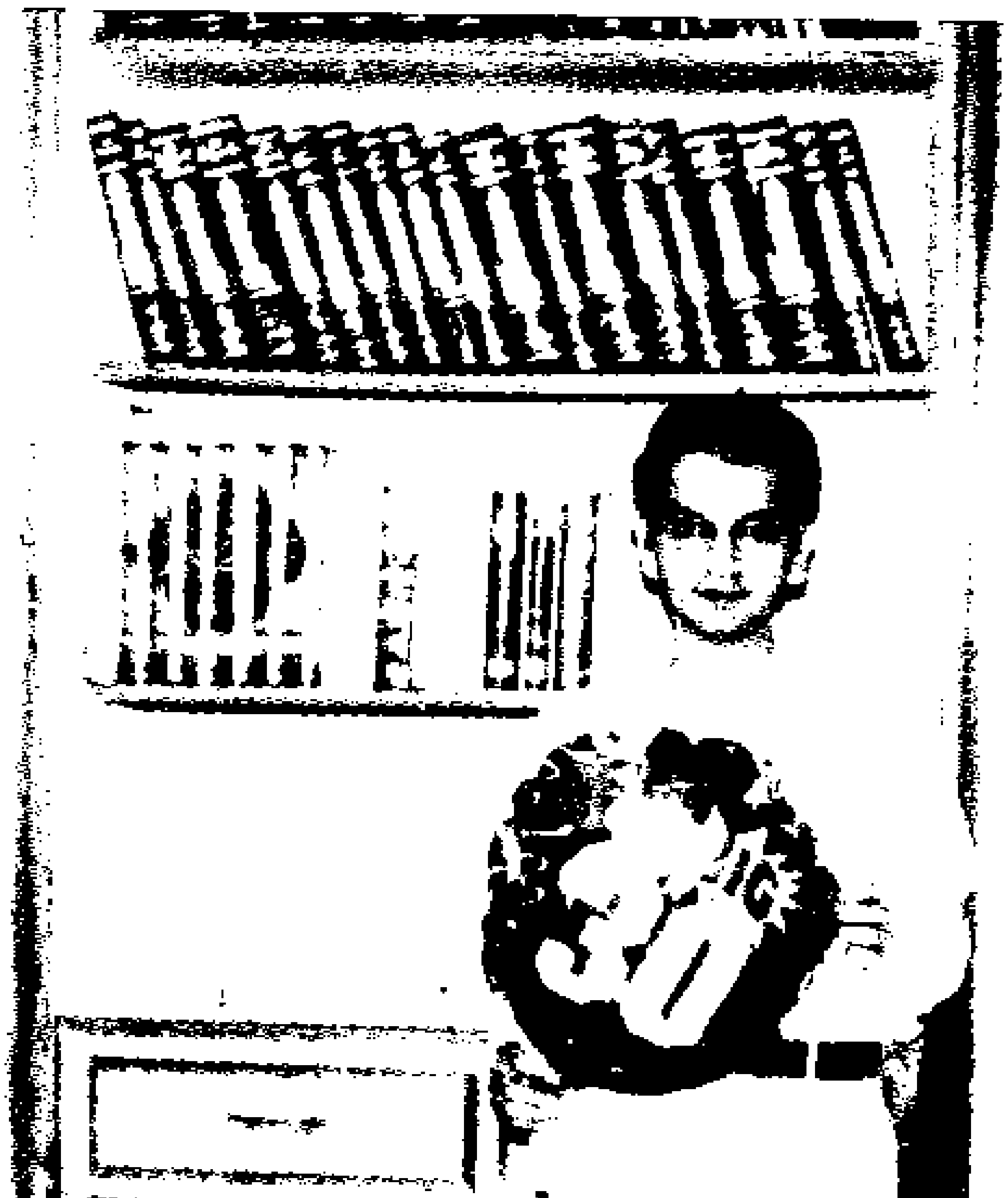

اپنی 30ویں سالگرہ پر اپنی امی کو بھیجی گئی تصویر۔

Marfat.com

عدنان شاہد خوشگوار موڈ میں۔

Marfat.com

ہو گئی تھی اور اب تو سبھی کو پتہ تھا لیکن اس نے کبھی امی یا ضیا صاحب کے سامنے سگریٹ نہیں پی۔

وہ بہت مشکل وقت تھا جب پتہ چلا کہ عدنان ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔

13 جنوری کو عدنان امی اور ابو امریکہ جا رہے تھے جہاں ابو کے چیک اپ ہونا تھے۔ میں اور مونتو انہیں چھوڑنے ایئرپورٹ پر گئے۔ جاتے ہوئے وہ ہمیں گلے مل کر گیا۔ اور پھر 16 فروری کو جب عدنان آیا تو میں اور مونتو صبح صبح اسے لینے گئے۔ لیکن اس بار وہ سب کو حوصلہ دینے والا عدنان تابوت میں واپس آیا تھا۔ وہ تو ہمیں ایک نئے حوصلے کا سبق دے کر چلا گیا۔ اس کے آنے سے پہلے میں سوچتی رہی کہ عدنان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہوگا، شاید درد ہوگا، شاید وہ گھبرایا ہوگا۔ اتنا سچا، نیک اور خوبصورت دل اچانک کیسے بند ہو گیا۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہوگا۔ تابوت گھر لا کر صحن میں رکھا۔ تابوت کا ڈھکنا اٹھانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ میں اور مونتو اس کے پاس ہی کھڑے تھے۔ جب ڈھکنا اٹھایا تو سرہانے کی طرف شیشہ لگا تھا، جس میں سے اس کا انتہائی مطمئن اور پرسکون چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اس کا فراخ ماتھا چمک رہا تھا۔ میں نے مونتو سے کہا اسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی ہوگی۔ دیکھو اس کے چہرے پر درد کا، تکلیف کا کوئی احساس نہیں ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اللہ اسے بڑے پیار اور آرام سے ایک دنیا سے دوسری دنیا میں لے گیا۔ وہ جو ہم بچپن سے سنتے آ رہے تھے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ ہیں۔ میرا بھائی بھی ایسا ہی تھا شاید اسی لئے اللہ نے اسے کوئی تکلیف نہیں دی۔ مجھے پتہ نہیں چلا یہ باتیں کرتے وقت کب مونتو نے میرا ہاتھ پکڑا۔ ہم دونوں رو رہے تھے۔ مونتو نے کہا رونا نہیں۔ اگر ہم دونوں ہمت ہار گئے تو امی ابو کو کون حوصلہ دے گا، حمیرا اور بچوں کو کون دیکھے گا۔ بس رونا نہیں۔ وعدہ کرو۔" روتے روتے میری نظر عدنان کے چہرے پر پڑی تو مجھے یوں لگا جیسے وہ کہہ رہا ہو میں نے اپنا ہاتھ کھینچا نہیں،

Marfat.com

میں تواب بھی تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ایک بزرگ نے میرے سر پر ہاتھ رکھااور کہا"نہ رووجیے کدی ماں جائے وی وکھ ہوئے نیں اوتے تواڈے کول اے" (نہ روبیٹی کبھی ماں جائے بھی الگ ہوئے ہیں وہ تو تمہارے ساتھ ہے) بے شک ماں جائے کبھی الگ نہیں ہوتے، مگر عدنان تو ہر بات مجھے بتاتا تھا، پھر اپنے جانے کی بات کیوں نہیں بتائی لیکن وہ بتاتا بھی تو کیسے۔ غیب کا علم تو صرف خدائے بزرگ و برتر کو ہے۔ اپنی حکمتوں کی خبر تو وہ ہم جیسوں کو نہیں دیتا۔

اے اللہ تیرے ہر فیصلے کی تعمیل کے لئے ہم حاضر ہیں۔ بے شک جو دنیا میں آیا ہے اسے واپس تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اے مالک دو جہاں اسی یقین کے ساتھ ہم تجھ سے تیرا فضل مانگتے ہیں، تیری بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ تو عدنان کو اپنے پاس بہت اچھی جگہ دینا، اسے اپنے پیاروں میں شامل رکھنا، روز قیامت اپنے عرش کے سائے میں جگہ دینا۔ اے اللہ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ تو اس کے ماں باپ کو صبر اور حوصلہ دے گا۔ اور اس کے بچوں کو بھی تو ہی نیک انسان بنائے گا اور ان کو سنبھالے گا۔

آج بھی مونتو میرے پاس آتا ہے تو ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کتنی ہی دیر بیٹھے رہتے ہیں۔ کچھ نہیں بولتے۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے، کیونکہ شاید ہم دونوں جانتے ہیں کہ نظریں ملیں گی تو آنسو چھلک پڑیں گے اور ہمارا وعدہ ٹوٹ جائے گا۔ اپنے ہاتھوں کے ساتھ عدنان کے ہاتھ کا لمس ہم اب بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ وہ اب بھی یہی یاد کروا رہا ہے۔ "اے اللہ تو رحمان بھی ہے اور رحیم بھی، جو اس کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے نا امید نہیں ہوتا، بس یقین رکھو، اللہ فضل کرے گا۔"

Marfat.com

My Soul Mate

حمیرا اویس شاہد

عدنان سے میری پہلی ملاقات جنوری 1996ء میں ہوئی۔ میں امپیریل کالج لاہور میں سٹوڈنٹ کو آرڈینیٹر تھی۔ عدنان نے وہاں ایم بی اے کرنے کے لئے داخلہ لیا تھا۔ آج بھی وہ دن پوری جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ میری یادوں میں زندہ ہے جب عدنان پہلی مرتبہ میرے کمرے میں آئے۔ وہ جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھے۔ سر پر پی کیپ تھی اور ہاتھ میں سگریٹ۔ "بھئی وہ بچوں کے کچھ مسائل تھے۔ ان کے بارے میں آپ سے ڈسکس کرنا تھا۔" میں حیران ہوئی کہ یہ جو ابھی خود بے بی فیس ہے، اس کے بچے کہاں سے آئے اور اگر ہیں بھی تو میرا اس کے بچوں سے کیا تعلق؟ میرے استفسار پر کہنے لگے کہ "یہ جو آپ کے کالج کے طلباء ہیں، بچے ہی ہیں ناں! اس بارے بات کرنا تھی۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ چونکہ عملی زندگی میں قدم رکھ چکے تھے اس لئے اپنے آپ کو چھبیس ستائیس سال کی عمر میں ہی بابا سمجھنے لگے تھے۔

عدنان کی ظاہری شخصیت تو متاثر کن تھی ہی مگر پہلی ملاقات میں ہی ان کی شخصیت کے کچھ ایسے گوشے سامنے آئے کہ مجھے ان سے کشش اور لگاوٹ محسوس ہوئی۔ ملاقات میں ایڈمنسٹریشن سے شروع ہونے والی گفتگو لٹریچر پر جا کر ختم ہوئی۔

Marfat.com

میں نے انگریزی ادب میں ایم اے کیا ہے اور لٹریچر کا شوق بھی رکھتی ہوں۔ ہم تھامس ہارڈی، کیٹس، ٹوایس ایلیٹ، خلیل جبران پر بحث کرتے رہے۔ میں حیران تھی کہ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے اکنامکس کر کے آنے والا یہ ایم بی اے کا طالب علم ادب پر کیسی پختہ گفتگو کر رہا ہے، پھر ہم نے کئی ایک پراجیکٹ اکٹھے کیے۔ جن میں کالج میگزین کی تیاری بھی شامل تھی۔ اس دوران ہم گہرے دوست بن چکے تھے۔ ان چھ مہینوں کے دوران میں ہم دونوں کو احساس ہوا کہ ہماری دلچسپیاں اور زندگی کے بارے میں نظریہ ایک سا ہے۔ ایک دوسرے سے ابلاغ کے لئے ہمیں الفاظ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہم ایک دوسرے کی سوچ پڑھ لیتے ہیں۔ چہرہ دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا کہ دوسرا کیا سوچ رہا ہے اور وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

پہلی دفعہ ان سے مل کر میں متاثر ضرور ہوئی مگر مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں اس شخص سے مل رہی ہوں جس سے میری شادی ہو گی اور جو زندگی میں میرا ساتھی ہو گا اور اس بات کا تو کبھی گمان ہی نہیں آیا کہ زندگی میں میرا ساتھ وہ اس قدر جلد چھوڑ جائے گا اور پھر دوسرے جہان ملاقات کے لئے مجھے انتظار کی اذیت میں مبتلا کر جائے گا۔

جب دو لوگ ایک دوسرے کی سوچیں اور نگاہیں تک پڑھنے لگیں تو وہ کسی مستقل ساتھ بارے بھی سوچنے لگتے ہیں۔ عدنان نے مجھ سے کسی قسم کا اظہار نہیں کیا۔ اس معاملے میں وہ شرمیلے تھے۔ انہوں نے میرے بھائی سمیر کو امریکہ فون کیا اور تعارف کے بعد کہا کہ میں آپ کی بہن کو پروپوز کرنا چاہتا ہوں۔ بھائی نے اسے کہا۔ ”تم میری بہن کو جانتے ہو؟ وہ بڑی Independent سی لڑکی ہے۔ تمہارا گزارا ہو جائے گا؟ اور تمہارے گھر والے مان جائیں گے؟“ عدنان نے کہا میرے گھر کوئی پرابلم

Marfat.com

عدنان شاہد اور تمیہ امپیریل کالج میں دوستوں کے ہمراہ۔1996

Marfat.com

Marfat.com

نہیں ہوگی۔ یوں بھی میری والدہ اور بہن بھی ورکنگ ویمن ہیں اور خود مختار خواتین مجھے پسند ہیں۔ پھر بھائی نے مجھے بتایا اور والد صاحب سے بھی بات کی۔ میرے والد کویت میں ہوتے تھے۔ اتفاق سے وہ چھٹی پر آئے ہوئے تھے۔ سب کچھ جلدی جلدی ہوگیا۔ جولائی 1996ء میں ہماری منگنی ہوئی اور دسمبر میں شادی۔ پھر ستمبر 1997ء میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں نوفل دے دیا۔ عدنان شروع ہی سے ایک مختلف انسان تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسے لوگ بہت کم دیکھے ہیں جو ذہین ہوں، اچھے اخلاق کے مالک ہوں، مرد ہونے کے باوجود آنکھوں میں شرم رکھتے ہوں، دوسروں کو عزت دیتے ہوں اور درد دل بھی رکھتے ہوں۔ عدنان میں یہ سبھی خصوصیات تھیں۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی ہم اکٹھے ہوں تو انہوں نے میرے لئے بڑھ کے دروازہ نہ کھولا ہو یا ہاتھ پکڑ کر سیڑھی نہ اتاری ہو۔ دیگر خواتین کے لئے بھی اس کے انداز واطوار میں ایک لحاظ، تہذیب اور شرم ہوا کرتی تھی۔ وہ دوستوں کے دوست اور ایک ہمدرد انسان تھے۔ ایک ایسا شخص، جو دوسروں کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتا، کسی کو ایکسپلائٹ نہیں کرتا۔ سب ملنے والوں کے لئے ان کے پاس شفقت، محبت، خلوص اور ہمدردی کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔

عدنان ایک گہرے انسان تھے۔ ان کی ذات میں کئی ایک گہرائیاں تھیں۔ روحانی گہرائی، جذباتی گہرائی اور علم و دانش کی گہرائی، وہ ایک آئیڈلسٹ سوچ رکھتے تھے۔ شروع کی ملاقاتوں میں ہماری بحث انہی موضوعات کے گرد گھومتی تھی کہ سوسائٹی کو کیسے بدلا جا سکتا ہے، انقلاب کے کیا معنی ہوتے ہیں، تبدیلی کیسے آتی ہے اور معاشرہ اپنا مزاج و رنگ کیونکر تبدیل کرتا ہے۔ ہماری بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح عدنان اور میں اس معاشرے کے لئے ایجنٹ آف چینج ثابت ہوں۔ کوئی ایسا کام کریں جس سے

Marfat.com

مثبت تبدیلی کا آغاز ہو سکے۔

وہ بے حد پیارے انسان تھے۔ اللہ کی ان پر خصوصی نظر کرم تھی۔ وہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ آزمائشیں نہیں ڈالتا۔ عدنان نے کوئی بڑی گردش نہیں دیکھی۔ ان کی مختصر سی زندگی میں جو آزمائشیں، جو گردشیں آئیں وہ ان کی برداشت اور ضبط سے باہر نہیں تھیں۔ اللہ نے انہیں مال یا اولاد، عزت یا شہرت کی تکلیف سے نہیں آزمایا۔ میں یہ کہوں گی کہ اللہ نے انہیں ہمیشہ محبوب رکھا، ان کا بڑا خیال کیا۔ ان کا بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کی مشیت پر بڑا مضبوط اور غیر متزلزل یقین تھا۔ زندگی اونچ نیچ کا نام ہے اور حالات کے اتار چڑھاؤ سے عبارت ہے۔ کبھی ہم پر اگر کوئی دکھ کی گھڑی آئی تو میں نے عدنان کو تحمل اور برداشت میں بہت آگے پایا۔ میں پیچھے رہ جاتی تھی پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ ملا لیتے اور مجھے حوصلہ دیتے۔ اللہ پر یقین میں وہ مجھ سے ہمیشہ ہی آگے رہے۔

ہماری شادی ہوئی تو میں چوبیس پچیس برس کی تھی اور وہ چھبیس ستائیس سال کے تھے۔ پہلے ہی سال میں ذات باری تعالیٰ نے ہمیں اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ ہمارے ہاں جڑواں بیٹے ہوئے تھے۔ نوفل جو اب ماشاء اللہ نو سال کا ہے، اس کا ایک جڑواں بھائی بھی تھا۔ کچھ پیچیدگیوں کی وجہ سے ہم نے اسے دوران پیدائش کھو دیا۔ ہماری شادی کا پہلا سال تھا۔ ہم دونوں ہی کم عمر تھے، زندگی ہمارے لئے ہنسی کھیل اور آئیڈیاز پر بحث کرنے کے سوا کچھ نہ تھی۔ زندگی کا یہ پہلا دھچکا تھا جو ہمیں سہنا پڑا۔ کم از کم میرے لئے یہ واقعہ کسی سانحہ عظیم سے کم نہ تھا۔ میں اس غم سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ بیس اکیس دن گزر جانے کے باوجود ایک ہی سوال بار بار میرے لبوں پر آتا کہ ''عدنان! آخر ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟'' عدنان اس وقت بھی بڑے حوصلے سے

Marfat.com

تھے اور دل سے راضی بہ رضائے الٰہی والی کیفیت میں تھے۔ مجھے کہتے "ہم تو ایک بھی اولاد کے قابل نہ تھے۔ اس کا یہ فضل کیا کم ہے کہ اس نے ہمیں پہلے ہی سال میں اولاد نرینہ سے نوازا ہے۔ ناشکری نہیں کرتے۔" شادی کے بعد دس سال تک ہمارا ساتھ رہا۔ میں نے کبھی ان کے منہ سے ناشکری کے الفاظ نہیں سنے۔ عجیب مزاج پایا تھا ہمیشہ اس کی رضا پر راضی رہتے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کسی نے میرے سامنے عدنان کی تعریف کی، پھر جب میں ان کو بتاتی کہ فلاں شخص آپ کو بڑے اچھے الفاظ میں یاد کر رہا تھا تو عدنان کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کرتے اور کہتے "ہم کیا اور ہماری اوقات کیا، تعریف صرف اللہ کے لئے ہے، اسی کی ذات سب کچھ ہے۔ کسی نے ہمارے لئے اچھے لفظ اپنے منہ سے نکالے ہیں تو یہ بھی اسی ذات باری کی مہربانیوں کے طفیل ہے۔"

نوفل کے ساتھ جنم لینے والے بچے کی وفات کے بعد جو دوسرا بڑا واقعہ ہماری زندگی میں ہوا وہ ہمارے کمرے کا جلنا تھا۔ وہ کمرہ جہاں میں بیاہ کر آئی اور جسے ہم دونوں نے بڑی محبت اور محنت سے آراستہ کیا تھا، جل گیا۔ ایسی آگ لگی کہ پورا کمرہ پگھل کر رہ گیا۔ اس کمرے میں ہمارے کئی ایک اثاثے تھے۔ وہ پہلا پھول تھا جو عدنان نے مجھے دیا، وہ کارڈز تھے جو ہم نے ایک دوسرے کو لکھے۔ پہلا تحفہ، عدنان کے ہاتھ سے لکھے نوٹ اور وہ ٹیڈی بیئر بھی جو عدنان نے مجھے لے کر دیا تھا۔ میں ان چیزوں سے بڑی Attach تھی۔ مجھ میں مضبوطی نہ تھی اور یہ لمحہ میرے لئے بڑا ہی تکلیف دہ تھا۔ تب بھی عدنان کی ہمت اور صبر قائم تھے۔ میں روتی تو مجھے سمجھاتے "چھوڑو یار! مادی چیزوں کے لئے کیا رونا۔ یہ تو آنی جانی ہیں۔ یہ کیا کم ہے کہ ہم دونوں خیریت سے ہیں۔ ہم نئی یادیں (Memories) بنالیں گے۔" پتہ نہیں کہاں سے اتنا حوصلہ، ہمت اور برداشت ان کے اندر اترتی تھی کہ وہ نہ صرف اپنی ذات کو ضبط میں رکھتے بلکہ

Marfat.com

میری دل جوئی بھی کرتے۔

کمرہ جلنے کے چھ دن بعد عدنان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ بڑا خوفناک حادثہ تھا۔ ان کا چہرہ، زبان اور ہونٹ شدید زخمی تھے۔ کسی نے انہیں ہسپتال پہنچا کر ہمیں اطلاع کر دی۔ سارے گھر والے بھاگم بھاگ ہسپتال پہنچے۔ جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو مونتو (امتنان) ان کے پاس کھڑا تھا۔ چہرہ لہو لہو تھا، منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ ہوش میں تھے اور مونتو سے بار بار کہہ رہے تھے حمیرا کو نہ بتانا، وہ برداشت نہیں کر سکے گی۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے "تم باہر چلی جاؤ، میں ٹھیک ہوں۔" وہ تکلیف میں تھے، منہ سے مسلسل خون بہہ رہا تھا، اس حالت میں بھی ان کو میری فکر تھی۔ مشکل گھڑی تھی۔ اللہ نے صحت دی، چہرے، زبان اور ہونٹوں پر زخم آئے تھے۔ اگلے دن سرجری کے بعد ہسپتال میں وہ پھر سے ہنس کھیل رہے تھے، مذاق کر رہے تھے۔ اکیس دن تک وہ بستر پر رہے مگر ان کے منہ سے میں نے ناشکری کا ایک لفظ نہیں سنا۔ ناقابل برداشت تکلیف کے وقت بھی ان کی زبان یا طور اطوار سے بیزاری یا ناشکری کا اظہار نہیں ہوا۔

عدنان تینوں بچوں کے ساتھ بے حد Attach تھے۔ نوفل کے ساتھ کرکٹ کھیلتے، اس کے ساتھ بیٹھ کر میچ دیکھتے۔ اگر کبھی میچ کے وقت گھر سے باہر ہوتے تو بار بار نوفل کو فون کرتے "تم میچ دیکھ رہے ہو نا! فلاں کی ہٹ دیکھی؟ فلاں کا بال نوٹ کیا؟ یہ ان کی نوفل سے دوستی کی وجہ سے ہی ہے کہ صرف نو سال کی عمر میں وہ کرکٹ پر بڑے میچور تجزیے کرتا ہے اور اس کی رائے بڑی پختہ ہوتی ہے۔ عدنان ہمیشہ نوفل سے کہا کرتے تھے کہ تم بڑے ہو گے تو تمہیں پڑھنے کے لیے آکسفورڈ بھیجوں گا۔ پھر وہاں تم لارڈز کرکٹ گراؤنڈ میں کاؤنٹی کرکٹ کھیلا کرنا۔ نوفل سے انہیں بڑا ہی پیار تھا۔ چھوٹا سا تھا جب اسے گود میں لیکر بیٹھ جاتے اور کمپیوٹر سکھاتے' صرف اڑھائی

Marfat.com

شادی کی پہلی سالگرہ پر کیک کاٹتے ہوئے۔ 1997ء

Marfat.com

نوفل کی دوسری سالگرہ، [illegible] 1999ء۔

Marfat.com

برس کی عمر میں نوفل کمپیوٹر چلانا سیکھ گیا تھا۔

فجر کو دیکھ کر کہتے "حمیرا یہ تو ہو بہو تمہاری فوٹو کاپی ہے۔" فجر بڑا آسان بچہ تھی۔ اس نے بالکل تنگ نہیں کیا۔ بڑے آرام سے پل گئی۔ نوفل پری میچور تھا اس نے بڑی خدمت کرائی۔ سب سے چھوٹی بیٹی حفصہ کی پیدائش سے پہلے عدنان کے توکل کا ایک واقعہ مجھے نہیں بھولتا۔ چوتھا مہینہ مکمل ہوا تھا۔ ہم نے ٹیسٹ کروائے تو وہ ٹھیک نہ آئے۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ بچہ Down Syndrome ہو سکتا ہے۔ اس کی بنا پر بچے میں کوئی ابنارمیلیٹی (Abnormality) آسکتی ہے۔ ڈاکٹرز نے مشورہ دیا کہ Aminocentises کروائیں لیکن اس میں Miscarraige کا بھی احتمال ہے۔ ہم دونوں ہی بڑے پریشان تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ استخارہ کیا بڑا اچھا اشارہ ملا۔ مگر استخارے سے قبل ہی ہم دونوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بچہ جیسا بھی ہو ہمیں قبول ہوگا۔ ڈاکٹر بار بار ٹریٹمنٹ کے لیے اصرار کرتے تھے مگر عدنان نہیں مانے' وہ کہتے تھے کہ "میرا دل نہیں مانتا کہ کوئی ایسا ٹریٹمنٹ کیا جائے جس سے Miscarraige ہونے کا خدشہ ہو، جیسا بھی بچہ ہوگا ہمیں قبول ہے۔ اگر اللہ کو یہی منظور ہے اور اسے ہماری آزمائش ہی مقصود ہے تو ہم اس پر پورا اتریں گے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی تو کوئی حادثہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے کوئی رسک نہیں لیں گے۔"

پھر حفصہ پیدا ہوئی تو خدا کے فضل سے بالکل نارمل تھی اور پوری طرح صحت مند بھی۔ اب ماشاءاللہ اڑھائی برس کی ہے۔ حفصہ کا نام عدنان نے رکھا۔ انہیں حضرت عمرؓ سے بے حد لگاؤ اور عقیدت تھی۔ ان کے بارے میں بہت پڑھا کرتے تھے۔ حضرت حفصہؓ' حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول کریم کی شریک حیات تھیں۔ انہی کی نسبت سے عدنان نے چھوٹی بیٹی کا نام حفصہ رکھا۔

Marfat.com

عدنان کی تو اس میں جیسے جان تھی۔ ہر وقت اٹھائے پھرتے۔ کندھے پر بٹھا کر سارا دفتر گھومتے، دفتر کی میٹنگز ہوتیں تو وہاں بھی عدنان کی گود میں بیٹھی رہتی۔ کبھی اس سے تنگ نہیں پڑے تھے۔ شاذ ہی کبھی ایسا ہوتا کہ اوپر فون کر کے کہتے مہمان بیٹھے ہیں حفصہ کو ذرا اوپر بلوالو۔ ایک دن حفصہ کو ڈانٹ دیا تو وہ ناراض ہو گئی۔ دو دن اس سے سوری کرتے رہے "اچھا حفصہ غلطی ہو گئی۔ بابا کو معاف کر دو۔ اب نہیں ڈانٹوں گا۔" دو دن بعد حفصہ نے "مافی" کر دیا۔ حفصہ کے بال گھنگھریالے ہیں۔ کبھی میں کہتی کہ لڑکیوں کے سیدھے بال اچھے لگتے ہیں تو کہا کرتے "تم لوگ تو میری بیٹی سے جلتے ہو۔ اتنے اچھے بال ہیں جیسے کوئی یونانی دیوی ہو۔ لوگ تو ایسے بال پارلروں سے جا کر بنواتے ہیں۔"

عدنان سنجیدہ طبع اور بردبار تھے مگر یہ ان کا ایک روپ تھا۔ گھر میں وہ بے حد 'Jolly' خوش طبع اور ہر وقت ہنستے کھیلتے رہنے والے تھے جب گھر میں موجود ہوتے تو بچوں کے ساتھ یا اپنے دوستوں کے گروپ میں مل کر ایک طوفان برپا کیے رہتے۔ ہنسنا' کھیلنا' چھیڑ چھاڑ' جگت بازی' کبھی کچھ ہوتا۔ حاضر جوابی اور جملے بازی میں عدنان کا جواب نہیں تھا اور جب مونتو اور عدنان کبھی مل جاتے تو دوستوں کو جان چھڑانی مشکل ہو جاتی۔ عدنان میں Sense of Humour بہت زیادہ تھا۔ وہ شرارتی بھی تھے۔ ان کے دوست کہا کرتے کہ عدنان کی جگتوں کا مقابلہ کرنا مشکل کام ہے۔

نوید اختر کی تو بے حد شامت آتی۔ ایک دفعہ بڑا دلچسپ واقعہ ہوا۔ نوید اختر کم کم نہاتے تھے۔ عدنان اور مونتو نے انہیں دو تین دن وارننگ دی کہ نہا کر آنا۔ تیسرے دن بھی جب وہ بغیر نہائے چلے آئے تو عدنان اور مونتو نے انہیں دبوچا اور باتھ روم میں لے گئے۔ یہ ماڈل ٹاؤن والے گھر کا واقعہ ہے۔ کچھ دیر بعد باتھ روم سے چیخنے اور

Marfat.com

منتیں کرنے کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ میں اور آنٹی یاسمین باتھ روم کے باہر حیران پریشان کھڑے تھے کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد عدنان بھیگے ہوئے اندر سے نکلے اور کہا آج میں نے اور مونتو نے نوید اختر کو نہلا دیا ہے۔ کم بخت جون کے مہینے میں بھی کئی کئی ہفتے نہیں نہاتا۔

وہ زندگی سے بھرپور زندہ دل انسان تھے۔ راتوں کو ہمارے ٹی وی لاؤنج میں ہنگامہ برپا رہتا' میں کمرے سے اٹھ کر کبھی آتی تو قہقہے لگ رہے ہوتے۔ میں کہتی تم لوگ کیسی فضول باتوں پر ہنس ہنس کر پاگل ہو رہے ہو۔ مجھے کہتے تم اندر جا کر اپنا ثقیل اور خشک لٹریچر پڑھو' ہمیں تو اس میں مزہ آ رہا ہے۔ عدنان کو منور ظریف کی فلمیں بے حد پسند تھیں۔ عدنان کی عادت تھی کہ جو فلم اسے پسند آ جاتی اسے پندرہ پندرہ' اٹھارہ اٹھارہ مرتبہ دیکھتے اور دوسروں کو زبردستی ساتھ بٹھا کر دکھاتے اور ہر بار اتنا ہی انجوائے کرتے۔ میچ دیکھنے کے لیے ہمارے گھر میں خاص اہتمام ہوتا۔ دوست اکٹھے کیے جاتے' پکوان پکتے' اگر رات کو یا صبح سویرے میچ ہوتا تو الارم لگا کر سوتے۔ ایک اور فلم بٹ تے بھٹی انہیں بے حد پسند تھی' درجنوں دفعہ مجھے بھی زبردستی ساتھ بٹھا کر دکھائی' مگر جب مجھے پنجابی کی سمجھ نہ آتی اور کچھ پلے نہ پڑتا تو عدنان میرا مذاق اڑاتے۔

دوسری طرف آئیڈیالسٹ ہونے کی وجہ سے عدنان ہر وقت حالات کا تجزیہ کرتے رہتے۔ کڑھتے بھی تھے۔ وہ مثبت تبدیلی کے انتظار میں رہے۔ نظام اور حالات کی تبدیلی کے لئے سوچتے رہے۔ نت نئے آئیڈیاز پر بحث کرتے۔ وہ ایک ایسے انسان تھے جنہیں اپنے لئے کچھ بھی درکار نہیں تھا۔ میرے سیاست میں آنے کا فیصلہ ضیا صاحب نے کیا تھا۔ عدنان کو میرا رکن صوبائی اسمبلی بننا پسند نہیں تھا۔ وہ سیاست کو ایک مفاد پرست اور مصنوعی سرگرمی قرار دیا کرتے تھے مگر جب ضیا صاحب نے فیصلہ

Marfat.com

کر دیا تو عدنان بھی نیم دلی سے مان گئے، لیکن عملی سیاست میں آنے کے بعد انہوں نے میرا قدم قدم پر ساتھ دیا۔ وہ کہتے تھے کوئی ایسا کام کرو جو عام ڈگر سے ہٹ کر ہو، جس سے دوسروں کی بھلائی اور فلاح کا پہلو نکلتا ہو۔ مفید قانون سازی کراؤ۔ خواتین پر تیزاب ڈالنے اور پرائیویٹ منی لینڈنگ (Money Lending) کے معاملات پر قانون سازی کے لئے میں نے جو بل اسمبلی میں پیش کئے اس کی ڈرافٹنگ اور دیگر ہر ہر مرحلے پر عدنان نے میری مدد کی۔ میں کسی سرکاری میٹنگ سے واپس آتی تو کبھی ناکامی کی بنا پر رنجیدہ خاطر ہوتی تو وہ میرا حوصلہ بڑھاتے۔ میں کہتی عدنان ہم روٹین کے خلاف چل رہے ہیں یہاں کسی کو انسانی حقوق کی پروا نہیں ہے۔ وہ میری ہمت بڑھاتے اور کہتے تمہارا کام قانون سازی کے لئے کوشش کرتے رہنا ہے۔ عارضی مخالفتوں سے گھبراؤ گی تو کچھ بھی مختلف نہیں کر سکو گی۔ وہ میری دل جوئی کرتے۔ ان کی باتوں میں اور انداز میں کچھ ایسی تاثیر ہوتی کہ میں ایک دم ہلکی پھلکی ہو جاتی۔

جب میرا پرائیویٹ منی لینڈنگ کا بل ریونیو کمیٹی نے منظور کر دیا تو عدنان بڑے خوش تھے۔ مجھے کہنے لگے ''تمہاری آخرت بن گئی۔ خواہ مخواہ تم پریشان ہو جایا کرتی تھیں۔ دیکھا کیسا اچھا نتیجہ نکلا ہے۔ عام آدمی کو سود خوروں سے تحفظ ملے گا تو تمہاری بھی عاقبت سنور جائے گی۔ یہاں ہر بندہ اپنی کل سیدھی کرنے پر لگا ہوا ہے۔ اگر تمہیں اللہ نے موقع دیا ہے تو کوئی اچھا کام کر جاؤ۔'' مضامین لکھنے ہوتے یا مجھے کسی سیمینار میں جانا ہوتا تو عدنان پوری مدد کرتے۔ ٹاکنگ پوائنٹس بنواتے۔ کیا بولنا ہے، کس ایشو کے حق میں اور کس کے خلاف بولنا ہے۔ سب انہی کی رہنمائی میں طے ہوتا۔ وہ بڑے خالص انسان تھے، انہیں روپے پیسے سے یا شہرت سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ میں کسی بات پر گھبرا جاتی یا چڑ جاتی اور اعتراض کرتی تو کہا کرتے تھے۔ ''یار صبر کر، صبر نبیوں کا وصف

Marfat.com

تجمہ 2001ء: بیوی ہما کے ساتھ خوشگوار لمحات۔

Marfat.com

ایک فیملی تقریب میں عدنان شاہد اور حمیرا اویس شاہد۔

Marfat.com

ہے، مشکل ہوتا ہے مگر صبر کر جاؤ۔ ہم نہیں جانتے مگر نتیجہ بڑا اچھا ہوگا۔ صبر کرنے والوں کو اللہ بڑا نوازتا ہے۔"

عدنان نے اس مضمون کا ایس ایم ایس ڈیڑھ برس قبل مجھے کیا تھا جو کچھ اس طرح سے ہے۔

"dont care, I have been there done that. dont sulk. let it pass. SABAR KARO because SABAR NABIYOON KA WASF HAI"

یہ پیغام آج بھی میرے موبائل میں محفوظ ہے اور اب کہ وہ آواز خاموش ہو گئی ہے جو میرے حوصلے تعمیر کیا کرتی تھی۔ وہ ہاتھ سرد پڑ گیا ہے جو مجھے تھام کر ناامیدی کے اندھیروں میں ڈوبنے سے پہلے کھینچ لیا کرتا تھا اور اس وجود نے خاک کا پیرہن اوڑھ لیا ہے جس سے میرے لئے صبر کی، استقامت کی، برداشت کی اور حوصلوں کی شعائیں پھوٹا کرتی تھیں تو یہی ایس ایم ایس ہے جسے میں روز کتنی ہی مرتبہ پڑھتی ہوں۔ جب میرے حوصلے کی دیواروں میں شکست و ریخت ہونے لگتی ہے تو عدنان کا یہ پیغام پھر سے اینٹ اینٹ جوڑ دیتا ہے۔ جب میرے صبر کا پیمانہ لبالب ہونے کو ہوتا ہے تو یہ اسے چھلکنے نہیں دیتا اور جب میری برداشت کے پیر ڈگمگاتے ہیں تو یہ بڑھ کر سہارا دیتا ہے۔ اس پیغام میں میرے لئے بڑی Inspiration ہے، اور ہدایت ہے۔

اسے ہر مرتبہ پڑھ کر میرا یہ عزم پختہ تر ہو جاتا ہے کہ مجھے بھی عدنان جیسا بننا ہے۔

میں عدنان سے کہا کرتی تھی "آپ کس مٹی سے بنے ہو، آپ کے لئے اللہ نے کسی میٹھی مٹی کا انتخاب کیا ہوگا، عام مٹی نہیں لگی۔" وہ کہتے "میں Alien ہوں۔ میں جس سیارے سے آیا ہوں اس کا نام 2X4 ہے۔ وہاں ایسا نہیں ہوتا جیسا اس سیارے (زمین) پر ہوتا ہے۔ وہاں بڑا امن ہے، آشتی ہے، محبت ہے اور سکون ہے۔" میں کہتی

Marfat.com

"تو آپ کیوں ایسی اچھی جگہ چھوڑ کر آئے ہو، مجھے بھی اپنے ساتھ وہاں لے چلو۔" وہ کہتے "تمہیں لینے ہی تو آیا ہوں۔ ہم واپس اپنے سیارے 2X4 پر چلے جائیں گے، پھر وہیں رہیں گے۔" عدنان نے اپنی زندگی میں شاید یہی ایک وعدہ ہوگا جو پورا نہیں کیا، وہ خود تو چلے گئے، مجھے ساتھ نہیں لے کر گئے۔ اتنی محبتیں سمیٹ کر، اپنی جھولی ایمان کی دولت سے بھر کے وہ اپنے سیارے پر واپس چلے گئے۔ مجھے ابھی جانا ہے مگر جانے سے پہلے مجھے ان کی سی مضبوطی حاصل کرنی ہے۔ ایمان کا اور یقین کا وہ درجہ حاصل کرنا ہے جو عدنان کا حصہ تھا۔ تبھی میں 2X4 پر ان کا ساتھ حاصل کر سکوں گی۔

"دی پوسٹ" کے شروع ہونے سے قریباً پانچ ماہ قبل انہوں نے پلاننگ شروع کر دی تھی۔ مجھے اخبار کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اس کے باوجود اخبار کی شکل، لے آؤٹ، میک اپ سے لے کر فونٹ سائز تک ہر فیصلے میں انہوں نے مجھے پوری طرح شریک رکھا۔ اخبار نکلا تو پہلے آٹھ نو ماہ تک جب تک کاپی چھپ کر آ نہیں جاتی تھی، عدنان گھر نہیں آتے تھے۔ 14 اگست 2005ء کو دی پوسٹ کا پہلا شمارہ مارکیٹ میں آیا۔ انہوں نے پریس سے نکلنے والی پہلی کاپی پر اپنے ہاتھ سے میرے نام نوٹ لکھ کر مجھے یہ کاپی گفٹ کی۔ یہ آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

عدنان آج نہیں ہیں مگر دی پوسٹ کی ایک ایک سطر پر ان کی شخصیت کی بڑی گہری چھاپ ہے۔ یہ اخبار انفرادی شکل وصورت کا حامل ہے تو عدنان کی وجہ سے، اس کے مواد میں اگر سچ ہے تو وہ بھی عدنان کی سوچ ہے، رپورٹر اچھی سٹوریز کر رہے ہیں تو یہ بھی عدنان کی رہنمائی کا نتیجہ ہے اور اگر آج میں دی پوسٹ کی ایڈیٹر ہوں تو یہ بھی عدنان ہی کی تربیت کا ثمر ہے۔ ڈیڑھ برس کے قلیل عرصے میں عدنان کی توجہ، تربیت اور رہنمائی نے مجھے اس قابل بنادیا کہ میں کسی حد تک ان کی نشست پر بیٹھنے کے

Marfat.com

ستمبر 2002ء

Marfat.com

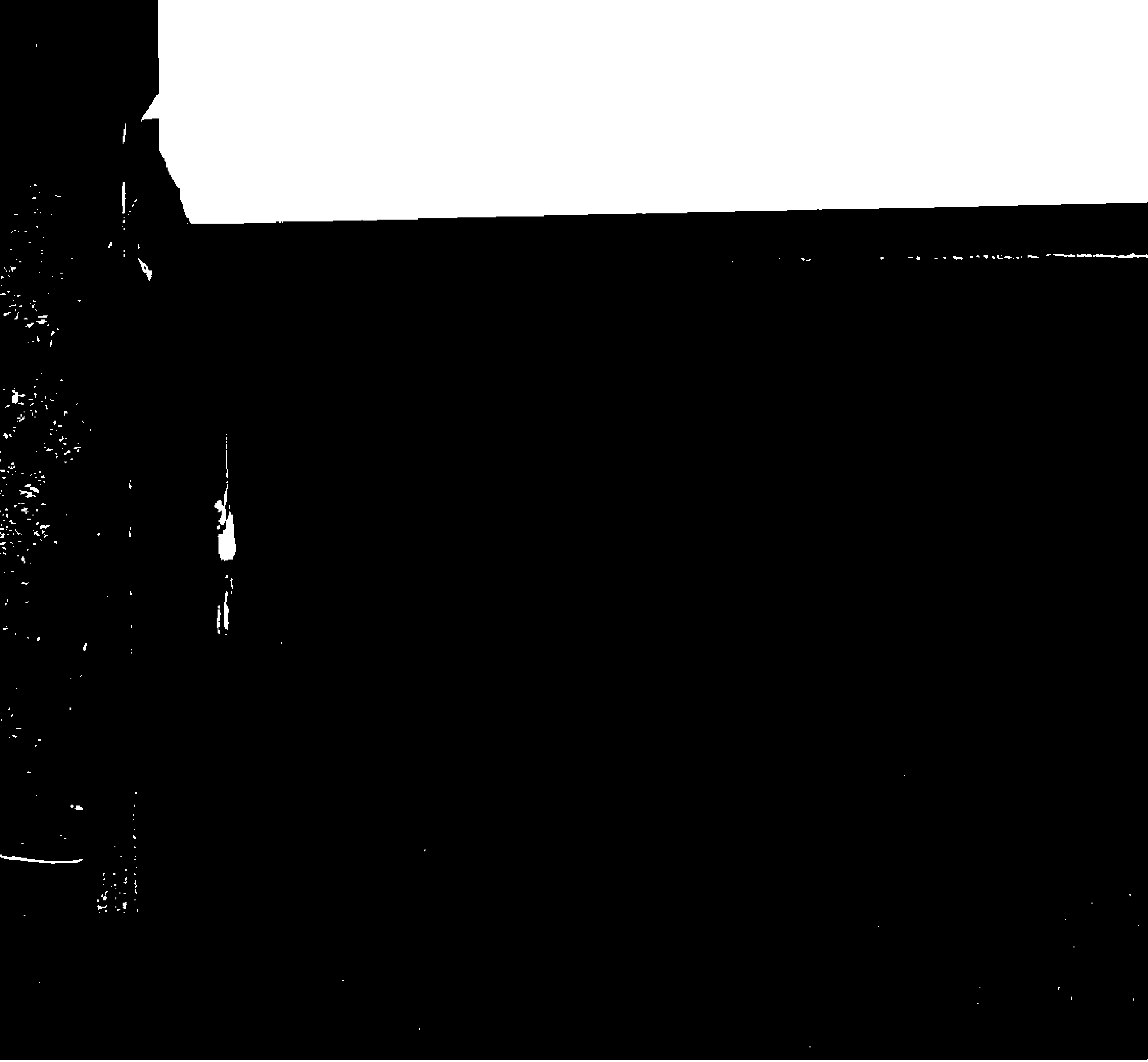

Marfat.com

قابل ہو گئی ہوں۔

مہینہ بھر تو میں عدنان کی کرسی پر بیٹھنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا نہ کر سکی۔ عدنان کے ساتھ گزرے برسوں میں اس اندیشے کا وہم یا خیال تک نہیں آیا تھا کہ میری زندگی میں کوئی دن ایسا بھی آئے گا جب مجھے عدنان کی ذمہ داریاں، ان کے خواب، ان کے مشن اور وژن کو سنبھالنا پڑے گا۔ ان کے مشوروں اور رہنمائی کے بغیر کام کرنا پڑے گا۔ کچھ روز پہلے جب میں ان کی کرسی پر بیٹھی تو مجھے اندازہ ہوا کہ عدنان کس قدر مشکل کام کر رہے تھے۔ اسی سیٹ پر بیٹھ کر وہ اتنے بوجھ اور ذمہ داریوں کے ساتھ ہر ایک کو پورا وقت اور پوری توجہ دیتے، ہر کس و ناکس سے خوش اخلاقی اور خوش دلی سے پیش آتے۔ آج جب وہ نہیں ہیں تو ان کے ساتھی، ان کے کولیگ اور ان کی ٹیم آہوں اور سسکیوں میں عدنان کی شفقت، محبت اور اخلاق کو یاد کرتے ہیں۔ ان کی جرات اور ہمت کو آنسوؤں کی صورت خراج پیش کرتے ہیں۔ اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے ساتھ عدنان کا رویہ کچھ ایسا تھا کہ وہ لوگ شاید خود سے زیادہ عدنان پر اعتماد اور یقین رکھتے تھے۔

عدنان کی خواہش تھی کہ اس اخبار کے ذریعے سچ اور حق کو سامنے آنا چاہیے۔ میں عدنان جیسی اہلیتوں اور وژن کی حامل تو نہیں پھر بھی یہ میرا ان سے وعدہ ہے کہ حتی الوسع اسی وژن کو سامنے رکھ کر دی پوسٹ کو چلانے کی کوشش کروں گی۔

یہ جو خبریں ٹاور کی سب سے اوپر والی منزل میں ہم نے گھر بنایا ہے، اس کی پلاننگ شادی کے ایک ڈیڑھ سال بعد ہی ہم نے کر لی تھی۔ پھر عدنان کو اسلام آباد میں خبریں کا ریذیڈنٹ ایڈیٹر بنا دیا گیا تو ہم وہاں چلے گئے۔ اسلام آباد سے واپس آنے کے بعد پھر اس گھر کو ڈیزائن کروایا مگر مصروفیت کی بنا پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ اب پچھلے

Marfat.com

نوفل کی دوسری سالگرہ کے موقع پر۔1999ء

Marfat.com

[illegible] جولائی 2001ء

Marfat.com

تکلیف نہ ہو۔ اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے وہ اشفاق احمد صاحب کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے۔ اشفاق صاحب کی کتابیں وہ بڑے شوق اور ذوق سے پڑھتے تھے۔ ان کی کتابیں سفر در سفر اور زاویہ تو اکثر عدنان کے زیر مطالعہ رہتیں۔

عدنان کی وفات اور جنازے کے درمیان چھ سات روز کا وقفہ تھا۔ وہ ذات عظیم وکبیر گواہ ہے کہ ان دنوں میں مجھے عدنان کی انسان دوستی کی اتنی شہادتیں ملیں کہ میں خود حیران رہ گئی۔ کتنے ہی لوگ ملے جنہوں نے کہا کہ عدنان صاحب نے ہماری فلاں موقع پر مدد کی، ہمارا فلاں کام کروایا، ہمارا فلاں مسئلہ حل کیا۔ ان میں میرے جاننے والے بھی شامل تھے اور ایک کثیر تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جنہیں میں جانتی نہیں ہوں۔ میں حیران ہوں کہ وہ کس کس کی مدد کرتے تھے اور مجھے علم تک نہ ہوتا تھا۔ ہمارے ملنے جلنے والے، ہماری سرگرمیاں ایک تھیں مگر عدنان کی ذات کا یہ پہلو ایسا تھا جو مجھ سے پوشیدہ رہا اور ان کے جانے کے بعد انکشاف کی صورت سامنے آیا۔

میں عدنان کی بیوی تھی اور اس سے بڑھ کر ان کی دوست تھی۔ کبھی انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں چھپائی۔ ایسے بہت سے جوڑے ہوتے ہیں مگر جو بات کم از کم میں نے اپنی زندگی میں کسی اور میں نہیں دیکھی وہ عدنان کا اللہ کے ساتھ تعلق تھا۔ اس میں وہ مجھے بھی شریک نہیں کرتے تھے۔ وہ اللہ کے ساتھ اپنے رشتے کو اس قدر پوشیدہ اور مخفی رکھتے کہ بیوی تک سے اظہار نہ کرتے۔ اپنے کمرے میں بند ہو کر نماز پڑھتے، قرآن کی تلاوت اور عبادات کرتے۔ قرآن بھی وہ کمپیوٹر پر ہیڈ فون لگا کر سنتے تھے تاکہ دوسروں کو پتہ نہ چلے کہ وہ کیا سن رہے ہیں۔ کبھی میں اس دوران کمرے میں چلی جاتی تو برا محسوس کرتے اور کہتے تم کیوں آئی ہو۔ میں کہتی دروازہ کھول کر یا گھر میں نماز پڑھیں تاکہ بچے دیکھیں اور ان پر بھی اچھا اثر ہو۔ مسکرا کر کہتے۔ ”یہ میرا اور اللہ کا

Marfat.com

پرائیویٹ معاملہ ہے۔ اتنا پرائیویٹ کہ تمہارے سامنے نہیں ہو سکتا۔“

وہ عام آدمی نہیں تھے، کچھ بہت ہی خاص روح تھی۔ اللہ نے جیسی زندگی، جیسی تقدیر بنائی اور جس طرح تھوڑے سے وقت میں انہوں نے اتنا بہت کچھ کیا وہ عام انسان کے بس کا روگ نہیں۔ اس امر کی گواہی جنازے کے روز میں نے ان کے چہرے پر بھی دیکھی۔ عدنان ایک وجیہہ و شکیل شخصیت اور خوبصورت شکل وصورت کے حامل تھے مگر جو روشنی، نور اور خوبصورتی آخری وقت میں ان کے چہرے پر تھی وہ میں نے زندگی میں بھی ان کے چہرے پر نہیں دیکھی۔ جیسا اطمینان اور سکون اس دم ان کی صورت پر تھا وہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ شاید چھپ کر نیکیاں کرنے والوں اور اللہ سے اپنے تعلق کو بیوی تک سے مخفی رکھنے والوں کے چہرے دم واپسیں ایسے ہی روشن ہو جاتے ہوں گے۔

عدنان ایک دیانتدار اور قابل پروفیشنل تھا، ایک بہت سعادت مند اور فرمانبردار بیٹا تھا، ایک مخلص بھائی تھا، ایک شفیق باپ تھا اور ایک بہت پیار کرنے والا، خیال رکھنے والا اور عزت دینے والا شوہر تھا۔ ہمارے تعلق پر لوگ رشک کیا کرتے تھے۔ پہلی ملاقات کے چھ سات ماہ بعد ہماری منگنی ہو گئی۔ میاں بیوی بننے کے باوجود ہمارا دوستی کا رشتہ آخر دم تک بے حد مضبوط رہا۔ میں یہ دعویٰ کر سکتی ہوں کہ عدنان کی سب سے زیادہ دوستی میرے ساتھ تھی۔ انہوں نے کبھی مجھے تنہا نہیں چھوڑا۔ بچوں کو پالنے سے لے کر فلم دیکھنے تک اور اخبار چلانے سے گھر کے کام کاج تک سب ہم نے اکٹھے کیا۔ ہمارے خواب ایک تھے، وژن ایک تھا۔ دی پوسٹ ہم دونوں کے مشترکہ سپنوں کی تعبیر ہے۔

عدنان کے ساتھ گزارے دس سال میرا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔ یہ برس خود فراموشی کے عالم میں گزرے۔ اتنی محبت اور اتنی قدر کم بیویوں کے نصیب میں آتی

Marfat.com

ہے۔ میں حیران ہوتی ہوں کہ ایک انسان دوسرے کی اتنی قدر بھی کر سکتا ہے۔ یہ دس سال میرے لئے بے حد قیمتی ہیں۔ لوگوں کو ساری زندگی میں اتنا نہیں ملتا جتنا عدنان نے مجھے ان دس سالوں میں دیا۔ مجھے عدنان کی بیوی ہونے پر فخر ہے۔ اللہ ان کو آسانیاں دے اور روز قیامت اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے۔ وہ سارا بوجھ مجھ پر ڈال کر چلے گئے ہیں۔ میں اللہ سے مدد کی دعا کرتی ہوں اور میرا وعدہ ہے کہ عدنان جو کرنا چاہتے تھے اور نہیں کرپائے، جو وہ سوچتے تھے وہ سب پورا کرنے کی کوشش کروں گی۔ ان کے بچوں کو اسی طرح پالوں گی اور ویسی ہی تربیت کروں گی جیسا وہ چاہتے تھے۔ ان کو عدنان جیسا نیک بناؤں گی۔ ان دس سالوں کی اتنی یادیں ہیں اور عدنان کے خواب اتنے زیادہ ہیں کہ میری باقی عمر، جتنی بھی اس قادر مطلق نے لکھی ہے، ان یادوں کو Celebrate کرتے اور خوابوں کو تعبیر دیتے گزر جائے گی۔ اللہ مجھے ان کے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔ مجھے عدنان کی بیوی ہونے پر بھی فخر تھا، اور اب وہ نہیں رہے تو ان کی بیوہ کہلوانا بھی میرے لئے باعث اعزاز ہے۔ بس اللہ سے اتنی دعا کرتی ہوں کہ اس بے ثبات زندگی کے بعد جو ابدی زندگی آنے والی ہے اس میں بھی مجھے عدنان کا ساتھ میسر ہو۔

Marfat.com

عدنان بھائی کے لیے

امتنان شاہد

عدنان بھائی کی تدفین کے بعد چند روز ہوئے کہ میں نے دفتر آنا شروع کیا ہے۔ دفتر اور باہر کے بہت سے دوستوں اور عدنان بھائی کے چاہنے والوں نے اس دوران متعدد بار مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کے بارے میں کچھ لکھ چھوڑوں تاکہ دو بھائیوں کے درمیان سالہا سال سے موجود رہنے والے پیار محبت، تعاون اور دوستی کے رشتے کو ریکارڈ پر لایا جا سکے اور شاید میرے لئے ان (اللہ تعالیٰ عدنان صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے آمین) کے بارے میں لکھنا، کوئی بات تحریر کرنا ایک مشکل ترین اور عجیب سی بات لگتی ہے۔ کیونکہ کسی انسان کے لئے شاید زندگی میں مشکل ترین کام اس حقیقت کو ذہنی طور پر تسلیم کرنا ہے کہ وہ جس سے پیار کرے وہ دنیا میں نہ ہو اور اس کے ساتھ ملاقات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہو سکتی ہو۔ بہر حال لکھنے کو تو بہت کچھ ہے پر کچھ یادوں کو تحریر کی شکل دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔

یہ 9 شادمان لنک روڈ کی بات ہے جب میں کریسنٹ ماڈل سکول میں چوتھی جماعت کا طالب علم تھا اور عدنان صاحب اسی سکول سے میٹرک کر رہے تھے۔ ضیا صاحب ان دنوں روزنامہ جنگ لاہور میں جوائنٹ ریذیڈنٹ ایڈیٹر کے طور پر کام

Marfat.com

"دی پوسٹ" کی پہلی سالگرہ 14 اگست 2006ء کے موقع پر اہلیہ ثمیرا اویس اور بھائی امتنان شاہد کے ساتھ۔

Marfat.com

"دی پوسٹ" کی پہلی سالگرہ پر اہلیہ اور دوستوں کے ہمراہ۔

Marfat.com

کرتے تھے اور ہم قریباً ڈیڑھ دو برس پہلے کراچی سے لاہور شفٹ ہوئے تھے جہاں ضیا صاحب روزنامہ نوائے وقت کراچی کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر کے طور پر فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ میرے بہت سے دوست اب بھی مجھے کہتے ہیں کہ اگر میں پیشہ صحافت سے منسلک نہ ہوتا تو یقیناً کرکٹر ہوتا۔ مجھے آٹھویں جماعت میں سکول کی کرکٹ ٹیم میں کھیلنے کا موقع ملا۔ جب میں نویں جماعت میں گیا تو واپڈا کی ٹیم کے ساتھ روزانہ منٹو پارک پر پریکٹس سیشنز میں جایا کرتا۔ جب دسویں جماعت میں تھا تو مجھے اسی ٹیم کی طرف سے قائداعظم ٹرافی اور اُس وقت پاکستان کے سب سے بڑے کرکٹ ٹورنامنٹ ولز کپ میں کھیلنے کی پیشکش ہوئی۔ اس کے علاوہ پاکستان جونیئر ٹیم میں بھی کھیلنے کا موقع ملا جو کہ ہماری فیملی کے مشترکہ فیصلے کے باعث پورا نہ ہو سکا۔ یہ سارا واقعہ مجھے عدنان شاہد مرحوم کی اس کوشش کی یاد دلاتا ہے جو انہوں نے اس وقت اپنے چھوٹے بھائی کے لئے کی۔ میں آل راؤنڈر تھا، میں نے بیٹنگ ان سے سیکھی۔ انہوں نے مجھے فرنٹ فٹ اور بیک فٹ پر کھیلنا سکھایا جس کا ذکر میں اکثر ان کے ساتھ کرتا، انہی کی کوشش سے میں واپڈا کے نیٹ پر جایا کرتا۔ میں سکول ٹیم میں گیا تو انہوں نے مجھے کرکٹ کا نیا بیٹ (Bat) لے کر دیا۔ میرے کرکٹر بننے میں ہمارے خاندان میں عدنان صاحب کا ووٹ ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔ یہ صرف ایک چھوٹی سی مثال تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی اور یہاں تک کہ چھوٹے بھائی کے دوستوں کی خواہشات پوری کرنے کیلئے سوچتے اور ان پر عملدرآمد کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ سب کو ہمیشہ، بلا جھجک کہتے کہ خبریں کی کرکٹ ٹیم کا کپتان صرف امتنان ہی بن سکتا ہے کیونکہ وہ بہت اچھا آل راؤنڈر ہے اور اچھا کھیلتا ہے لیکن جب بھی وہ یہ بات کرتے مجھے اپنی چوتھی جماعت یاد آجاتی جس میں انہوں نے مجھے بیٹنگ اور باؤلنگ سکھائی، فرنٹ فٹ اور بیک فٹ پر کھیلنا سکھایا اور یہ سکھایا کہ مشکل گیندوں کو

Marfat.com

کس طریقے سے "Tip" کیا جاتا ہے اور بری گیند کو باؤنڈری سے باہر پھینکنے کا کیا طریقہ ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کم و بیش ہر اتوار کو ہم کرکٹ کھیلتے تھے۔ مجھے ان کے ساتھ کھیلے گئے آخری میچ میں عدنان صاحب نے ہی آوٹ کیا تھا۔ میری وکٹ گرانے کے بعد ان کا ہنستا ہوا، شرارتی چہرہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہ بہت خوش تھے کہ میں نے اپنے سے بہتر کھلاڑی کو آوٹ کیا، شاید میری زندگی کی وہ سب سے حسین یاد تھی جس میں عدنان شاہد مرحوم مجھے پویلین میں بھیج رہے تھے اور ساتھ ہی قہقہہ لگا کر دل میں کہہ رہے تھے کہ ''بچے میں تمہارا استاد ہوں''۔

کہتے ہیں کہ والد کے بعد بڑا بھائی گھر کا بڑا ہوتا ہے۔ وہ میرے استاد بھی تھے، بھائی بھی، دوست بھی تھے، خیر خواہ بھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ میرے بڑے تھے۔ میں انہیں 25/26 سال سے جانتا تھا۔ ان پچیس چھبیس سالوں میں قریباً اٹھارہ انیس سال، میں اور وہ ایک ہی کمرے میں رہتے رہے اور زندگی کے ایسے بہت سارے لمحے، یادیں میں نے ان کے ساتھ گزاریں اور شریک رہا جس میں وہ خوش ہوئے تو میں بھی اس میں خوش ہوا، جب وہ غصے میں آئے میں بھی غصے میں آیا۔ ہم شادمان سے اپنے موجودہ گھر ماڈل ٹاؤن میں شفٹ ہو گئے تو عدنان صاحب مجھے صبح سکول چھوڑ کر گورنمنٹ کالج لاہور جایا کرتے تھے اور میری واپسی پر میری بڑی بہن ڈاکٹر نوشین مجھے لیا کرتی تھیں۔ صبح جاتے ہوئے وہ اکثر انگریزی گانے سنا کرتے تھے چند ماہ پہلے ان کی امریکہ روانگی سے قبل میں ''دی پوسٹ'' کے دفتر میں ان کے کمرے میں گیا اور بڑی خوشی سے ان کو بتانا چاہا کہ میں نے اس دور کے کچھ گانوں کی سی ڈی منگوائی ہے جو ہم اکٹھے سکول اور کالج جاتے سنتے تھے۔ میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو ان کا ''موڈ'' کچھ ٹھیک نہ تھا۔ میں نے یہ بات کرنا مناسب نہ سمجھا اور سلام کر کے دوسرے فلور پر واپس اپنے کمرے میں آ گیا اور سوچا کہ کسی مناسب وقت پر ان کے پاس جاؤں گا اور ان

Marfat.com

کو بتاؤں گا کہ یار عدنان بھائی مجھے آج بھی وہ گانے یاد ہیں جو ہم اکٹھے سنا کرتے تھے اور میرے پاس ان کی سی ڈی بھی ہے۔

ہمارے زمانہ طالب علمی میں ضیا صاحب اپنے کام کی وجہ سے بہت مصروف ہوتے اور ان سے ملاقات کم ہوتی تھی۔ یہ ایک واضح امر ہے کہ کوئی بچہ اپنے گھر کے بڑوں سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کی پسند دراصل ان کی پسند ہوتی ہے۔ وہ وہی کام کرتا ہے جن کو اس کے بڑے پسند کریں۔ لہٰذا یہ ایک واضح بات ہے کہ میری پسند بچپن ہی سے عدنان صاحب مرحوم کی پسند سے متاثر تھی۔ عدنان صاحب کے بہت سارے دوست اب بھی میرے دوست ہیں اور میرے بہت سارے دوست ان کی زندگی کے آخری دنوں تک ان کے دوست رہے۔ میں گورنمنٹ کالج اور بعدازاں پنجاب یونیورسٹی میں داخل ہوا تو اتفاق سے گورنمنٹ کالج کے بیشتر استاد مجھے میری بجائے ''ایڈی'' کے بھائی کے طور پر جانتے تھے۔ مجھے یاد ہے جس روز میں گورنمنٹ کالج کا میرون کوٹ پہنے گھر سے نکلا تو وہ بہت خوش تھے اور کہنے لگے کہ ''چلو اب میرے اور تمہارے بچوں کو گورنمنٹ کالج میں داخلے کیلئے پانچ پانچ اضافی نمبر ضرور ملیں گے''۔ میں نے ان کو دیکھ کر گٹار بجانا اور گانا شروع کیا جو اب شاید میں کبھی نہ کر سکوں گا کیونکہ زندگی کی کچھ تلخ حقیقتیں تسلیم کرنا پڑتی ہیں لیکن کچھ حقیقتیں چند لوگوں اور چند افراد کے ساتھ منسوب ہوتی ہیں۔ انسان ان افراد کو بھلا سکتا ہے، ان کا خیال کرنا چھوڑ سکتا ہے لیکن ان حقیقتوں کو بھلانا ممکن ہی نہیں ہوتا جو آپ کے دل و دماغ پر اپنا اثر چھوڑ جائیں۔

میرے پاس آج ''دی پوسٹ'' کا پہلا شمارہ رکھا ہے، جس پر عدنان بھائی نے میرے ساتھ اپنے چند خیالات کا تبادلہ کیا، مجھے ''دی پوسٹ'' کے اجراء پر مبارکباد دی اور میرا شکریہ ادا کیا۔ وہ گھر میں مجھے مونتو بھائی اور دفتر میں امتنان صاحب

Marfat.com

کہتے۔ان کے جملے کچھ یوں ہیں:

To Montu,

Without you my life would be Incomplete, I would be a lesser man. You are my strength and my tower of Energy.

I Love you__ For Life.

Ednan

14-08-2005

جس کا ترجمہ یہ ہے:

مونتو کیلئے،

آپ کے بغیر میری زندگی ادھوری ہوتی اور میں ایک نامکمل انسان ہوتا۔ آپ ہی میرے لئے قوت اور توانائی کا ذریعہ ہو۔

میں ہمیشہ آپ کو پیار کروں گا۔

عدنان

14-08-2005

ہم سب نے عدنان شاہد مرحوم کے ساتھ مل کر ان کی زیرادارت ایک کامیاب انگریزی اخبار نکالا۔ اچھائیاں اور برائیاں ہم سب میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی پرفیکٹ(Perfect) نہیں ہوتا۔ لیکن ہم اچھا انسان کس کو کہتے ہیں؟ اچھا انسان وہ ہے جس کی اچھائیاں اس کی برائیوں پر غالب آجائیں۔ وہ ایک اچھے انسان تھے اور شاید ہمارے پورے خاندان میں سب سے زیادہ Caring اور خیال رکھنے والی حساس شخصیت کے مالک تھے۔ کم گو ضرور تھے لیکن انتہا کے ذہین، ان کی صحافتی زندگی اور پروفیشنلزم کے بارے میں لکھنے پڑھنے والوں اور ان سے پیار کرنے والوں نے اتنا لکھا کہ اب اس بارے میں لکھنا عجیب سی بات لگتی ہے۔ ہمارے دفتر میں کم ہی ایسے لوگ

Marfat.com

ہیں جن کو پڑھنے لکھنے کے علاوہ معلومات عامہ (جنرل نالج) کے بارے میں اتنا علم ہو جتنا اِن کو تھا۔

جو لوگ انہیں قریب سے جانتے ہیں وہ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ وہ واقعتاً اس ملک کے محروم اور مظلوم طبقے کے لئے کچھ کرنا چاہتے تھے وہ ایک عرصے سے بالکل مختلف انسان کے طور پر نظر آنے لگے تھے۔ "**صحافت برائے خدمت**" کا ماٹو ان کا دیا ہوا ہے۔ ان کے پاس ان کی ذہانت کی وجہ سے کئی آئیڈیاز ہمہ وقت موجود ہوتے تھے اور وہ ان کو ضیا صاحب، میرے اور دیگر فیملی ممبران کے ساتھ ضرور ڈسکس کرتے تھے۔ ان کی سوچ بہت مثبت تھی۔ وہ ہمیشہ اپنی ذات یا اخبارات کے ذریعے لوگوں کی مدد کرنا چاہتے تھے اور وہ کامیاب بھی ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد بہت ساری چیزیں، بہت ساری یادیں، بہت ساری باتیں ہم نے کیں، لوگوں سے سنیں، ان کے بارے میں کالم بھی پڑھے جن کے لکھنے والوں کا میں ذاتی طور پر شکر گزار ہوں کہ بہت سارے سینئر لکھنے والوں نے انہیں اچھے الفاظ میں یاد کیا، ان کے لئے دعائے خیر کی۔ ان کی تدفین اور اب تک ان کو یاد کرنے، ہمارے گھر آتے رہے یا ٹیلی فون پر تعزیت کرتے رہے۔ اس واقعے کے بعد چیف صاحب اور میری ایک ہی سوچ تھی کہ عدنان صاحب کے نام پر ایک ایسا ادارہ قائم کرنا چاہئے جو اس ملک کے محروم طبقے کی خدمت کر سکے۔ "**عدنان شاھد فاؤنڈیشن**" کے نام سے ایک ایسا ادارہ انشاءاللہ بنایا جائے گا جو کہ ان کے خوابوں کی تعبیر ہو گا تاکہ ہم سب جو ان کے ساتھ کام کرتے رہے حشر کے روز ان کو یہ کہہ سکیں کہ ہم نے آپ کے مشن کو جاری رکھا۔ ہم نے آپ کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔

ابھی چند دن پہلے میں نوفل کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا اور اس نے اپنے کمرے سے پرانی تصویروں کی البم اٹھائی جس میں میری، عدنان صاحب کی اور نوفل کی

Marfat.com

دبئی کی کچھ تصاویر تھیں۔ نوفل مجھے کہنے لگا "چاچو بابا نہیں ہیں اب ہم دبئی کس کے ساتھ جائیں گے؟" میں نے اس کو جواب دیا کہ "نوفلی آپ چاچو کے ساتھ جاؤ گے۔" نوفل کو کرکٹ کا جنون ہے اور کچھ دن پہلے وہ اپنے عبدالقادر انکل کے پاس کرکٹ کی کوچنگ لینے جانے لگا تو میں نے اس کو یہ کہہ کر بھیجا کہ تم نے اپنے چاچو سے اچھا آل راؤنڈر بننا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ مجھ سے اچھا آل راؤنڈر اور ایک بہت اچھا انسان ضرور بنے گا کیونکہ وہ جس باپ کا بیٹا ہے وہ ایک بڑا انسان تھا۔ لیکن اس موقع پر میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ میں آج سے عدنان صاحب کا کام اپنے ذمے لینے کی کوشش کر رہا ہوں، ان کی کمی تو کبھی پوری نہیں ہوگی اور ان جیسا "ردعمل" کوئی اور نہیں لکھ سکتا لیکن میں آج سے ان کے جیسا تو نہیں لیکن "ان جیسا" ردعمل لکھنے کی کوشش کروں گا۔ میں ان کے اس نام کو زندہ رکھوں گا تاکہ میں جب ان سے ملوں تو فخر سے کہہ سکوں عدنان بھائی آپ میرے استاد تھے، استاد ہیں اور استاد رہیں گے اور میں چاہتا تھا کہ آپ مجھے ساری زندگی اسی طرح آوٹ کرتے رہتے اور میں آپ کا وہی ہنستا شرارتی چہرہ دیکھ کر غصے میں آتا رہتا۔

Marfat.com

میرے بابا

نوفل اویس شاہد

میرا نام نوفل اویس شاہد ہے اور میں عدنان شاہد صاحب کا بڑا بیٹا ہوں۔ میری عمر 9سال ہے اور میں کلاس فور میں پڑھتا ہوں۔ جب انکل نے مجھ سے کہا کہ اپنے بابا کے بارے میں کچھ بتاؤ تو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ بابا تو بابا ہوتے ہیں۔ بابا کے بارے میں کوئی ایک بات ہو تو بتاؤں۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے کہ تم میری جان کا حصہ ہو۔ اس طرح وہ بھی میری جان کا حصہ ہوئے۔ بھلا اپنی جان کے بارے میں بندہ کیا بتائے اور کیا بھول جائے۔

میں اپنے بابا کا فیورٹ بوائے تھا۔ جب وہ اللہ میاں کے پاس گئے تو اس کے تین چار دن بعد مجھے رات کو سوتے ہوئے خواب میں نظر آئے۔ بابا نے سفید رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا نوفل میں تم سے ملنے آیا ہوں۔ میں نبی پاکؐ کے قریب ہی سو رہا ہوں۔ تم اپنی ماما کا خیال رکھنا۔

بابا مجھے بڑا پیار کرتے تھے۔ بہت کم ڈانٹتے تھے۔ میں اگر کبھی کسی بڑے کے ساتھ بدتمیزی کرتا تو بابا سے ڈانٹ پڑتی۔ اور اردو پڑھاتے ہوئے بھی کبھی کبھی ڈانٹ پڑ

Marfat.com

جاتی۔ ایک دفعہ مجھے اردو کا لفظ ''تصویریں'' لکھنا نہیں آرہا تھا۔ اس وقت بابا نے ڈانٹا۔ باقی سبجیکٹ تو میں ماما سے پڑھ لیتا۔ اردو بابا پڑھایا کرتے تھے۔ میری اردو کی رائٹنگ بھی بری تھی۔ کبھی زیادہ غصہ آجاتا تو ماما سے کہتے کہ یہ سکول والے بچوں کو تختیاں کیوں نہیں لکھواتے۔ ہمارا تو کام ہی لکھنے پڑھنے کا ہے۔ نوفل اردو نہیں سیکھے گا تو کیسے کام چلے گا۔

بابا کہتے تھے نوفل میرا بیٹا ہے۔ مجھ سے جب کوئی پوچھتا کہ کس کے بیٹے ہو تو میں بھی کہتا بابا کا بیٹا ہوں۔ بابا کے ساتھ بیٹھ کر میں فلمیں دیکھا کرتا تھا۔ بٹ اور بھٹی فلم بابا کو بڑی پسند تھی۔ جب میں اور بابا یہ فلم دیکھتے ہوئے زور زور سے ہنستے اور ماما ناراض ہوتیں تو بابا کہتے تھے چھوڑو ماما کو 'تم بس بابا کے بیٹے ہو۔ یہ تو ایوں ہی بولتی رہتی ہیں۔

بابا مجھے کرکٹ کے بارے میں بہت کچھ سمجھاتے تھے۔ میرے ساتھ بیٹھ کر میچ دیکھتے اور ہر بال کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ اب تو مجھے خود بھی کرکٹ کی بہت ساری سمجھ آگئی ہے اور میں بابا سے بحث بھی کرتا تھا۔ جب سے وہ اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں میں نے کوئی میچ نہیں دیکھا۔ اب مزہ ہی نہیں آتا۔ بابا کے ساتھ بیٹھ کر میچ دیکھنے میں مزہ آتا تھا۔ کبھی کبھی مونتو چاچو (امتنان) کی ٹیم سے بابا کی ٹیم کا میچ ہوتا تھا۔ میں بابا کی طرف ہوتا۔ جب ہماری ٹیم جیت جاتی تو مجھے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ ایک دفعہ بابا کے دوست علی چاچو نے دو کیچ چھوڑ دیئے اور ہماری ٹیم ہار گئی۔ بابا کی ٹیم ہارنے پر میں زور زور سے رونے لگا تھا۔ بابا نے مجھے گود میں اٹھا کر پیار کیا اور کہا رویا نہیں کرتے۔ ہار کو مان لینا ہی جیت کی طرف لے کر جاتا ہے۔ ہمیشہ کوئی بھی نہیں جیتتا۔ سب کو کبھی نہ کبھی ہارنا پڑتا ہے۔ اپنے اندر سپورٹس مین سپرٹ پیدا کرو۔

فجر سے میری لڑائی ہوتی تھی تو بابا اس کو ڈانٹا کرتے تھے۔ وہ میری بہن ہے۔ میں

Marfat.com

حفصہ کی پہلی سالگرہ کے موقع پر۔

Marfat.com

ستمبر 2001ء میں نوفل کی چوتھی سالگرہ پر ضیا صاحب کو کیک کھلاتے ہوئے۔

Marfat.com

اسے بڑا پیار کرتا ہوں۔ میں نے اسے کبھی نہیں مارا۔ وہی مجھے مارتی تھی اور پھر بابا کی ڈانٹ بھی کھاتی تھی۔ بابا مجھے پڑھنے کیلئے بہت سی کتابیں لا کر دیا کرتے تھے۔ جب میرا رزلٹ آتا تو بھی کتابوں کا گفٹ دیتے تھے۔ میرے کمرے کی شیلف ان کتابوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان میں ایک کتاب ہے جس کا نام ہے World Almanac۔ دو سال پہلے جب میں نے سارے سبجیکٹس میں A گریڈ لیا تو بابا نے مجھے یہ کتاب گفٹ کی تھی۔ اس پر ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے:

For NOFAL

Who is my favourite boy in the world.

Congratulations on getting all A's

I love you

BABA-June 05

جب سے بابا گئے ہیں کئی انکل اور آنٹیاں مجھ سے پوچھتی ہیں تم بابا کی کون سی بات کو زیادہ مس کرتے ہو۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ میں ان کی باتیں نہیں بلکہ بابا کو مس کرتا ہوں۔ پھر مجھے رونا آجاتا ہے۔ میں اپنے بابا کو مس بھی کرتا ہوں اور ان کیلئے دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ بابا کو جنت میں بھیجے اور اپنے لئے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اللہ اپنے مقربین اور صدیقین میں شامل کرے۔ یہ دعا بھی بابا نے مجھے سکھائی تھی۔

میں بڑا ہو کر بابا کی طرح ایڈیٹر بنوں گا۔ ان کا اخبار بھی چلاؤں گا اور اپنا سپورٹس کا اخبار بھی نکالوں گا۔ اور مجھے ماما کا 'فجر کا اور حفصہ کا خیال بھی رکھنا ہے۔ اس لئے کہ مجھے بابا نے خواب میں آکر ان کا خیال رکھنے کو کہا ہے۔

بابا جہاں جاتے تھے ہم تینوں بچوں کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ بازار میں دکانوں پر کھڑے ہو کر فون کرتے کہ یہ یہ چیزیں مل رہی ہیں تمہارے لئے کون سی لاؤں۔

Marfat.com

آخری دن بھی انہوں نے لندن میں ہمارے لئے کرکٹ کی چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدنے کیلئے اوول کا چکر لگایا یہ چیزیں وہیں سے ملتی ہیں اور ہمیشہ وہ میرے لئے خرید کر لاتے تھے۔ انہوں نے مجھے انکل عبدالقادر کی اکیڈمی میں داخل کروایا اور کہا کہ کرکٹ کھیلنا سیکھو لیکن شرط ایک ہی ہے کہ پڑھائی کو پیچھے نہیں چھوڑنا۔ اب میں روزانہ کرکٹ کھیلنے جاتا ہوں لیکن واپس آکر اپنا کام بھی پورا کرتا ہوں تاکہ پیچھے نہ رہ جاؤں۔ بابا آپ فکر نہ کرنا' جو آپ نے مجھ سے کہا تھا' جو جو نصیحت کی تھی' میں اس پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا اور یہ فجر اور پپی مجھ سے چھوٹی ہونے کے باوجود لڑ پڑیں تو مجھ پر ہاتھ اٹھاتی ہیں لیکن میں جواب میں کچھ نہیں کہتا۔ اور چپ چاپ اور صبر سے مار کھالیتا ہوں۔ آپ نے یہی کہا تھا نا بابا!

آئی مس یو بابا!

Marfat.com

میرا خواب

تامنہ عمران

مجھے اپنے عدنان ماموں سے بہت پیار ہے۔ میں انہیں اس لیے بہت پیار کرتی ہوں کیونکہ وہ میرے لیے اور نوفل کیلئے نئی نئی کتابیں منگوا کر دیتے اور ان پر لکھ دیتے کہ یہ تامنہ کیلئے ہیں تاکہ تامنہ میری طرح پڑھے۔ جب مجھے پتہ چلا کہ عدنان ماموں اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں تو مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں ایک بادل پر کھڑی ہوں' میرے دائیں طرف ایک دروازہ ہے جو پھولوں سے بھرا ہوا ہے اور بائیں طرف ایک دروازہ ہے جو سانپوں سے بھرا ہوا ہے' پھر عدنان ماموں آئے تو میں نے پوچھا کہ عدنان ماموں یہ کونسی جگہ ہے اور آپ یہاں کیسے آئے' انہوں نے جواب دیا کہ آؤ میں تمہیں اس جگہ کی سیر کرواتا ہوں۔ پھر وہ مجھے پھولوں والے دروازے میں لے گئے تو اندر ایک باغ تھا جو بہت خوبصورت تھا۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی اور خوبصورت تتلیاں ادھر ادھر اڑ رہی تھیں۔ تب وہ مجھے آگے لے گئے تو میں نے شہد کی نہریں اور آبشار دیکھی جس کا پانی سفید رنگ کا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ دودھ ہے' پھر ہم نے نہر پر پل پار کیا تو سامنے ہی سیب کا درخت آگیا۔ اس سے ہم نے پھل کھایا۔ وہاں اور بھی لوگ تھے لیکن مجھے ان میں اور اپنے

Marfat.com

آپ میں فرق لگا۔ان سب کا چہرہ چمک رہا تھااور عدنان ماموں کا بھی چہرہ چمک رہا تھا۔ میں نے عدنان ماموں سے پوچھا کہ آپ نے کبھی زندگی میں جھوٹ بولا تھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے جھوٹ بولنا پسند ہی نہیں اس لیے میں جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ پھر عدنان ماموں نے مجھے خدا حافظ کہا اور عدنان ماموں اور باقی لوگ ایک گولڈن رنگ کے دروازے میں چلے گئے جس پر لکھا تھا اللہ کے پیارے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔

نوٹ:۔ تامنہ عمران عدنان شاہد صاحب کی بھانجی ہیں۔ گزشتہ دنوں تامنہ کے سکول میں ٹیچر نے کری ایٹو رائٹنگ کروائی اور کسی بھی موضوع پر لکھنے کو کہا تو تامنہ نے اپنے ماموں کے بارے میں دیکھے ایک خواب کا حال قلم بند کیا۔ یہ سطور ہم نے تامنہ کی نوٹ بک سے ہو بہو یہاں نقل کر دی ہیں۔

Marfat.com

بیٹا جو باپ پر قربان ہو گیا

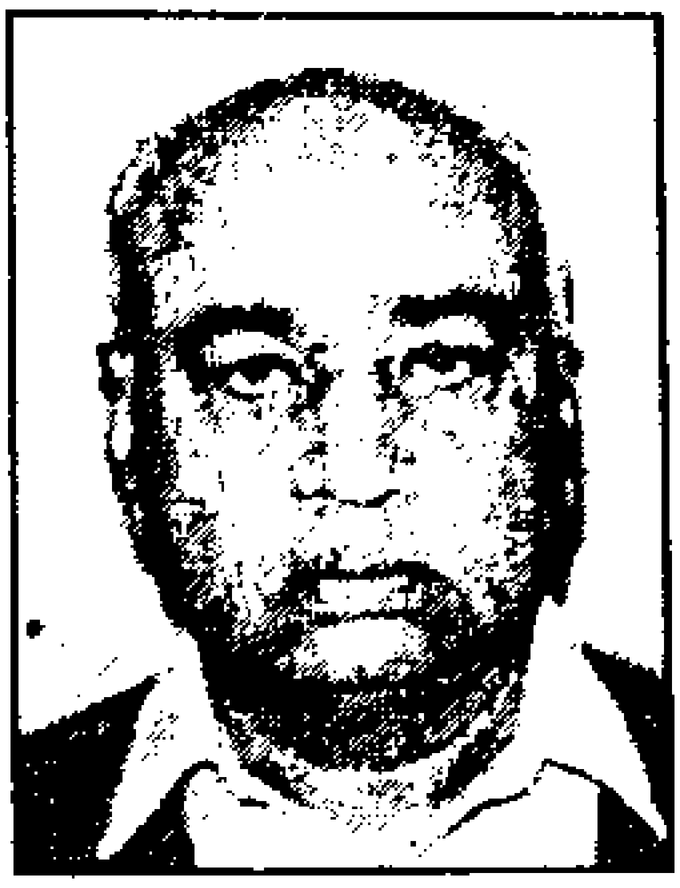

میجر ثاقب الرحیم

عدنان شاہد۔ عدنان بیٹے کا نام اور شاہد باپ کے نام کا جزو' عدنان' ضیاشاہد کا بیٹا' ویسے بھی عدنان اپنے باپ کے نام کے ساتھ ساتھ اس کی ذات کا بھی جز ہے۔ عدنان واقعی اس بات کا شاہد ہے کہ وہ ضیاشاہد کا بیٹا ہے۔ عدنان اب ہم میں نہیں۔ کیا کوئی جانتا ہے کہ وہ ہم میں کیوں نہیں ہے' اس لیے کہ وہ اپنے باپ ضیاشاہد پر قربان ہو گیا ہے۔

مسلمانوں میں قربانی دراصل بیٹے سے منسلک ہے۔ اسماعیل جیسا بیٹا جو باپ کے حکم پر بلاچوں وچراں قربان ہونے چلا گیا' اللہ کے حکم کے بارے میں اسے بالواسطہ تو معلوم نہیں تھا کیونکہ اللہ کے حکم میں اس کی قربانی کی خواہش تو اسے باپ کے توسط سے پہنچی تھی۔ اسی طرح ہر قربان ہونے والا دراصل اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے جیسے عدنان نے اللہ کے حکم کی تعمیل اپنے باپ پر قربان ہو کر کی۔

اللہ کے اس حکم کی تعمیل کے بعد اسماعیل کو کیا ملا' ابدی زندگی۔ اسی طرح اللہ عدنان کو عدن میں ابدی زندگی عطا کرے۔

عدنان شاہد' جو شاہد ہوتے ہیں وہ شہادت دیتے ہیں ہر سچائی کی۔ عدنان کا جانا ٹھہرا تھا۔ وہ اس بات کی شہادت دے گیا۔ اللہ کا حکم ہے کہ شہادت دینے والے کو مردہ

Marfat.com

مت کہو' کیوں کہ وہ مرتا نہیں بلکہ زندہ رہتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح دیگر لوگ زندہ ہیں بس ہمیں ان کی زندگی کا اس طرح ادراک نہیں ہوتا' جس طرح اللہ پاک کہتا ہے۔اب اس بات کا فیصلہ اللہ نے کرنا ہے کہ عدنان کا کیا مرتبہ ہے۔ ہر دو طرح سے' عدنان اگر قربان ہو گیا تو بھی اور اگر شہادت دے گیا تب بھی اس مرتبے کا مستحق ہے جس کا وعدہ اللہ نے کیا ہے۔

میں عدنان کو ضیا شاہد کے بیٹے کے حوالے سے اور دیگر حوالوں سے بھی جانتا ہوں۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ ساتھ اپنی ماں کا بھی جگر گوشہ ہے۔ میں نے ''تھا'' اس لیے نہیں لکھا کہ وہ مرحوم نہیں بلکہ انتقال کر گیا ہے یعنی اس دنیا سے وہ سچی اور پاکیزہ دنیا میں چلا گیا ہے جس کی ہر مسلمان تمنا کرتا ہے اور شہادت دیتا ہے۔ میں ذکر کر رہا تھا عدنان کی ماں کا۔ میرے نزدیک تخلیق کے حوالے سے ماں خالق حقیقی کا اس دنیا میں ایک چلتا پھرتا روپ ہے۔ عدنان ضیا شاہد کا فخر ہو سکتا ہے مگر وہ اپنی ماں کا لخت جگر تھا' اس کے وجود کا حصہ اور اللہ کی دی ہوئی اللہ کی نعمت کا غرور تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ کو ابن مریم کہا جا سکتا ہے کہ اس کا خالق باپ کے بغیر اللہ تھا تو اللہ تو ہر شے اور جاندار اور ذی روح کا خالق ہے۔ عدنان کو بھی اللہ نے اپنی ماں کے وجود سے خلق کیا تھا اور اس طرح وہ عدنان ابن یاسمین بھی کہلا سکتا ہے۔

عدنان کیلئے بے شمار آنکھیں برسی ہیں' بہت آہ و فغاں ہوا' بے حد دعائیں ہوئیں اور بے انتہا محبت کا اظہار کیا گیا لیکن کیا کسی نے اس کی ماں کی آنکھ سے بہتے ہوئے آنسوؤں سے پوچھا کہ ان میں کیا درد ہے' کون سی دعا ہے' کتنی محبت ہے' وہ آنسو خالق کائنات سے اپنی خاموشی مگر آفاقی زبان سے کیا فریاد کر رہے ہیں۔ پنجابی کی ایک کہاوت ہے ''راہ پیا جانے یا واہ پیا جانے''

یعنی جس پر بیتتی ہے اس تکلیف کا احساس صرف اسے ہی ہوتا ہے۔

Marfat.com

یاسمین شاہد' عدنان کی ماں کے دکھ کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جان سکتا' ہم سب رسماً صبر کی دعا کریں گے لیکن صبر آئے گا کیسے اور عطا کون کرے گا یہ بعد کے فیصلے ہیں۔

عدنان کی شخصیت کے بارے میں لوگوں نے لکھا' کہا اور محبت میں خاموشی بھی اختیار کی گئی۔ کہتے ہیں کہ اگر کسی کے بارے میں جاننا ہو تو اسے غصے میں دیکھو اور بیماری کی حالت میں دیکھو یا اس کے انتقال پر اشکبار آنکھوں اور دعاؤں کیلئے اٹھنے والے ہاتھ دیکھو۔ یہ سب کچھ ہم سب نے بڑی تفصیل سے دیکھا' سنا اور پڑھا لیکن سچ یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

عدنان کی زندگی کے بارے میں اگر شروع سے اب تک لکھا جائے تو تفصیل اپنی جزیات کے ساتھ کئی کتابوں پر مشتمل ہو سکتی ہے' لیکن وہ سب کچھ لکھنے کا حوصلہ کس کے پاس ہے۔

ضیا شاہد کے خاندان کے لوگ جانتے ہیں کہ ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر مزمل مہدی (مرحوم) کو ایک Role Model کی حیثیت حاصل تھی' ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

عدنان شاہد ڈاکٹر مزمل مہدی کے نقش قدم پر چلنے والا نوجوان ہے' اس کی ملاقات ڈاکٹر مزمل مہدی سے ضرور ہوئی ہوگی اور انہوں نے اسے محبت سے گلے ضرور لگایا ہوگا۔

عدنان شاہد کی بڑی بہن ڈاکٹر نوشین عمران پیدائشی طور پر خاموش طبع اور بردبار بچی ہے لیکن وہ عدنان سے دوری برداشت نہ کرتے ہوئے بالکل گم سم اور مزید خاموش ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نوشین اور عدنان کی عمروں میں لگ بھگ ایک سال کا فرق ہے اور اس طرح ان دونوں نے اپنا بچپن اور جوانی ایک ساتھ گزاری۔ گو وہ اب بھی

Marfat.com

جوان ہیں مگر اب نوشین کے ساتھ اس کا بچپن کا ساتھی نہیں ہے۔

امتنان شاہد' ضیا شاہد کا سب سے چھوٹا' لاڈلا اور چہیتا بیٹا ہے۔ اللہ اسے زندگی عطا کرے اور ہر قسم کی پریشانی اور دکھوں سے محفوظ رکھے۔ امتنان شاہد کے پیدائش میں ضیا شاہد کی شدید خواہش شامل تھی۔ ضیا شاہد شاید اپنی جیل میں گزاری ہوئی زندگی سے کچھ حاصل کر کے آئے تھے اور اللہ نے ضیا کے دل میں امتنان کی خواہش شاید اسی لئے ڈال دی تھی کہ عدنان نے کسی اور سفر پر جانا تھا اور اس کے بعد تمام ذمہ داری امتنان شاہد کو اٹھانا تھی' اللہ کی اللہ ہی جانتا ہے۔

اگر میں عدنان کیلئے تعزیتی کلمات لکھوں تو شاید انصاف نہ کر سکوں اس لئے کہ عدنان ہر طرح کی تعریف اور خوشامد کو شدید ناپسند کرتا ہے اور میں کچھ ایسا نہیں لکھوں گا جس سے اسے تکلیف پہنچے ویسے بھی محبت اور خوشبو چھپائے نہیں چھپتی۔ عدنان سے محبت لوگوں نے دیکھی اور اس کی خوشبو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گی جیسے اس کا ہر وقت مسکراتا ہوا چہرہ اور مخصوص انداز سے چلتا ہوا جسم ہم اپنی یادوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

ایک بات کہوں گا' عدنان شاہد اپنے تایا ڈاکٹر مزمل مہدی کی طرح پڑھنے کا بے حد شوقین تھا' اسے دنیا جہاں کی معلومات جمع کرنے کا خبط تھا' وہ کھیلوں کی معلومات میں لاجواب تھا جس کا پرتو عدنان کا بیٹا نوفل ہے۔

انسان کو اتنا اچھا بھی نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اتنی جلدی اللہ کو پیارا ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ انسان کی کس ادا کو کب اور کیوں پسند کرتا ہے یہ راز انسان کی سمجھ سے باہر ہے۔ عدنان کی بھی کوئی ادا اللہ کو ضرور بھا گئی اور اس نے عدنان کو اپنے پاس بلا لیا۔

عدنان کے انتقال کے بعد میں نے اللہ سے کئی بار پوچھا ہے "اے اللہ کیا عدنان اپنی ماں کی حالت دیکھ رہا ہے' جس بیمار باپ کی خدمت کیلئے اس نے قربانی دی اس باپ

Marfat.com

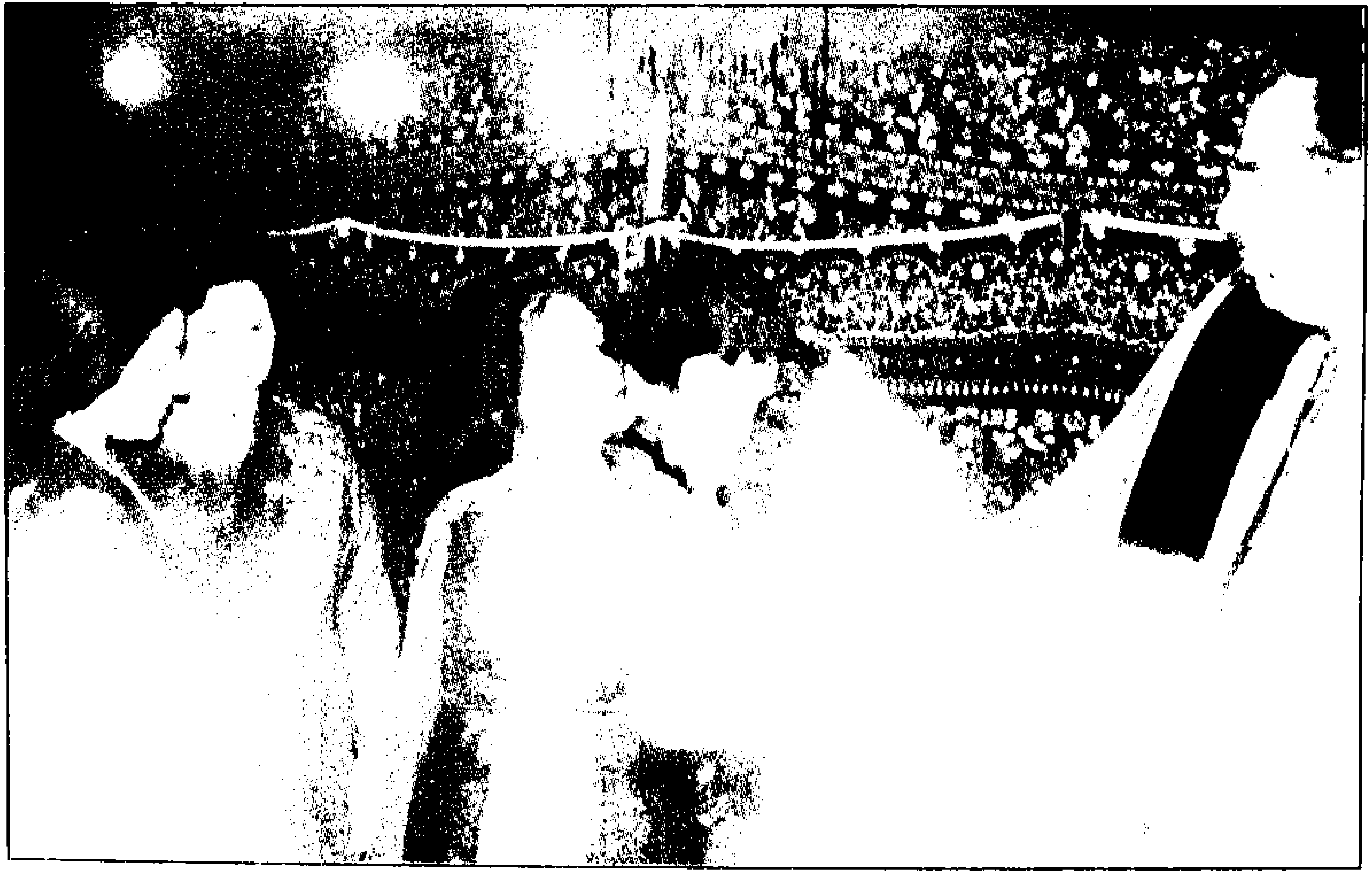

دولہا بن نرماں سے دعا لیتے ہوئے

Marfat.com

تین بہن بھائی اعتنان شاہد' نوشین' عدنان شاہد۔

4 سالہ عدنان اور 5 سالہ نوشین شالامار باغ میں اپنے کزن کے ساتھ۔

Marfat.com

کی حالت کو دیکھ رہا ہے' بڑی بہن کی خاموشی اور روتا ہوا دل اسے دکھائی دیتا ہے۔ چھوٹے بھائی پر جو ذمہ داری وہ ڈال گیا ہے۔ کیا اسے اس کا احساس ہے اور پہاڑ سی زندگی اپنے بغیر جس بیوی کو گزارنے کیلئے وہ چھوڑ گیا کیا اس کا کوئی طریقہ وہ بتا گیا ہے' اپنے تین معصوم بچوں کو بغیر باپ کے رہنے کا طریقہ سکھا گیا ہے اگر نہیں تو اللہ سے پوچھ کر بتائے اور اگر وہ اپنا تمام کام کر گیا ہے تو ماں کیلئے صبر اور باپ کیلئے ہمت اور بیوی کیلئے حوصلہ وہ کہاں رکھ گیا ہے' وہ نہیں مل رہے۔ کوئی پیغام' کوئی خط لکھ کر ہمیں یہ تو بتائے کہ وہ کہاں ہیں اور ہم سب سے کیا قصور ہو گیا تھا کہ بغیر بتائے چلا گیا؟

اللہ کے بعد سب سے بڑا درجہ نبی پاکؐ کا ہے اور انہوں نے ہمیں بذریعہ قرآن پاک یہ بتایا ہے کہ والدین اولاد کیلئے کیا مقام رکھتے ہیں۔

اللہ کے حکم سے ماں باپ کی خدمت کرنا' بیماری کی حالت میں ان کی دیکھ بھال اور بڑھاپے میں اگر وہ کسی تکلیف کا باعث بنیں تو اف نہ کرنے کا حکم تو سنا ہے لیکن بغیر اف کیے ماں باپ اور اپنے پیاروں سے دور ہو جانا کبھی نہیں سنا تھا۔ عدنان بیٹا تم ہمیں کس مخمصے میں ڈال گئے ہو۔ ہم سے نہ صبر ہوتا ہے اور نہ شکر۔ تم نے جدا ہو کر ہمارے ایمان کا بہت کڑا امتحان لیا ہے۔ تم تو بہت راحت پہنچانے والے بچے ہو ہمیں کس اذیت میں ڈال گئے ہو۔

بیمار باپ کی ایسی خدمت کی کہ ضیا شاہد جیسا باپ جس نے تمام عمر اپنی تعریفیں سنی ہیں وہ بھی یہ بات رو رو کر کہنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ "انتقال سے پہلے عدنان نے ایسا انسان اور بیٹا بن کے دکھایا کہ جس کی سعادت مندی اور انسانی عظمت کی عملی شکل پر ہم اسے بدلے میں کچھ نہیں لوٹا سکتے۔ وہ اپنا سب کچھ ہمیں دے گیا اور ہم کو مقروض کر گیا"۔

ماں تو دعائیں دیتی ہی ہے کیوں کہ ماں اولاد پر اللہ کا اوتار ہے مگر ضیاء جیسے باپ

Marfat.com

کی زبان سے نکلی ہوئی دعائیں اور آنسو بہاتی آنکھوں کی فریاد اللہ تعالیٰ نے ضرور سنی ہو گی۔ سنا ہے کہ باپ کی دعا اور بد دعا شاید رد نہیں ہوتیں کیا تم جانتے ہو۔ حمیرا' تمہاری بیوی جس سے تم نے بہت محبت کی اور بقول تمہارے۔

''امی' مجھے حمیرا سے بہت پیار ہے کہ اس نے مجھے تین بہت پیارے اور خوبصورت بچے دیئے ہیں''۔

وہی حمیرا جس نے تمہیں تین بہت پیارے بچوں کا باپ بنایا آج بالکل ایک بت کی طرح ساکت ہے۔ اس کا ہر وقت مسکراتا چہرہ مرجھا گیا ہے۔ اس کی زندگی سے بھرپور آواز اب بہت مدھم ہو گئی ہے کیا وہ تمہارے بغیر آگ سے بھری اس طویل زندگی کے دریا کو پار کر سکے گی؟ وہ کسی سے کیا کہے' اور کیسے وہ خاموش ہے' اللہ تعالیٰ کے اگلے فیصلوں کی منتظر ہے۔ وہ بہادر ہے اس نے تمہارے پیارے بچوں کو تمہاری یاد بنا کر گلے لگایا ہوا ہے اور وہ جانتی ہے تم اپنے وجود کو حمیرا اکیلئے ان تین بچوں میں چھوڑ گئے ہو۔

تمہاری ننھی حفصہ آسمان کی طرف صرف دیکھتی ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کے پاس تم کہیں نظر آ جاؤ۔ تمہاری زندگی کی فجر' سورج کے طلوع ہوتے ہی کمروں میں تمہیں ڈھونڈتی اور ماں سے پوچھتی ہے۔ ''ماما' بابا کب آئیں گے''۔

اور نوفل تمہارا پرتو' مسکراتا ہے' اپنے اکیلے پن پر اور پوچھتا ہے کہ ''ماں'' بابا لندن میں گرے کیوں تھے۔ انہیں کیا ہوا ہے'' اور جب تم پاکستان آئے اور تمہارا استقبال جس طرح تمہاری ماں' بہن' بیوی اور بیمار باپ نے کیا اس کا حال تو صرف تمہیں دیکھنا چاہیے تھا کیونکہ اس دنیا میں وہ کیفیت کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا۔

تم اپنے باپ پر قربان ہو گئے لیکن باپ کی کمر بھی توڑ گئے۔ تم جیسی اولاد بڑھاپے میں والدین کی طاقت ہوتی ہے مگر تم تو اپنی جنت ماں کے قدموں سے نکال کر لے گئے

Marfat.com

اور باپ کو کس کے سہارے چھوڑ گئے "اللہ کے" اچھا تو ایک کام کرو' اللہ کو تم سے پیار ہے ناں!

اللہ سے اپنے والدین اور ہم سب کی مغفرت کا وعدہ لے لو اور اپنے بیمار باپ اور بے تاب ماں کیلئے بہت سارا صبر بھجوا دو' ہم سب منتظر ہیں۔

ہاں یاد آیا' جب تم لندن سے آئے تھے تو میں نے دیکھا تھا کہ تمہارا منہ دائیں طرف تھا اور تم اطمینان سے لیٹے ہوئے مسکرا رہے تھے' مجھے پتہ ہے کہ تم اپنی تڑپتی ہوئی ماں کو مسکرا مسکرا کر دلاسہ دے رہے تھے اور اپنے باپ کا خیال رکھنے کا کہہ رہے تھے"۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ تم اپنی بہن سے کہہ رہے تھے کہ "تم تو بہت صابر اور بہادر ہو' تم کیوں رو رہی ہو' تم ہی نے تو اب گھر میں عدنان بن کر رہنا ہے کیونکہ امتنان پر تو میں نے دنیا کی اور بے شمار ذمہ داریاں ڈال دی ہیں۔

تمہاری چمکتی ہوئی پیشانی اور دمکتے ہوئے گلابی گال تمہارے پہلو میں بیٹھی حمیرا سے کہہ رہے تھے کہ "تم فکر مت کرو میں جہاں بھی رہونگا صرف تمہیں سے پیار کرونگا' بس میرے بچوں کا خیال رکھنا' یہ تمہارے پاس میری امانت ہیں اور مجھے معلوم ہے کہ تم بہت اچھی بیوی ہو' امانت میں خیانت نہیں کرتیں" تم ہم سب کو دیکھ رہے تھے' اس لیے تو تم سب کو سمجھا رہے تھے' تم نے ہم سے کہا تھا ناں کہ تم اللہ کی امانت ہو اور اس نے تمہیں اپنے پاس واپس بلا لیا ہے اور ہم سب کو یاد کروایا تھا کہ ہم پڑھیں "انا للہ وانا الیہ راجعون"۔ یا اللہ ہمیں ہماری اولاد سے نہ آزما۔

Marfat.com

ہمارے عدنان بھائی

درِیمہ عاطف

جے کر میرے سارے ہنجو مٹیاں خاکاں جوگے
میں وی ہوکے سانبھ لئے نیں کج اسماناں جوگے
ایس زمانے ورگا کوئی کال سماں نئیں سنیا
ٹانویں ٹانویں وی نیں لبھدے لوک مثالاں جوگے
کوئی رمز نہ پلے پیندی' اودیاں اوہوئی جانے
دھپاں ریتاں جوگیاں انور' بدل برفاں جوگے

مجھے لکھنا تو نہیں آتا مگر شاید عدنان بھائی کیلئے یہ اشعار میرے جذبات کی کچھ عکاسی کر سکیں۔ دو دن پہلے ضیاماموں (ضیاشاہد) نے مجھے کہا کچھ عدنان کیلئے لکھو۔ میں نے کہاماموں سمجھ نہیں آتی کیااور کس طرح لکھوں۔ وہ کہنے لگے کاغذ پنسل پکڑ کر بیٹھ جاؤ' کچھ نہ کچھ لکھا ہی جائے گا۔ اسی لئے آج عدنان بھائی کیلئے میں اپنی چند پرانی یادیں اکٹھی کر رہی ہوں۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ اب انہیں دینے کیلئے میرے پاس اور کچھ بھی نہیں۔ ہر سال 21-جولائی کو ان کی سالگرہ کے دن میں کچھ نہ کچھ ضرور دیتی تھی مگر اس بار عدنان بھائی سوائے ان یادوں اور چند لفظوں کے میں آپ کو اور کوئی تحفہ

Marfat.com

نہیں دے سکتی۔

عدنان شاہد میرے خالہ زاد ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر یا شاید یوں کہیے کہ خود کو تسلی دینے کیلئے "تھے" کی جگہ "ہیں" کا استعمال کیا ہے' کیونکہ اگر یہ سوچ کر لکھوں کہ اب وہ میرے آس پاس بھی نہیں تو شاید کچھ بھی لکھنے کے قابل نہ رہوں۔ ایک اور بات جو میں اس وقت بتانا ضروری سمجھتی ہوں وہ یہ ہے کہ اس مضمون میں' میں اپنے تمام رشتوں کو ان کے انہی ناموں سے لکھوں گی جن سے میں ان کو عام زندگی میں بلاتی ہوں تاکہ اپنے جذبات کا اظہار جس طرح میں کرنا چاہتی ہوں اس طرح کر سکوں۔

وہ جان محفل' جان مضمون

دل اس کو کہاں سے ڈھونڈ لائے

عدنان بھائی سے میرا تعلق 31 سالوں پر محیط رہا۔ ان 31 سالوں میں ہم نے زندگی کے بہت سے دکھ سکھ اور اتار چڑھاؤ اکٹھے دیکھے۔ بچپن سے ہم یہی جانتے تھے کہ ہم پانچ بہن بھائی ہیں۔ یعنی نوشی باجی' عدنان بھائی' بھیا (میرے بھائی کیوان)' میں اور مونتو (امتنان)۔ کبھی کہیں آنا جانا ہوتا تو یہ بات under-stood تھی کہ ہم نے اکٹھے ہی جانا ہے۔ اکیلے جانے کا تصور ہی ذہن میں نہیں تھا۔ اگر ایک بھی کسی جگہ جانے پر راضی نہ ہوتا تو کوئی بھی وہاں نہیں جاتا تھا۔

ہم چار بڑے بہن بھائی عینک لگایا کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے ایک بار نوشی باجی اتفاق ہسپتال میں کام کرتی تھیں تو بھیا کی کمر درد کی دوا لینے ہم ان کے ساتھ ہسپتال گئے تو عدنان بھائی مجھے کہنے لگے کیا چاروں چشماٹو آ گئے ہیں۔ چلو تم سب سے چھوٹی ہو' اس وقت تو تم عینک اتارو۔ میں نے کہا میں نہیں اتار رہی۔ کہنے لگے چلو میں بھی اتار دیتا ہوں۔ عینک اتاری تو ایک دم بولے اوئے میرے ساتھ رہو' مجھے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا۔ نوشی باجی کہنے لگیں عدنان کیا ہو گیا ہے لگا ہی لو عینک۔ پھر انہوں نے عینک لگائی۔

Marfat.com

جب بھی کبھی کوئی کھیل کھیلتے تو نوشی باجی اور بھیا ساتھی بنتے اور میں اور عدنان بھائی۔ مونتو اس وقت تھوڑا چھوٹا تھا۔ اس لئے ہمارے ساتھ تو ہوتا تھا مگر ACTIVELY کھیل کا حصہ نہیں ہوتا تھا' پھر جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو کوشش کرکے وہ کھیل کھیلتے تھے جو ہم پانچوں اکٹھے کھیل سکیں۔ ہمارے بچپن میں PTV پر ایک بچوں کی انگریزی فلم لگتی تھی Famous Five۔ عدنان بھائی ہمیشہ کہا کرتے تھے۔

"We are the Famous Five".

عدنان بھائی چونکہ ہمیشہ میرے ساتھی بنتے تھے اس لئے جب کبھی ہارتے تو ہماری خوب لڑائی ہوتی' مگر پھر بھی ساتھی ہم دونوں ہی بنتے تھے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ بھیا اور نوشی باجی ایک مزاج کے ہونے کی وجہ سے کبھی لڑتے نہیں تھے اور باقی میں اور عدنان بھائی ہی بچتے تھے' اس لئے ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ ہم دونوں میں ہر وقت چھیڑ چھاڑ لگی ہی رہتی تھی۔ ہمیشہ مجھے کہتے تھے ''میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں صرف گھبراتا ہوں۔''

عدنان بھائی بھیا کو پیار سے چوملی کہا کرتے تھے۔ جب ضیا ماموں کی کراچی پوسٹنگ ہوئی تو اتفاق سے ابو بھی Job کے سلسلے میں کراچی چلے گئے۔ ہم چھٹیوں میں کراچی جاتے تھے اور کراچی سے بھیا کے نام (چوملی کے نام) لکھے' عدنان بھائی کے خط آج بھی میں نے سنبھال کر رکھے ہیں۔ یہ دونوں رات کو الٹی سیدھی کھیلیں کھیلا کرتے تھے۔ کبھی گھر کی سفید چادریں باندھ لیتے کہ ہم حج پر جارہے ہیں اور کبھی انہیں کوکنگ کا جنون سوار ہو جاتا۔ عجیب عجیب ڈشیں پکاتے' پیاز کے میٹھے پکوڑے' بلیک کافی وغیرہ۔

مجھے آج بھی یاد ہے میں ایم ایس سی میں تھی تو ایک ماہ کے لئے residence کی advisor کے طور پر مجھے وہیں رہنا تھا تو کبھی ویک اینڈ پر نوشی باجی اور عدنان بھائی

Marfat.com

مجھے لینے آتے تھے' پھر پیر کی صبح نوشی باجی ہی مجھے کالج چھوڑتی تھیں۔

میرے پاس اتنی زیادہ یادیں ہیں کہ ان سب کو لکھنے کیلئے بہت وقت لگے گا' اس لئے جو واقعات بہت شدت سے ذہن پر دستک دے رہے ہیں صرف ان کو ہی قلمبند کر رہی ہوں۔

ایک بار عدنان بھائی گورنمنٹ کالج میں ایک ڈرامے کو direct بھی کر رہے تھے اور اس میں act بھی کر رہے تھے۔ مجھے اور نوشی باجی کو بہت زور دے کر وہ ڈرامہ دکھانے لے کر گئے۔ میں اور نوشی باجی ہی عدنان بھائی کو گلبرگ کی ایک کوٹھی میں اس ڈرامے کی ریہرسل پر چھوڑا کرتے تھے۔

میرے ابو کو 1984ء میں جب ہارٹ ٹربل ہوئی تو ہم تقریباً ڈیڑھ دو ماہ خالہ کے گھر ہی رہے۔ نوشی باجی اور عدنان بھائی' میرا اور بھیا کا بہت خیال رکھتے تھے تاکہ ابو کی بیماری کی طرف ہمارا دھیان کم سے کم جائے۔ مجھے یاد ہے یہ 9-شادمان لنک روڈ کی بات ہے جب ابو بیمار ہوئے تھے اور اسی گھر کے گراؤنڈ میں بھیا اور عدنان بھائی نے موٹر سائیکل چلانی سیکھی تھی۔

عدنان بھائی کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ ہر قسم کی کتابیں ان کی لائبریری کا حصہ تھیں۔ ادب سے لے کر فکشن تک ہر موضوع پر عدنان بھائی کا مطالعہ ہوتا۔ یہاں تک کہ کھیلوں پر بھی ان کا نالج بہت وسیع تھا۔ کبھی کسی بھی گیم کے کسی بھی کھلاڑی کے بارے میں ہمیں کچھ پوچھنا ہوتا تو عدنان بھائی کو فون کیا کرتے۔ ضیا ماموں کو امریکہ لے کر جانے سے دو تین دن پہلے ہی مجھے ویسٹ انڈیز کے ایک کھلاڑی کا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں بہت دیر سوچتی رہی' اچانک ذہن میں آیا کہ عدنان بھائی سے پوچھوں۔ میں نے ان کے موبائل پر فون کیا تو انہوں نے اس کھلاڑی کی پوری ہسٹری مجھے بتا دی اور کہنے لگے کہ پہلے ہی پوچھ لیتی' تمہیں نہیں پتہ تمہارے پاس دماغ نہیں

Marfat.com

ہے' پھر کیوں اس پر زور دے رہی ہو۔

مجھے ابھی بھی یاد ہے نوشی باجی کی شادی پر عدنان بھائی' بھیا' مونتو اور ان سب کے دوستوں میں صرف ایک اکیلی لڑکی میں تھی اور عدنان بھائی نے ہر ہر رسم میں مجھے سب سے آگے رکھا۔ کہنے لگے 'نوشی کے بعد ایک ہی تو بہن ہے۔ میں نوشی باجی کی رخصتی پر شاید زیادہ ہی روئی تھی۔ بھیا عدنان بھائی کے پاس گئے اور کہا' عدنان بھائی خالہ کو میں سنبھال لوں گا آپ دریمہ کو چپ کروائیں۔ عدنان بھائی میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ پوری شادی پر صرف دو لوگ رو رہے ہیں۔ ایک امی اور دوسری تم۔ چپ کرو تو پھر میں تمہیں نوشی سے ملوانے اس کے گھر لے کر چلتا ہوں اور واقعی وہ لے کر بھی گئے۔ پھر وہاں سے واپسی پر سب دوستوں کے ساتھ اور مونتو کے ساتھ پرانی انارکلی لسی پلانے لے کر گئے۔ نوشی باجی کی شادی پر ہی انہوں نے مجھ سے ڈھولکی بجانی سیکھی۔ ہم دونوں اکٹھے ڈھولکی بجاتے تاکہ ڈھولکی کی آواز اونچی لگے۔

نوشی باجی کی شادی کے بعد ایک دفعہ خالہ بیمار تھیں' میں وہیں رک گئی۔ رات کو خالہ کی کوئی دوا لانی تھی۔ میں اور مونتو خالہ کے پاس اوپر ان کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ میں نے مونتو کو کہا' میں عدنان بھائی سے کہتی ہوں دوائی لادیں' تم یہیں بیٹھو۔ جب میں نیچے ان کے کمرے میں گئی تو عدنان بھائی نفل پڑھ رہے تھے۔ میں حیران ہو گئی کیونکہ ہمارے سامنے تو عدنان بھائی نے کبھی نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ میں بھاگ کر اوپر آئی اور خالہ اور مونتو کو بتایا' بعد میں عدنان بھائی نے ڈانٹا بھی کہ یہ بات سب کو کیوں بتائی۔

عدنان بھائی کبھی خالہ کو روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے اور ان کی یہی عادت شادی کے بعد میں نے حمیرا باجی (ان کی بیوی) کیلئے دیکھی۔ جب ہم حمیرا باجی کو دیکھنے

Marfat.com

عدنان شاہد نوشین اپنے امی اور ابو کے ساتھ۔

نوشین کی شادی میں مہندی پر گانا گاتے ہوئے۔

Marfat.com

عدنان شاہد اور اشتنان شاہد جوڑی جو ٹوٹ گئی۔

ڈاکٹر نوشین کی شادی میں عدنان شاہد مہندی پر ڈانس کرتے ہوئے۔

Marfat.com

جا رہے تھے تو ضیا ماموں نے شام کو فون کیا امی ابو کو بلانے کیلئے تو کہنے لگے ' دریمہ کی عدنان سے بہت دوستی ہے اس کو بھی ساتھ لے کر ضرور جانا ہے۔ نوشی باجی ' میں اور مونتو اور باقی سب ہمارے خاندان کے بڑے تھے۔ جب ہم حمیرا باجی کو ملنے گئے۔

پتا نہیں کسی کو یاد ہو کہ نہیں مگر جب عدنان بھائی کی منگنی کے بعد ضیا ماموں نے انہیں حمیرا باجی سے ملنے کو منع کیا تو ایک دن انہیں پتا چلا کہ حمیرا باجی کچھ بیمار ہیں۔ اسی دن میرے ایم ایس سی کے پہلے سال میں پاس ہونے کی خوشی میں عدنان بھائی اور مونتو نے مجھ سے treat لی ہوئی تھی۔ کھانے سے واپسی پر عدنان بھائی نے راستے میں دوائی لی اور حمیرا باجی کو فون کیا کہ اندر نہیں آ سکتا ' اس لئے دوائی terrace پر پھینک رہا ہوں ' اٹھا کر کھا لو۔ ہم بہت مذاق اڑاتے تھے ' اس بات پر ان کا۔

یہ مضمون لکھتے لکھتے مجھے ایک شعر ذہن میں آ رہا ہے۔

کھویا ہے اسے جس کا بدل کوئی نہیں ہے
یہ بات مگر کون سنے ' لاکھ پکارو

مجھے آج بھی یاد ہے دفتر سے اکثر عدنان بھائی کے پی اے کا فون آتا کہ باجی دریمہ سے عدنان صاحب بات کریں گے۔ عدنان بھائی نے کہنا شفیق الرحمٰن کی فلاں کتاب نکالو اور فلانے صفحے پر یہ والی لائنیں مجھے dictate کرواؤ ' مجھے کالم کیلئے چاہئیں۔ پھر کہتے اصل میں میرے اور تمہارے علاوہ شفیق الرحمٰن پڑھنے کی کسی کو تمیز نہیں ہے ناں ' اس لئے میں تم سے پوچھتا ہوں۔

میری حمیرا باجی سے قریب اور فری ہونے کی وجہ یہ تھی کہ میں عدنان بھائی سے بہت فری تھی۔ جب عدنان بھائی کی بیٹی فجر پیدا ہوئی تو میں اس کیلئے چھوٹا سا تحفہ لے کر ہسپتال پہنچی تو کہنے لگے یہ کیا لے آئی ہو۔ پاگل ہو نقدی دینی تھی ' میرے بھی کام آتی۔ امی کہنے لگیں تم دونوں ہسپتال میں تو اپنی لڑائی اور فضول باتیں بند کر دو۔ ہم

Marfat.com

دونوں میں ہر وقت چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔ پتا نہیں اب وہ سب کون کرے گا۔ عدنان بھائی کی یادیں اتنی زیادہ اور بھرپور ہیں کہ مجھے ان کے چلے جانے کا یقین ہی نہیں ہو رہا۔ ابھی بھی لگتا ہے کہ کسی فیملی فنکشن پر وہ ملیں گے اور اسی طرح ہم دونوں لڑائی جھگڑا کریں گے۔ دل کرتا ہے کہ کوئی اس بات کا جواب دے کہ:-

روٹھے ہوؤں کو منانا تو پھر بھی ممکن ہے

جو چلے گئے ہیں انہیں کوئی کس طرح لائے

مجھے اپنی خالہ سے بے انتہا پیار ہے اور انہوں نے بھی مجھے اور بھیا کو امی کے برابر ہی پیار دیا۔ آج تک وہ واحد گھر ہے جہاں میں بلا جھجک بڑے حق سے چلی جاتی ہوں۔ سوچتی ہوں عدنان بھائی تو کبھی خالہ کو روتے نہیں دیکھتے تھے تو پھر اب کس طرح انہیں ہمیشہ کیلئے روتا چھوڑ گئے ہیں۔

آج سے تین سال پہلے جب میری بیٹی پیدا ہوئی تو اس کو سب سے پہلے ہسپتال میں دیکھنے آنے والے عدنان بھائی اور مونتو تھے۔ ہر خوشی غمی میں ساتھ ہوتے تھے تو اب یہ کیسے مان لوں کہ وہ نہیں ہیں۔ آپ یقین کریں ابھی یہ لکھتے ہوئے بھی مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ یہیں ہیں اور یہ سب پڑھ کر اپنی Typical ہنسی ہنستے ہوئے کہہ رہے ہیں یہ تم کس کام لگ گئی ہو۔ جو چیز تمہارے بس میں نہیں ہے' اس کی کیوں کوشش کر رہی ہو۔ عدنان بھائی آپ یقین کریں کہ میرا دل اس بات کو نہیں مان رہا اتنے دنوں سے۔ حالانکہ میں ہر ہر لمحہ انہیں پرسکون نیند سوئے ہوئے دیکھتی رہی ہوں مگر پھر بھی یہ اتنی بڑی سچائی مجھے جھوٹ لگ رہی ہے۔ نہ اس طرح خالہ کو دیکھا جاتا ہے اور نہ ہی حمیرا باجی یا کسی اور کو۔ ایسے لگتا ہے ہم سب ایک دوسرے سے ڈر کر ایک دوسرے کے سامنے روتے نہیں ہیں اور اپنی Feelings کو چھپا رہے ہیں' حالانکہ درد اتنا ہے کہ دل پھٹ ہی جائے۔

Marfat.com

اس کی جدائی کھا گئی گھن کی طرح
ہم سخت جان پہلے یوں کھوکھلے نہ تھے
جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا وہ بجا نہ تھا
اتنے برے بھی کب تھے' اگر ہم بھلے نہ تھے

بہت کچھ اور ہے جس پر بہت سالوں کی دھول جمی ہوئی ہے مگر اس سب کو لکھنے کیلئے اس دھول کو ہٹانے کی ہمت اب مجھ میں نہیں ہے۔ ضیاماموں سے اتنا ضرور کہنا چاہتی ہوں کہ اب آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ اب آپ جلدی سے ہمارے پہلے والے ضیاماموں بن جائیں تاکہ عدنان بھائی بھی آپ کو جس طرح دیکھنا چاہتے تھے اس طرح دیکھ کر خوش ہو جائیں کیونکہ یہ بات میں جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات کے آگے عدنان بھائی نے سر جھکا دیا ہے مگر ایک بات اپنی اس ذات سے ضرور منوالی ہو گی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے میرے گھر والوں اور پیاروں کو دیکھتے رہنے کی اجازت تو ضرور دے دے۔ اس لئے ماموں Please آپ ان کیلئے اور ہم سب کیلئے جلدی صحت یاب ہو جائیں۔ (آمین)

اب شاید اور لکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے مگر عدنان بھائی آپ کیلئے آخر میں یہ ضرور لکھوں گی۔

ذرا سی بات سہی تیرا یاد آ جانا
ذرا سی بات بہت دیر تک رلاتی ہے

Marfat.com

تعزیتی ریفرنس

زیر اہتمام...... لاہور پریس کلب

6 مارچ 2007 کی سہ پہر لاہور پریس کلب نے عدنان شاہد مرحوم کی یاد میں ایک خصوصی تعزیتی ریفرنس کا انعقاد کیا جس میں پیشہ صحافت سے وابستہ پاکستان کی انتہائی محترم اور نامور شخصیات نے عدنان شاہد کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ ریفرنس کے دوران شرکاء کی آنکھیں پرنم رہیں اور مقررین نے بھرائی ہوئی آوازوں میں اپنے خیالات سامعین تک پہنچائے۔ بیشتر مقررین نے جذبات پر قابو نہ رکھ سکنے کی بنا پر معذرت کر کے مختصر الفاظ میں اپنے محسوسات بیان کیے۔ جناب مجید نظامی اور جناب مجیب الرحمٰن شامی جیسی محترم اور قدر آور شخصیات بھی اس ریفرنس میں آبدیدہ نظر آئیں۔ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ عدنان شاہد مرحوم کی یاد میں مرتب کی جانے والی اس کتاب میں مذکورہ ریفرنس کے دوران اہل صحافت کے تاثرات بھی شامل کیے جائیں۔

جناب مجید نظامی

مدیر اعلیٰ روزنامہ نوائے وقت

عدنان شاہد اپنے والد کی خدمت کرتے اللہ کو پیارا ہوا اور سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں کس طرح اپنے جذبات کا اظہار کروں۔ حمید نظامی مرحوم کو فوت ہوئے 43 برس ہو گئے ہیں اور اس دوران ان کے انتقال کے حوالے سے ایک جملہ کہنے کی بھی مجھ میں ہمت کبھی نہیں ہوتی۔ عدنان شاہد کے ریفرنس میں شرکت کے حوالے سے بھی میرا ارادہ معذرت کرنے کا تھا لیکن یہ غم ایسا تھا کہ مجھے شریک

Marfat.com

ہونا پڑا ہے۔ عدنان شاہد کی موت جواں مرگ ہے اور میں اندازہ بھی نہیں لگا سکتا کہ ضیا شاہد اور ان کی بیگم نے پردیس میں جوان بیٹے کی موت کا دکھ کیسے برداشت کیا ہو گا۔ ضیا شاہد بیمار ہیں اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ انہیں ہمت اور صبر جمیل عطا فرمائے۔ بالخصوص عدنان مرحوم کی والدہ کو صبر دے کیونکہ کسی ماں کیلئے اپنا سب سے بڑا بیٹا مرتا دیکھنا انتہائی کرب انگیز ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اللہ نے عدنان شاہد مرحوم کی وفات کی صورت میں ضیا شاہد کا ایک دست بازو الگ کر دیا ہے۔ میری دعا ہے کہ عدنان مرحوم کا نعم البدل امتنان شاہد کی صورت میں ملے جو عدنان مرحوم کے جانے کے بعد پیدا ہونے والے خلا کو پر کر سکے۔

جب حمید نظامی فوت ہوئے تو حالات ناگفتہ بہ تھے لیکن اللہ کارساز ہے اور آج ان کے جانے سے پیدا ہونے والا خلا کسی نہ کسی حد تک پورا ہوا ہے۔ میری دعا ہے کہ ضیا شاہد کا ادارہ پھلے پھولے اور ترقی کرے اور امتنان شاہد ایسا کام کرے جس سے عدنان شاہد مرحوم کی روح خوش ہو۔ ☆☆

جناب مجیب الرحمٰن شامی

چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان

حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی ایک جنگ میں شہید ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ ان کے غم میں تڑپتے اور انہیں یاد کرتے ہوئے کہتے کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ تعزیت کا حق کیسے ادا ہو اور دل کو قرار آئے۔ ایک دن انہیں خبر ملی کہ ایک مشہور شاعر نے اپنے مرحوم بھائی کی وفات کے بعد اس کی یاد میں ایک مرثیہ تحریر کیا ہے جو بہت مشہور ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس شاعر کو بلایا اور اس کی زبانی اس کا لکھا مرثیہ کئی بار سنا اور رقت آمیز لہجے میں کہا کہ کاش میں بھی شاعر ہوتا تو اپنے بھائی کی یاد میں ایسا

Marfat.com

ہی مرثیہ لکھتا جس پر اس شاعر نے جواب دیا کہ یا امیر المومنین! اگر میرا بھائی وہ موت مرتا جو آپ کا بھائی مرا ہے یعنی میدان جنگ میں شہید ہوتا تو میں اس کا مرثیہ کبھی نہ لکھتا۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے یہ بات سنی تو ان کی کیفیت عجیب ہو گئی اور باقی تمام عمر یہ کہتے رہے کہ جو تعزیت اس شاعر نے کی وہ دوبارہ کسی سے نہیں سنی۔

عدنان شاہد رخصت ہو گئے' ہم سب کو بھی ایک دن جانا ہے لیکن جو کام ہم 60 یا 100 سال کی عمر میں کرپاتے وہ عدنان مرحوم نے 37 برس کی عمر میں کر لیے کیونکہ کام کرنے کیلئے عمر کا طویل ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ عدنان شاہد مرحوم نے بطور اخبار نویس بھرپور زندگی گزاری اور اپنے باپ کے زیر سایہ کام کیا۔ اس کے بعد اپنی طرز ایجاد کرتے ہوئے انگریزی اخبار نکال کر ایسا بیج ڈالا جو تناور درخت بنے گا۔ اس موت نے پورے معاشرے کو سوگوار کر دیا ہے اور میں نے اپنی 60 سالہ زندگی میں سقوط ڈھاکہ کے بعد یہ دوسری خبر سنی ہے جس نے معاشرے کو جھنجھوڑ دیا ہے۔ معاشرہ جو یہ سمجھتا ہے کہ 100 سال تک موت نہیں آنی اسے عدنان نے یہ پیغام دیا ہے کہ موت 37 برس کی عمر میں بھی آتی ہے۔ عدنان کی موت نے پاکستان کی زمین ہلا دی ہے۔ میں نے تو اپنے بھائی ضیا شاہد اور بھابی یاسمین شاہد سے غم کا اظہار کرنا ہی تھا لیکن میں جہاں جاتا ہوں' جہاں بیٹھتا ہوں ہر فرد جو عدنان سے ملا بھی نہیں ہوتا وہ بھی عدنان کیلئے دعا کرتا ہے۔ مرد و خواتین' بچے بوڑھے سب اس کی مغفرت کیلئے دعا کر رہے ہیں۔ خدا کی قدرت نرالی ہے' جب لوگ سمجھتے ہیں کہ رات لمبی ہو گئی ہے اور ختم نہیں ہو گی' وہ دن نکال دیتا ہے اور اسی طرح دن سے رات نکال دیتا ہے۔

میں نے اور ضیا شاہد نے ایک چھت کے نیچے بھی زندگی گزاری اور ہمارا 40 برس کا ساتھ ہے لیکن میں نے اس سانحے سے قبل کبھی کسی کو ضیا شاہد کیلئے اس طرح دعا مانگتے نہیں دیکھا۔ تاریخ میں پڑھا تھا کہ بابر بیٹے پر قربان ہو گیا لیکن عدنان

Marfat.com

اپنے باپ پر قربان ہو گیا اور لوگ سوچتے ہیں کہ ضیا شاہد کیسا باپ ہے' کیسا درخت ہے جس کو ایسا پھل لگا اور اس نے عدنان کی کیسی پرورش کی کہ ہر کوئی دعا گو ہے کہ کاش ہمیں بھی عدنان جیسا بیٹا ملے۔ ہر گھر ضیا شاہد کے غم میں شریک ہے اور دعا ہے کہ اللہ ضیا شاہد کو زندگی' صحت اور توانائی دے کہ اپنے ادارے کی قیادت کرتے رہیں۔

جناب عارف نظامی

ایڈیٹر دی نیشن

ضیا شاہد کے ساتھ میرا ذاتی طور پر گہرا تعلق ہے اور ہماری بہت قربت ہے۔ ضیا صاحب ایک "سیلف میڈ" آدمی ہیں جنہوں نے حمید نظامی مرحوم کی طرح اپنی ہمت سے ایک نئے اخبار کا اجراء کیا۔ عدنان کی جواں سالہ موت نے جو گھاؤ لگایا ہے وہ بہت گہرا ہے۔ اخبار نکالنا آسان کام نہیں ہوتا' یہ بہت محنت طلب کام ہے اور اس کیلئے اپنی ذات کی قربانی دینا ہوتی ہے۔ عدنان مرحوم نے "دی پوسٹ" نکالا اور اسے کامیابی سے چلایا اور اپنے والد کی بھی خدمت کی۔ ضیا شاہد صاحب جس کیفیت سے گزر رہے ہیں ہمیں ان سے ہمدردی ہے' میں بھی اس قسم کے مراحل سے گزرا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ضیا شاہد کو صبر دے' صحت دے تاکہ وہ اپنے ادارے کی رہنمائی کرتے رہیں جبکہ امتنان شاہد کو ہمت دے کہ وہ ان کی اعانت کرتے رہیں۔

جناب ضیا شاہد

چیف ایگزیکٹو خبریں گروپ آف نیوز پیپرز

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بڑے درخت کے نیچے چھوٹے پودے نہیں پھلتے پھولتے۔ خبریں کا اجراء کرنے کے بعد میں نے عدنان شاہد کو اپنے ساتھ کام پر لگایا۔

Marfat.com

اس نے گورنمنٹ کالج سے ایم اے اکنامکس کیا تھا اور ایم بی اے کر رہا تھا۔ ان دنوں بڑے مشکل حالات تھے۔ کبھی کاغذ نہیں ہوتا تھا اور کبھی پلیٹ یا سیاہی نہیں ہوتی تھی۔ بطور مینجنگ ایڈیٹر اخبار کی مینجمنٹ عدنان کی ذمہ داری تھی اور اس وقت ان کی عمر 21 سال تھی۔ وہ رات گئے تک اپنی یہ ذمہ داریاں نبھانے اور ہر جانب سے تسلی کرنے کے بعد گھر آتے۔ انہوں نے پانچ سال تک یہ ذمہ داری نبھائی اور پھر 25 سال کی عمر میں ریذیڈنٹ ایڈیٹر اسلام آباد بن گئے۔ ایک معاہدے کے تحت ہم نے 30 دن کے اندر اپنا اخبار اور دفتر الگ کرنا تھا۔ ایک دن عدنان شاہد کا فون آیا کہ ہم 24 گھنٹے کام کر رہے ہیں اور ہم 30 کے بجائے 29 دن بعد اپنا اخبار شائع کرنا شروع کر دیں گے۔ اسلام آباد سے واپس آئے تو عدنان شاہد خبریں کے آٹھوں سٹیشنوں کے ایڈیٹر بن گئے جبکہ 35 سال کی عمر میں انہوں نے انگریزی اخبار شروع کیا۔ میں اردو صحافت کا فرد تھا لہذا "دی پوسٹ" مکمل طور پر عدنان کی ایجاد ہے۔

عدنان بہت نرم مزاج تھے اور جن لوگوں سے کبھی میں ناراض ہو جاتا وہ انہیں مناتے۔ درحقیقت عدنان میرے اور کارکنوں کے درمیان ایک پل کی طرح تھے۔ وہ ایک اچھے سپورٹس مین تھے اور ہر چھوٹے بڑے کی عزت کرتے تھے۔ بطور رپورٹر میں نے عارف نظامی صاحب کو بھی دیکھا ہے جو ایڈیٹر ہوتے ہوئے بھی خود رپورٹنگ کرتے ہیں جبکہ جناب مجید نظامی ہمارے ہمیشہ آئیڈیل رہے ہیں اور شامی صاحب سے ہمیشہ بھائی چارہ رہا ہے۔ عدنان نے کبھی میری کوئی بات نہیں ٹالی تھی۔ ہمیشہ کہتا کہ چیف صاحب کا حکم ہے حالانکہ میری ہزاروں باتیں غلط بھی ہوتی ہوں گی لیکن وہ انہیں مانتا تھا۔ مگر اس نے ایک بار میری بات نہیں مانی جب لندن کے ایک روزہ قیام کے دوران وہ ٹکٹوں پر سٹیکر لگوانے گیا اور کچھ دیر بعد ہمیں اس کے ہسپتال جانے کی اطلاع ملی تو میں اور میری بیوی ہسپتال گئے تو عدنان بستر پر پرسکون چہرے سے لیٹا تھا۔

Marfat.com

احتشان شاہد کی دوسری سالگرہ پر عدنان شاہد کو کیک سنا رہے ہیں۔

عدنان شاہد پتریاٹہ مری میں۔

Marfat.com

مدنان شاہد اپنے نکاح کے بعد والد ضیا شاہد سے دعا لیتے ہوئے۔

نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے۔ حافظ عبدالرحمن ساتھ بیٹھے ہیں جنہوں نے نکاح بھی پڑھایا اور نماز جنازہ بھی۔

Marfat.com

میں نے اسے کہا کہ بیٹا! اٹھو۔ لیکن وہ نہیں اٹھا اور میرے کزن نے بتایا کہ وہ ہمیں چھوڑ کر جا چکا ہے۔ نہ وہ کسی پر بوجھ بنا نہ کسی کو دکھ دیا بس خاموشی سے اللہ کے پاس چلا گیا۔

بطور انسان ہم سب میں غلطیاں' کوتاہیاں ہوتی ہیں لیکن میرا بیٹا بڑا آدمی تھا جس کا ثبوت اس کی موت کے بعد پوری برادری نے اپنی دعاؤں کے ساتھ دیا۔ وہ مجھے نئے سبق سکھلا گیا کہ اصل راستہ محبت اور پیار کا ہے اور نرمی کے ساتھ ہر کسی کے دکھ بانٹے جا سکتے ہیں۔ اللہ نے مجھے جو آزمائش دی ہے اسے جھیلنے کا حوصلہ دے۔ صبر' ہمت اور صحت دے۔

جناب مجید نظامی میرے بزرگ ہیں اور میں انہیں ہمیشہ سے اپنا روحانی باپ سمجھتا ہوں۔ میں ان سمیت یہاں موجود تمام لوگوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے عدنان کی وفات پر اس کیلئے دعائے خیر کی ہے۔

جناب امتنان شاہد

ایڈیٹر روزنامہ خبریں

عدنان شاہد مرحوم کی پیشہ ورانہ زندگی بارے یہاں بات کرنا میں مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ جس نے ان کی پیشہ ورانہ زندگی کو دیکھنا ہے وہ "دی پوسٹ" کے شمارے کو دیکھ لیں جو کہ ان کی قیادت میں شروع ہوا۔ میں نے بھائی ہونے کے ناتے 26 سال ان کے ساتھ گزارے ہیں اور ان کی اتنی باتیں ہیں کہ بیان کرنا شروع کروں تو کئی دن گزر جائیں۔ عدنان شاہد مرحوم صحافی برادری کیلئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے "خبریں" اور "دی پوسٹ" میں ہمیشہ نوجوان ٹیلنٹ کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کے امریکہ جانے سے پہلے ان کے کمرے میں میری ان کے ساتھ اسی موضوع پر بات ہوئی تھی کہ ملک میں صحافت کے شعبے میں نوجوان ٹیلنٹ کو کس طرح سے آگے لایا جائے۔

Marfat.com

میں نے ذاتی خواہش پر ضیا صاحب کی رہنمائی میں ان کے اس عزم کی تکمیل اور صحافیوں کی فلاح و بہبود کیلئے "عدنان شاہد فاؤنڈیشن" قائم کرنے کا اعلان کیا ہے جس کا دیگر کاموں کے ساتھ یہ بھی ایک مقصد بنایا گیا ہے کہ شعبہ صحافت خواہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک' میں کام کرنے کے خواہشمند نوجوانوں کو تکنیکی اور بنیادی معلومات فراہم کرنے کیلئے ورکشاپ' سیمینار اور فورمز کروائے جائیں گے۔ یہ پلیٹ فارم ان کی بنیاد بنے گا اور یہ صرف خبریں' جنگ یا نوائے وقت کی فاؤنڈیشن نہیں ہو گی بلکہ صحافی برادری کیلئے مشترکہ پلیٹ فارم ہو گا تاکہ نوجوان صحافیوں کو سکھایا اور آگے لایا جا سکے اور میں اس حوالے سے تجاویز اور مشورے لینے خود اپنے سینئرز جناب مجید نظامی' جناب مجیب الرحمن شامی' جناب عارف نظامی سمیت تمام حضرات کے پاس جاؤں گا تاکہ اس فاؤنڈیشن کو کامیاب بنایا جا سکے۔ میں لاہور پریس کلب اور اس کے توسط سے تمام ملک کے پریس کلبوں اور صحافی برادری کا شکر گزار ہوں جنہوں نے عدنان شاہد مرحوم کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھا اور ان کی مغفرت کیلئے ہاتھ اٹھائے۔

جناب حسن نثار

معروف کالم نگار

سچ تو یہ ہے کہ مجھے اب تک یقین ہی نہیں آ رہا کہ عدنان شاہد دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور ہمیں تنہا کر دیا ہے۔ یہ جہان خراب ضرور ہے مگر اتنا بھی نہیں کہ عدنان اتنی جلدی میں ہم سے رخصت ہوتا۔ جب بھی اس کی وفات کا پڑھتا اور سنتا ہوں تو اس بھیانک حقیقت کو دل تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ گزشتہ سال کئی پیارے دنیا سے رخصت ہوئے مگر عدنان ان سب سے کم عمر تھا۔ نیند جو مجھے کبھی ٹوٹ کر آتی تھی اب ٹوٹ ٹوٹ کر آتی ہے۔

Marfat.com

راتوں کا پچھلا پہر ہے اور ہم ہیں دوستو۔

چند ماہ میں عدنان شاہد سے جتنی دوستی ہو گئی تھی ضیا شاہد سے کئی سالوں میں بھی نہیں ہو سکی۔ میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ عدنان شاہد میرا دوست ' بھائی یا بیٹا کیا تھا' جیسا بھی تھا بہت خوش اخلاق اور ملنسار تھا۔

جناب عطاء الحق قاسمی

معروف کالم نگار

جناب ضیا شاہد اور بھابی یاسمین شاہد میرے پنجاب یونیورسٹی کے کلاس فیلو ہیں' اس رشتے سے عدنان شاہد میرا بھتیجا بھی تھا اور بھانجا بھی تھا۔ عدنان شاہد سے میری ملاقاتیں بہت کم تھیں۔ ایک دو ملاقاتوں میں اس نے میرا دل موہ لیا۔ ایک بار میرے گھر پر ملاقات ہوئی پھر میں ضیا شاہد صاحب سے ملنے دفتر گیا تو وہ نہیں تھے۔ عدنان شاہد اتنے خلوص اور محبت سے ملے کہ ضیا صاحب کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ عدنان بڑے اخبار کا ایڈیٹر تھا مگر عجز و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ "دی پوسٹ" نکلا تو ایڈیٹر کی جھلک نظر آئی' اب تک ان کی جھلک کی مہک محسوس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

کوئی تو روئے لپٹ کر جوان لاشوں سے
اسی لیے تو وہ بیٹوں کو مائیں دیتا ہے

جناب سلیم بخاری

ایڈیٹر دی نیوز

جب مجھے عدنان شاہد کے تعزیتی ریفرنس میں اظہار خیال کرنے کیلئے کہا گیا تو میں صحافتی برادری کے سوگوار چہروں کو دیکھ کر حیران تھا کہ میں کچھ کہنے کی ہمت بھی

Marfat.com

کر سکوں گا کیونکہ ضیا شاہد سے میری دوستی ہے۔ عدنان شاہد سے دوستی تھی اور امتنان شاہد سے بھی دوستی ہے۔ جس گھر میں تین تین دوستیاں ہوں ان کیلئے میں نوحہ کیسے پڑھ سکوں گا۔ عدنان شاہد بہترین کرکٹر تھے اور سپورٹس کے معاملہ میں سخت گیر بھی تھے۔ راولپنڈی میں دی مسلم اور خبریں کے درمیان کرکٹ میچ ہوا جو جھگڑے کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ اس میں عدنان شاہد نے سخت گیر رویہ اپنایا اور غلط بات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ دی پوسٹ نکالنے کا فیصلہ ہوا تو ضیا شاہد نے مجھے یاد کیا۔ اس وقت عدنان اور امتنان شاہد دونوں موجود تھے۔ پہلی ملاقات میں اندازہ ہو گیا کہ عدنان شاہد اچھے ایڈیٹر بن سکتے ہیں۔ میں نے رائے کا اظہار کر دیا۔ عدنان صاحب نے اعتراض کیا مگر بعد میں میں نے ضیا شاہد صاحب کو قائل کر لیا اور عدنان شاہد نے ثابت کیا کہ وہ اچھے ایڈیٹر تھے۔ عدنان شاہد نے نہ صرف اپنے اخبار کی ترقی کیلئے دن رات ایک کیا بلکہ والدین کی خدمت میں بھی لگے رہے اور اپنے آخری لمحات بھی اپنے والد کی تیمارداری میں گزارے۔ اللہ تعالیٰ ضیا شاہد کو صدمہ برداشت کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔

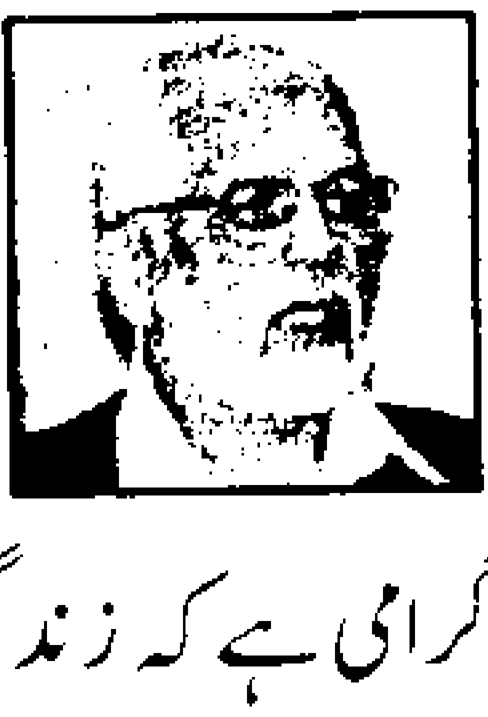

جناب ممتاز طاہر

چیف ایڈیٹر روزنامہ آفتاب

سردار انبیاء حضور رسالت مآب ؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو' اسی طرح جوانی کو بڑھاپے سے پہلے' امارت کو غربت سے پہلے' صحت کو بیماری سے پہلے اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے غنیمت جانو۔ اللہ کے نیک بندوں نے یہ زریں اصول ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے اور زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے دیا۔ وہ وقت کا صحیح اور حقیقی مصرف جان گئے اور انہوں نے اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور

Marfat.com

محمد مصطفیؐ کی اتباع میں گزار کر مقصود حقیقی کو پالیا اور اللہ کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

عدنان شاہد چمنستان صحافت میں ایک غنچہ بن کر چٹخا' کلی کی صورت پروان چڑھا اور پھول بن کر کھلا اور اپنے اردگرد کے ماحول کو اپنی خوشبو سے مہکا کر جلدی جلدی رخصت ہو گیا۔ اس کی موت شہادت کی موت ہے کیونکہ پیارے نبیؐ کا فرمان ہے کہ سفر میں موت کا آجانا شہادت ہے۔ عدنان شاہد جوانی میں ہم سے بچھڑ گیا۔ بیمار باپ کا سہارا چھن گیا' ماں کا سکون لٹ گیا' ایک بیٹی بیوہ اور تین بچے یتیم ہو گئے۔ ایک بھائی اور بہن کا ساتھی اور ماں جایا ان سے ہمیشہ کیلئے روٹھ گیا اور ایک اخباری گروپ کے ہزاروں کارکن' نمائندگان اور قاری اپنے اخبار کے ہونہار اور دانشور ایڈیٹر کی قیادت اور تحریروں سے محروم ہو گئے۔ بلاشبہ یہ ایک بہت بڑا سانحہ ہے لیکن حکم ربی ہے "كل نفس ذائقة الموت" اللہ کی منشا اور رضا کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ شہید بیٹے کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ عدنان شاہد کی جواں سال موت نے ہمیں خبردار کر دیا ہے کہ زندگی بالکل عارضی ہے' موت کا فرشتہ کسی بھی وقت اچانک انسان کا گھیراؤ کر سکتا ہے اور پھر سنبھلنے یا تیاری کیلئے پل بھر کی مہلت نہیں ملتی۔ حضرت امام غزالیؒ کے بقول آدمی کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے' اگر تم اس کی خبر نہ لو گے تو وہ سرکش اور بے قابو ہو جائے گا۔ اپنے نفس کو ہمیشہ یوں کہتے رہو "اے نفس کیا تو نہیں جانتا کہ جنت اور دوزخ تیرے سامنے ہیں اور تو بہت جلد کسی ایک میں جانے والا ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ کے عذاب کو برداشت کر سکے گا' ہرگز نہیں' یہ بات بھی دل سے نکال دے۔ ذرا ایک گھڑی تیز دھوپ میں کھڑا رہ یا اپنی انگلی آگ کے قریب کر' تجھے اپنی طاقت اور حوصلے کا علم ہو جائے گا"۔ تو میرے عزیز ساتھیو! ہمیں اصل زندگی کی

Marfat.com

فکر کرنی چاہیے' موت کسی بھی وقت آسکتی ہے' زاد راہ بنانا چاہیے۔ عدنان شاہد کی روح آج ہم سے یہی تقاضا کر رہی ہے کہ ہم بھی اپنی موت کی تیاری کریں اور اس کیلئے زاد راہ کی فکر کریں۔ اللہ اس نیک روح کے درجات بلند کرے اور اس کے لگائے ہوئے پودے کو تن آور درخت اور نیک ثمر سے سرفراز کرے۔

جناب راشد رحمٰن

ایگزیکٹو ایڈیٹر دی پوسٹ

عدنان شاہد کی جواں موت نے نہ صرف خبریں گروپ کو بلکہ پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میری عادت ہے کہ میں کسی سے متاثر نہیں ہوتا اور نہ جلدی کسی سے دوستی کرتا ہوں لیکن وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے پیار و محبت اور خلوص نے مجھے دوستی کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ جب بھی دی پوسٹ کے حوالے سے کوئی فیصلہ کرتا یا کوئی مشکل فیصلہ کرنے کا وقت آتا تو مجھ سے ضرور مشورہ کرتا۔ اس کا کہنا تھا کہ بابے بابے ہوتے ہیں لہٰذا ان کی مدد ضرور لینی چاہیے حالانکہ میں اس عمر میں نہیں پہنچا کہ مجھے بابا کہا جائے۔ عدنان شاہد نے مجھے ایڈیٹر ہی نہیں سمجھا بلکہ اپنی فیملی کا حصہ بنا دیا اور یہی وجہ ہے کہ آج ایسا لگتا ہے جیسے ڈاکٹر نوشین کا بھائی نہیں بلکہ میرا بھائی اس دنیا سے چلا گیا۔ عدنان کی کوشش تھی کہ انگریزی اخبار میں نوجوانوں کو موقع دیا جائے' اسی لیے انہوں نے بڑی باہمت جوان ٹیم کا انتخاب کیا اور آج میں "دی پوسٹ" کی ٹیم کا جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے۔ ان لوگوں نے عدنان شاہد کی محبت کی وجہ سے دن رات محنت کر کے اخبار کو اس مقام تک پہنچا دیا۔ اب اس ٹیم کا فرض ہے کہ عدنان شاہد کے اس "بے بی" کو مزید آگے لے جائیں۔ "دی پوسٹ" عدنان شاہد کا خواب تھا اور اس نے اپنے خواب کو پورا کرنے کیلئے دن رات محنت کی۔ انکساری عدنان شاہد کے وجود کا حصہ

Marfat.com

تھی۔ سینئر ہو یا جونیئر سب کے ساتھ محبت سے پیش آتے۔ جو اعتماد عدنان شاہد نے مجھے دیا زندگی بھر میں اس کا شکر گزار رہوں گا۔ عدنان کی وفات پر افسوس کرنے والوں میں جتنے لوگ ملے ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ اچھا انسان نہیں تھا۔ جو ان سے ملا یا نہیں ملا سب نے ایک ہی جملہ کہا کہ وہ بہت اچھا انسان تھا۔

جناب علی احمد ڈھلوں

چیف ایڈیٹر روزنامہ لیڈر

میں نے جب سے عدنان شاہد کی موت کے بارے میں سنا ہے آج تک یقین نہیں آتا۔ اس سے میری اور میری فیملی کی اتنی یادیں جڑی ہوئی ہیں کہ بیان کرنے لگوں تو اس کیلئے کئی دن چاہئیں۔ وہ میرے ساتھ زمانہ طالبعلمی اور گورنمنٹ کالج کی بڑی یادیں شیئر کرتا تھا۔ میں نے کافی عرصہ خبریں میں گزارا ایک دفعہ ناراض ہو کر چلا گیا اور تہیہ کر لیا واپس خبریں میں نہیں آؤں گا لیکن وہ میرے گھر آیا میری طرف سے کی گئی کڑوی باتوں کا برا بھی نہیں منایا اور منا کر دوبارہ ''خبریں'' میں لے گیا۔ گزشتہ ورلڈ کپ پر ہم بڑی بڑی دیر تک ٹورنامنٹ میں حصہ لینے والی ٹیموں کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ اب چند دنوں میں ورلڈ کپ آنے والا ہے اور میں سوچتا ہوں اس ورلڈ کپ کے حوالے سے کون میرے ساتھ گپ شپ کرے گا' تجزیے کون کرے گا۔

میں نے آٹھ سال ان کے ساتھ ''خبریں'' میں کام کیا اس دوران ان سے ساتھ بڑی یادیں وابستہ ہیں۔ وہ بڑا مخلص' پیار کرنے والا اور محنتی صحافی تھا۔ جب میں نے لیڈر و مقابلہ اخبار نکالا تو عدنان صاحب اپنی بیوی کے ہمراہ میرے دفتر آئے اور اخبار نکالنے پر مبارکباد دی۔ وہ میرا چھوٹا بھائی تھا نہ جانے کیوں چلا گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ

Marfat.com

روٹھ گیا ہے جلد واپس آئے گا اور ہم کرکٹ ورلڈ کپ پر ضرور تبصرہ کریں گے۔ مجھے علم ہے جواں موت کا صدمہ کتنا دکھ دینے والا ہوتا ہے کیونکہ میرا جوان بھائی بھی اس دنیا سے چلا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ عدنان شاہد کی جدائی پر ضیا شاہد' بھابی یاسمین سمیت پورے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جناب ارشد انصاری

سابق صدر لاہور پریس کلب

یہ پہلا موقع تھا کہ عدنان شاہد کی ناگہانی وفات پر عام کارکنوں کو پریس کلب کی دیواروں کے ساتھ ٹیک لگائے روتے دیکھا ہے۔ اس روز ایسا لگ رہا تھا کہ کارکن ہی نہیں بلکہ پریس کلب کے در و دیوار رو رہے ہیں۔ جس دن عدنان شاہد کی ناگہانی وفات کی خبر پریس کلب پہنچی تو تمام تفریحی تقریبات تعزیتی ریفرنس میں بدل گئیں' تمام دن یہاں سوگ منایا گیا۔ عدنان شاہد نے بڑی چھوٹی عمر میں بڑا مقام پالیا اور انگریزی کا ایک اچھا اور مؤثر اخبار دیا جس کے ساتھ ہزاروں افراد کا روزگار بھی وابستہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ سب نے موت کا مزہ چکھنا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت جلد اٹھالیا لیکن یہ قانون قدرت ہے۔ اب ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کے کام کو آگے بڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ ضیا شاہد اور امتنان شاہد کو لمبی عمر دے تاکہ وہ خبریں گروپ جیسے ادارے کو آگے بڑھا سکیں کیونکہ اس ادارے سے ہزاروں نہیں لاکھوں افراد کا روزگار وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جناب جمیل اطہر

ایڈیٹر تجارت' جرأت

عدنان شاہد نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں قرطاس و قلم تھی۔ وہ

Marfat.com

باپ بیٹے کا پیار کیمرے نے محفوظ کر لیا۔

Marfat.com

اپنی شادی کے موقع پر والدہ کے ہمراہ۔

اسلام آباد 2000ء نوفل کو گود میں اٹھائے ہوئے۔

Marfat.com

اس لحاظ سے بھی خوش قسمت نکلا کہ پہلے دن سے اس نے محنت کو شعار بنایااور بہت کم عمری میں بڑانام پیدا کر لیا۔اس کی موت نے پاکستانی صحافیوں کیلیے بڑا سبق چھوڑا ہے کہ محنت ودیانت سے ہی مقام حاصل کیا جا سکتا ہے۔اس میدان میں اور کوئی شارٹ کٹ نہیں۔ خدااس کو جنت میں جگہ دے اور ضیاشاہد اور امتنان شاہد کو صدمہ برداشت کرنے کی ہمت دے۔اللہ تعالیٰ ان دونوں کو لمبی عمر دے تاکہ وہ خبریں گروپ کو مزید مضبوط کر سکیں۔

Marfat.com

خبریں فورم میں منعقدہ تعزیتی ریفرنس

25 فروری 2007ء کو خبریں گروپ کے کارکنوں نے دفتر کے فورم ہال میں ایک ریفرنس منعقد کیا۔ اس موقع پر "خبریں" اور "دی پوسٹ" میں کام کرنے والے جناب عدنان شاہد کے ساتھیوں نے آہوں اور سسکیوں میں مرحوم کے ساتھ گزرے وقت کی یادیں تازہ کیں۔ ایڈیٹر خبریں امتنان شاہد نے اسی موقع پر "عدنان شاہد فاؤنڈیشن" قائم کرنے کا اعلان کیا۔ مرحوم کے ساتھی کارکنوں کے جذبات پیش خدمت ہیں۔

امتنان شاہد

عدنان شاہد انسان اور انسانیت کے قدر کرنے والے شخص تھے۔ زندگی میں کبھی انہوں نے منافقت سے کام نہیں لیا' صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہا۔ دنیا میں سب سے مشکل کام اپنی غلطی کا اعتراف کرنا ہے اور عدنان شاہد میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو کہ ایک بڑے آدمی اور ایک بڑے انسان کی شخصیت میں ہونی چاہئیں۔ میں نے 26 سالہ رفاقت میں انکے ساتھ بہت سی یادیں' باتیں اور لمحے Share کیے۔ اچھائیاں اور برائیاں ہر ایک میں موجود ہوتی ہیں اور ان کو جانچنے کا ترازو بھی انسان کے اندر موجود ہوتا ہے۔ عدنان شاہد مرحوم نے اپنی زندگی میں بہت سے اچھے کام کیے جن کا شاید ان کے علاوہ کسی اور کو علم بھی نہیں اور اس بارے ان کے خاندان کے ارکان ہی جانتے ہیں۔ انگریزی اخبار نکالنا اور اسے کامیابی سے چلانا ان کا خواب تھا اور انہوں نے بڑی کامیابی سے "دی پوسٹ" کا لاہور اور اسلام آباد سے اجراء کیا اور وہ اسے دیگر شہروں سے بھی شروع کرنا چاہتے تھے۔

عدنان شاہد مرحوم کے بارے میں ان کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں اور ان کی صحافتی خدمات بارے اتنا کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے کہ اب اس بارے بات کرنا عجیب سا لگتا ہے تاہم یہ بات کہنا بھی ضروری ہے کہ جو لوگ کسی نہ کسی صورت ادارے سے الگ ہو

Marfat.com

گئے یا کر دیئے گئے وہ بھی ان کی تعریف کرتے ہیں جو ان کی شخصیت کی خوبیوں کا اعتراف ہے۔ ضیا صاحب اور میں ذاتی طور پر ان سب کے شکر گزار ہیں جنہوں نے عدنان شاہد مرحوم کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھا۔

"دی پوسٹ" عدنان شاہد مرحوم کا baby تھا اور اس کو ملک کے دیگر شہروں سے شائع کرنا ان کا خواب تھا جس کی ذمہ داری اب ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ خبریں گروپ کے تمام اخبارات میں کام کرنے والے افراد ایک خاندان کی طرح ہیں اور چیف صاحب نے ہمیشہ ہر نئے آنے والے کو سکھایا اور اسی طرح عدنان صاحب اور میں نے بھی ان سے بہت کچھ سیکھا۔ ہم نے اپرنٹس رپورٹنگ اور سب ایڈیٹنگ سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا اور ہمارے ساتھ آنے والے بہت سے ساتھی آج مختلف اخبارات میں اہم عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ عدنان شاہد مرحوم ایک بڑے انسان تھے جنہوں نے بہت تھوڑے وقت میں بہت سا پیار بانٹا اور بہت سا پیار سمیٹا۔ ان کی زندگی میں میرٹ بڑی اہمیت رکھتا تھا اور ایک پیشہ ور صحافی کے طور پر انہوں نے ہمیشہ میرٹ کو ترجیح دی۔

اعظم سلطان سہروردی

میری ضیا شاہد سے 36 سال کی رفاقت ہے اور میرے بڑے بیٹے مزمل سہروردی اور عدنان ہم عمر ہیں اور دونوں بڑے دوست تھے۔ مجھے دونوں بیٹوں کی طرح ہیں اور آج تک ضیا شاہد اور میں نے اپنے بیٹوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی کہ کس سے ملیں یا نہ ملیں۔ مجھے بڑا فخر ہے کہ عدنان ایک بہت اچھا انسان اور انسان دوست' بڑوں کا ادب کرنے والا' چھوٹوں سے شفقت اور پیار سے پیش آنے والا بچہ تھا۔ اس کی میرے ساتھ بہت سی یادیں ہیں کیونکہ وہ میرے فیملی ممبر کی طرح سے تھا۔ آج عدنان شاہد مرحوم کی جدائی سے ایسا لگتا ہے کہ میں اپنے ایک بیٹے سے جدا ہو گیا ہوں اور اس کا ہنستا مسکراتا چہرا ہر وقت میرے سامنے رہتا ہے۔ خدا اس کو کروٹ

Marfat.com

کروٹ جنت نصیب کرے۔ ایسے بچے اور اس جیسے چہرے کو صدیوں بھلایا نہیں جائے گا۔ خدا ضیا شاہد کو مکمل صحت کے ساتھ لمبی عمر دے کیونکہ عدنان کی وفات کے بعد اب ضیا شاہد اور امتنان پر بہت بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے۔ خدا ان دونوں کو صبر جمیل اور ہمت عطا فرمائے۔

بینش سلیم

عدنان شاہد مرحوم ایک انوکھی طرز کے آدمی تھے' وہ ایک وقت میں اچھے ایڈیٹر' دوست' مخلص انسان اور سب سے بڑھ کر اچھے رہنما تھے۔ میں جب ''دی پوسٹ'' میں نوکری کیلئے آئی تو انہوں نے میرے سامنے ایک فارم رکھ دیا جس کو دیکھ کر میں نے ان سے کہا'' عدنان صاحب میں ٹیسٹ نہیں دوں گی اور نہ میں ٹیسٹ میں فیل ہونا چاہتی ہوں اس لیے میں جا رہی ہوں''۔ جونہی میں جانے کیلئے اٹھی تو انہوں نے کہا بینش تم غلط سوچ رہی ہو میں نے تمہیں نوکری دے دی ہے بس اس فارم پر اپنا نام اور ایڈریس لکھ دو اور پھر مجھے سمجھانے لگے کہ دیکھو تم نے اگر بڑا جرنلسٹ بننا ہے تو تحفے تحائف لینے میں نہیں پڑنا۔ بہت سے رپورٹر اور جرنلسٹ تحفے تحائف لیتے ہیں' تم نے صرف اور صرف ایک ایماندار صحافی بننا ہے' یہ دن میری زندگی کا ایک موڑ ثابت ہوا۔

جب بھی کوئی اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو چار چھ آدمی اس کو اچھا اور چار چھ آدمی اس کو برا کہہ دیتے ہیں لیکن عدنان شاہد مرحوم ایسے انسان تھے جن کو آج تک کسی نے برا نہیں کہا۔ ان کی آنکھوں کی حیا اور دل کی بے باکی نے مجھے جرنلسٹ بننے پر مجبور کیا اور آج بھی ان کی مسکراہٹ' آنکھوں کی شرم و حیا اور بے باک انسان کا چہرہ میرے ذہن سے نہیں نکلتا۔ کسی ادارے کے ملازمین سے نہیں سنا کہ اس ادارے کا سربراہ یا ایڈیٹر نئے سیکھنے والوں کیلئے اتنا پیار اور محبت دل میں رکھتا ہو' ایڈیٹر ماتحت کو ملازم سمجھتے ہیں لیکن اس شخص میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

Marfat.com

محمل سرفراز

میں ''دی پوسٹ'' میں دوماہ کیلئے آئی تھی لیکن عدنان شاہد مرحوم کی شفقت نے مجھے اب یہیں کا کر کے رکھ دیا ہے۔ وہ اس طرح کے انسان تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں اس طرح کے باسز کم دیکھے ہیں' شاید مجھے اپنے کسی قریبی فیملی ممبر کے جانے کا اتنا دکھ نہ ہوتا جتنا عدنان شاہد مرحوم کا ہوا ہے۔ یہ عدنان شاہد کا ویژن تھا کہ اچھے لکھنے والے نوجوان افراد کو پروموٹ کیا جائے اور یہی وجہ ہے کہ میں آج اس مقام پر ہوں۔ ان کی وفات کے بعد ایسا لگتا ہے کہ جیسے میرا سگا بھائی چلا گیا ہو' ہم اس شخص کے مشن کو آگے لے کر چلیں گے اور ''دی پوسٹ'' کو بڑا اخبار بنائیں گے۔

میں اکثر اپنی ساتھی لڑکیوں کو لے کر ان کے گھر ان کی اہلیہ سے ملنے چلی جاتی تھی' وہ مجھے دیکھ کر یہی کہتے تھے کہ ''اے کڑی! تو روز میرے گھر لڑکیوں کو لے کر چلی آتی ہو' میری بیوی آپ کو اچھے اچھے کھانے کھلاتی ہے تو ضرور میرے گھر کا بجٹ خراب کرے گی۔''

کامران گورایہ

عدنان شاہد مرحوم میرے ایڈیٹر ہی نہیں تھے بڑے بھائی اور بہت شفیق دوست تھے۔ ان کی بہت سی یادیں ہیں جن کو بتانے کے لئے بہت سا وقت چاہیے بس میں یہ جانتا ہوں کہ شاید زندگی میں مجھے اس جیسا ایڈیٹر اور دوست نہ مل سکے۔ خدا ان کو جوار رحمت میں جگہ دے۔

کہکشاں فاروق

نہ جانے روز لوگ کس کی دعا کیلئے اکٹھے ہو جاتے ہیں؟ روز کس کا ریفرنس ہوتا ہے؟ عدنان شاہد تو زندہ ہیں اور ایسے لگتا ہے کہ وہ بیرون ملک گئے ہوئے ہیں' آج یا

Marfat.com

کل آ جائیں گے۔

جب میں ''دی پوسٹ'' میں آئی تو مجھے علم تک نہیں تھا کہ مجھے اتنا بڑا عہدہ دے دیا جائے گا۔ اس وقت ایک اور صاحب انٹرویو کر رہے تھے' عدنان شاہد نے کہا اس لڑکی کو میں نے رکھ لیا ہے اور یہ جس پوسٹ پر کام کرنا چاہے اس کو اجازت ہے۔ ان صاحب نے کہا شکل سے تو بہت چھوٹی لگتی ہے اور اس کے پاس صحافت کا کوئی تجربہ بھی نہیں لگتا' اس پر عدنان شاہد مرحوم نے کہا اس حساب سے تو آپ مجھے بھی کہہ سکتے ہیں کہ میرے پاس کوئی تجربہ نہیں اور نہ ہی میں ایڈیٹر لگتا ہوں' بس میں نے اس کو رکھ لیا ہے اور آج سے یہ جس سیٹ پر کام کرنا چاہے کر سکتی ہے۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں وہ عدنان شاہد مرحوم کی وجہ سے ہوں' مجھے ابھی بھی ان کی وفات کا یقین نہیں آ رہا ایسا لگتا ہے کہ بیرون ملک گئے ہوئے ہیں' بس ابھی آ جائیں گے۔ وہ اپنے ساتھیوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

کاشف محمود

جب ''دی پوسٹ'' نکلنا تھا تو میری پوسٹنگ اسلام آباد میں تھی۔ ایک دن جناب ضیا شاہد اسلام آباد آئے اور میرے دفتر میں آ کر کہا اگلے ایک مہینے میں ''دی پوسٹ'' نکالنا ہے بندوبست کر لو۔ ابھی دفتر بھی نہیں بنا تھا میں پریشان ہو گیا اور عدنان شاہد سے بات کی تو انہوں نے ہمت بندھائی اور کہا ''او چاچا کام کرو سب ٹھیک ہو جائے گا'' اور ہم نے ان کی رہنمائی سے پورے ایک ماہ میں نہ صرف ''دی پوسٹ'' نکالا بلکہ بہترین دفتر بنایا جس میں ان کی پسند کا فرنیچر' پردے اور دوسرا سامان لگایا اور یہ سب فون پر ہوا۔ میں خود حیران تھا کہ وہ دن رات مجھے فون کر کے گائیڈ کرتے اور میں وہ کام کر گیا۔

کسان ٹائم ایوارڈ کی تقریب میں میں دوسرے ساتھیوں سے مل کر سکرین پر بیک ڈراپ لگا رہا تھا جو ہم سے نہیں لگ رہا تھا اور تقریب شروع ہونے میں چند منٹ رہ گئے تھے۔ عدنان شاہد مرحوم میرے پاس آئے اور میں نے ان سے کہا سر یہ پہلی

Marfat.com

مرتبہ ہے کہ میں بیک ڈراپ لگانے میں ناکام ہو گیا ہوں۔ انہوں نے کہا ''او چاچا'' اپنی ٹائی اتار و اور پھر ایزی ہو کر کام کرو' بیک ڈراپ لگ جائے گا۔ جب میں نے ان کی ہدایت کے مطابق کام کیا اور بیک ڈراپ لگ گیا تو وہ مجھے ایک کونے میں لے گئے اور زور سے جپھی ڈالی جس کی گرمی آج بھی میرے سینے میں ہے' مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ ابھی آئیں گے اور مجھے گلے لگالیں گے۔

سید تنویر شاہ

جب میں نوکری کیلئے آیا تو ضیا شاہد صاحب نے انٹرویو کے بعد مجھے نوکری کا تقررنامہ لینے کیلئے عدنان شاہد کے پاس بھیجا' میں وہاں گیا تو بہت خوش ہوا کہ روایتی ایڈیٹر کے بجائے وہاں ایک انسان دوست شخص بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے چائے پلائی اور تقررنامہ دیتے ہوئے کہا گھبرانا نہیں اچھے دن بھی آئیں گے اور تم بہت ترقی کرو گے۔ ایک اس دن مجھے اس شخص نے متاثر کیا تو دوسرا اس وقت جب ضیا شاہد اور امتنان شاہد نے مجھے ان کی گاڑی دے دی۔ عدنان شاہد مرحوم نے مجھے ٹیلی فون کر کے کہا یہ میری پسندیدہ گاڑی ہے اور مجھے اس سے بہت پیار ہے تم نے اس کو لیکر اچھا نہیں کیا تم مجھ سے میری نئی گاڑی لے لو لیکن یہ واپس کر دو۔ میں نے کہا سر جیسے آپ کا حکم لیکن یہ گاڑی مجھے ضیا شاہد صاحب اور امتنان شاہد صاحب نے دی ہے اور میں تو یہی سمجھتا تھا کہ آپ سے پوچھ کر دی ہو گی۔ بہر کیف دن گزر گئے ایک دن مجھے ملے اور کہا یار تم نے تو گاڑی کو بڑا صاف ستھرا اور پیار سے رکھا ہوا ہے' میں نے بھی اس کو بڑا صاف ستھرا اور پیار سے رکھا تھا۔ مجھے بہت اچھا لگا لیکن اب جب میں گاڑی میں بیٹھتا ہوں تو عدنان شاہد مرحوم بہت یاد آتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ اب گاڑی کے ساتھ ان کی یادیں ہی وابستہ رہیں گی اور میں یقیناً ہر روز کئی مرتبہ ان کو یاد کیا کروں گا۔

ارشد یٰسین

میں عدنان شاہد مرحوم کو عدنان بھائی کہہ کر بلاتا تھا اور یہ ان کو اچھا لگتا تھا۔ وہ

Marfat.com

پریس کلب کی سیاست اچھا نہیں سمجھتے تھے تو برا بھی نہیں۔ وہ اسلام آباد میں تھے جب میں نے پریس کلب کا الیکشن لڑا اور جیت گیا۔ جب وہ اسلام آباد سے واپس آئے تو ایک ملاقات میں انہوں نے کہا ارشد یٰسین صاحب میں آپ کو شریف انسان سمجھتا تھا' یہ آپ کس سیاست میں پڑ گئے ہیں' اب آپ گئے کام سے۔ میں نے آج تک دوستوں کے مجبور کرنے کے باوجود ان کی نصیحت کے مطابق الیکشن میں حصہ نہیں لیا۔

ایک دن میں ان کے کمرے میں گیا اور ان کو سر کہہ کر پکارا وہ فوراً میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا ارشد یٰسین صاحب! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ میں نے کہا نہیں سر ایک چیف رپورٹر کی ایڈیٹر سے کیا ناراضگی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا آج آپ نے مجھے عدنان بھائی کہہ کر نہیں پکارا سر کیوں کہا' میں آپ کا بھائی ہوں اور آپ کے منہ سے عدنان بھائی اچھا لگتا ہے۔ آج اس شخص کی کون کونسی بات کو یاد کریں' وہ ایک نہایت اچھا انسان' ایڈیٹر اور دوست بھی تھا ان کو کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔

مبشر رشید

ایک دن ''دی پوسٹ'' کی ایک تقریب آواری ہوٹل میں منعقد ہو رہی تھی' میں اور فرقان ہاشمی باہر دروازے پر کھڑے تھے کہ عدنان شاہد مرحوم آ گئے اور آتے ہی انہوں نے فرقان ہاشمی سے کہا کہ ''پان کھاؤ گے''۔ فرقان ہاشمی نے کہا ''جی سر کھا لوں گا'' وہ خود نیچے ہوٹل لابی میں گئے اور ان کیلئے پان بنوا کر لائے۔ ایک ایڈیٹر اپنے ورکر کیلئے خود پان لیکر آ رہا تھا' اتنا شفیق اور ورکر دوست ایڈیٹر اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ آج جب میں ان کو اپنے درمیان موجود نہیں پاتا تو بڑا دکھ ہوتا ہے۔

عظیم نذیر

جب 1990ء میں ضیا صاحب کی نگرانی میں پاکستان اخبار جوائن کیا تو عدنان صاحب وہاں آیا کرتے تھے اور ان سے واقفیت ہوئی۔ 1992ء میں جب ''خبریں''

Marfat.com

عدنان شاہد کے کالم "ردعمل" پر شروع کے دنوں میں چھپنے والی تصویر۔

Marfat.com

Marfat.com

جوائن کیا تو ان سے تعلقات بڑھتے گئے وہ ہمیشہ سرجی یا چاچا کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ جب وہ اسلام آباد اسٹیشن کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر تھے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ لاہور نمبر کی ایک موبائل سم آن کرلیں تو کہنے لگے کہ تم چاہتے ہو کہ تم ہر وقت مجھے تنگ کرتے رہو۔ جب بھی ان کے دفتر میں جھانکتا تو کہتے ''چاچا آجا''۔

ان کے ساتھ بھارت کے دورے پر گیا تو روزانہ صبح میرے کمرے میں آکر خبریں بنا کر ای میل کیا کرتے۔ ایک دن کوئی خبر نہیں تھی تو جس ہوٹل میں ہم ٹھہرے تھے اس کے پاس موجود قائداعظم کی سابقہ رہائش گاہ کی سٹوری بنا کر بھیج دی۔ جس دن شاہد آفریدی نے بھارت میں سنچری بنائی ہم نے وہ میچ بھارتی پریس کلب میں دیکھا اور وہاں کے لوگوں کے رویہ پر عدنان صاحب نے ایک کالم بھی لکھا۔ مرحوم عدنان شاہد صاحب روزانہ رات ساڑھے نو سے دس بجے کے درمیان میرے کمرے میں آتے ان کا مخصوص انداز تھا کہ یا تو وہ دروازے میں سے ہی کہہ دیتے کہ ''دی پوسٹ'' کی فلاں سٹوری لے لیں اور جس دن انہوں نے اپنا کالم لکھا ہوتا تو اندر آجاتے اور کہتے کہ عظیم صاحب اسے دیکھیں۔ آج بھی روزانہ ساڑھے نو بجے جب دروازہ کھلتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ عدنان صاحب کہیں گے ''چاچا کیا حال ہے''۔ ان کی وفات کے بعد اپنے اندر ایک سناٹا محسوس ہوتا ہے۔

صوفیہ بیدار

یاسمین شاہد میری بہترین دوست ہیں' ملازمت کے دوران ہم دونوں ڈی جی پی آر میں بیٹھ کر بچوں کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ میں نے عدنان کو 1992ء میں بھی دیکھا جب ضیا شاہد صاحب اپنی اولاد کے ساتھ بھی کارکنوں کی طرح کا سلوک کرتے اور انہیں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے تھے۔ عدنان بہت کم عمری میں ''خبریں'' میں شامل ہو گیا تھا اور ضیا صاحب کہا کرتے تھے کہ عدنان بہت نرم مزاج ہے میں امتنان کو کچھ سخت مزاج بناؤں گا تاکہ وہ میری طرح ہو۔ میں نے عدنان کو کئی مرتبہ گٹار بجاتے

Marfat.com

دیکھا۔ یہاں میں پنجابی کے چند اشعار عدنان کیلئے کہنا چاہتی ہوں۔

ہائے ربا! کیہہ کیتا مرا دل خالی کر سٹیا

نہ کعبہ نہ کوئی مندر میرے دل دے اندر

ہجر دا پانی اکھیاں لوئے ساڑے ست سمندر

میری دعا ہے کہ اللہ تعالی اس پر رحمت کی بارش کرے اور اسکے لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

اشرف مہتاب

میں نے ''خبریں'' سے صحافت کا آغاز کیا اور مجھے آئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ ضیا صاحب نے ایک اسائنمنٹ دی جو میں پوری نہ کر سکا جس پر چیف صاحب نے مجھے بہت ڈانٹا اور میں نے تہیہ کر لیا کہ اب کام نہیں کروں گا لیکن باہر مجھے عدنان صاحب مرحوم ملے اور کہا کہ میں ضیا صاحب کا بیٹا ہوں اور مجھے تم سے زیادہ ڈانٹ پڑتی ہے' تم ہمت مت ہارو اور کام جاری رکھو۔

رانا عظیم

آج بھی اس بات کو دل نہیں مانتا کہ عدنان صاحب ہمارے ساتھ نہیں رہے اور جس دن میں ان کی میت لانے والی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا تو مجھے ان کی شادی کا دن یاد آ رہا تھا اس روز بھی میں ان کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ تدفین کے وقت ان کا چہرہ انتہائی پر سکون محسوس ہو رہا تھا۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے کہ تم بہت موٹے ہو گئے ہو' تم نے تین مہینے کوئی کام نہیں کرنا صرف موٹاپا کم کرنا ہے اور میں امتنان صاحب کو کہوں گا کہ تمہارا موٹاپا کم کرنے کیلئے تمہیں خبریں ٹاور سے روزانہ لفٹ استعمال کیے بغیر پہلے سے آٹھویں فلور تک بھیجا کریں۔ اسلام آباد کسان ٹائم ایوارڈز کی تقریب کے دوران وہ ہمارے ساتھ ملکر کام کرتے رہے۔

Marfat.com

عامر نفیس

میں نے اپنی صحافتی زندگی میں بہت سے ایڈیٹروں کے ساتھ کام کیا ہے لیکن عدنان صاحب سے زیادہ جذبہ مجھے اور کہیں محسوس نہیں ہوا۔ وہ باس نہیں ایک ہمدرد دوست اور عظیم انسان تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے یہ احساس بڑا خوشگوار تھا کہ عدنان صاحب بیٹھے ہیں کوئی مسئلہ ہوا تو ان سے پوچھ لیں گے۔

زاہد گوگی

بطور انچارج رپورٹنگ میں نے عدنان شاہد مرحوم کے ساتھ پونے دو سال کام کیا ایک دن مجھے ان سے کسی غلطی پر بہت ڈانٹ پڑی تو میں نے ان کے نام اپنا استعفیٰ لکھ کر بھیج دیا کہ میں آپ کے ساتھ کام نہیں کرنا چاہتا۔ اس پر انہوں نے مجھے بلا کر مزید ڈانٹا اور کہا کہ اپنا استعفیٰ واپس لو' میں نے کہا کہ نہیں میں جا رہا ہوں تو کہنے لگے کہ کتنے دن بعد واپس آؤ گے۔ چند دن بعد مجھے احساس ہوا کہ جس بات پر انہوں نے ڈانٹا تھا واقعی وہ غلطی تھی۔ ایک کام میں ان کی زندگی میں کرنا چاہتا تھا کہ انہیں دوبارہ لکھوں کہ عدنان صاحب میں آپ کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں لیکن اب بہت دیر ہو گئی ہے۔

منیر بلوچ

اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور والدین کی خدمت اور ان سے اچھا سلوک کیا جائے جو شخص اپنے والدین کی خدمت اور میرے حکم پر جان دیتے ہیں وہ شہید ہوتے ہیں۔ عدنان شاہد بھی اپنے والدین کی خدمت آخری دم تک کرتے رہے اور ان کا انتقال بھی اس موقع پر ہوا جب وہ ان کے علاج کیلئے بیرون ملک تھے۔ اس لیے وہ بھی شہید کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی سعادت مندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جہاز کے ٹکٹ اور سیٹیں بھی واش روم کے قریب ہی حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کے والد ضیا شاہد کو آسانی رہے۔ عدنان شاہد کو لحد میں اتارتے ہوئے ان کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور وہ مسکرا رہے تھے۔

Marfat.com

اس کی مسکراہٹ پر لکھوں تو کس طرح لکھوں
اس کے لبوں کی جنبش کو میں کیا نام دوں
پیش جو بھی خراج عقیدت کروں
اس کی تمثیل کا' اس کے کردار کا
اس کا لہجہ حسین شبنمی شبنمی
اس مطلع طلوع سحر کی طرح
منتظر آنکھ نور نظر کی طرح
اس کے گریہ کو میں کون سا نام دوں
لفظ و معنی میرے کام آئے نہیں

میں عدنان شاہد کی بات کر رہا ہوں' اسے یاد کر رہا ہوں' آنسو ہیں کہ رکتے ہی نہیں ہیں۔ اس کی یاد ہمیشہ دلوں میں رہے گی تاہم وقت بہت بڑا مرہم ہے مگر عدنان شاہد کی یاد کا زخم ہمیشہ رستا رہے گا۔ یہ زخم کبھی مندمل نہیں ہو گا:

دل کے کونے میں چھپا رکھے تھے
نہ جانے کیسے بکھر گئے یہ آنسو

انور سمرا

اپریل 2005ء کی بات ہے کہ عدنان شاہد سے ٹیلیفون پر بات کی اور پوچھا آپ انگریزی اخبار نکال رہے ہیں۔ انہوں نے فوراً کہا آپ کہاں ہیں فوراً دفتر آجائیں۔ دفتر ملاقات کیلئے پہنچا تو عدنان صاحب کے کمرے میں اور لوگ بھی موجود تھے مجھے دیکھتے ہی کرسی سے اٹھے اور گلے لگا لیا' اس سے میرا حوصلہ بہت بلند ہوا' میں نے خبریں/نیا اخبار میں ان کے ساتھ صرف ڈیڑھ سال کام کیا تھا مگر انہوں نے مجھے اس انداز سے خوش آمدید کہا جیسے میری برسوں سے یاری ہے۔ چائے بھی پلائی اور وہاں موجود لوگوں سے کہا کہ یہ میری

Marfat.com

ٹیم کا حصہ بن سکتے ہیں۔ ایک شخص نے اعتراض کیا تو انہوں نے کہا خبر بنوالیں۔ خبر بنا کر دی تو صرف ایک غلطی تھی۔ متعلقہ صاحب نے کہا کہ ایک غلطی ہے۔ انہوں نے برجستہ کہا کہ جب آپ کو رکھا تھا تو آپ سے خبر نہیں بنوائی گئی تھی۔ انہوں نے کہا اس کی میں نے سفارش کی ہے اسے رکھ لیں اور پھر کمپیوٹر بھی میری مرضی کا مجھے الاٹ کیا گیا۔

میری شادی کا ذکر ہوا تو حمیرا بھابی بھی پاس بیٹھی تھیں مجھے کہنے لگے شادی کی ہے تو تمہارا اللہ حافظ ہے۔ نوکری کے پہلے دن عدنان صاحب نے خود فون کر کے مجھے اٹھایا اور یاد دلایا آج آپ سے میٹنگ ہے۔ عدنان صاحب سے جب بھی ملاقات ہوئی تو ہم سے پہلے وہ ہمارا حال چال پوچھتے اور ہم فیلڈ میں "دی پوسٹ" کے بجائے یہ بتاتے کہ ہم عدنان شاہد کے اخبار "دی پوسٹ" سے آئے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ مشکل خبر اور اسائنمنٹس پر ہماری حوصلہ افزائی کی۔

عاطف متین

عدنان شاہد مرحوم نفیس اور خوبصورت انسان تھے۔ ان سے ملنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ انہیں ملنے کیلئے کمرے پر دستک کی ضرورت نہیں ہوتی تھی' وہ ہر کسی سے ہر وقت مل سکتے تھے۔ وہ اردو اخبار سے آئے مگر انگریزی اخبار بھی کامیابی سے چلایا۔ وہ ورکروں سے پیار کرتے' کھانے کھلاتے تھے' ایسے انسان دنیا میں بہت کم ملتے ہیں۔

امجد شاہ

8 جنوری کو عدنان صاحب سے ملاقات ہوگئی' ملازمت کی تو وہ مجھے بڑا بھائی کہتے تھے اور حکم دے رکھا تھا کہ میرے کمرے میں مجھ سے پوچھ کر نہیں آنا سیدھے آجایا کریں۔ پہلے دن کا "دی پوسٹ" آیا تو چھوٹے بچوں کی طرح "دی پوسٹ" اٹھا کر خوشی کا اظہار کرتے رہے۔ اتنا بڑا انسان اور پیار ایڈیٹر کبھی نہیں دیکھا۔

Marfat.com

خلیل اختر

ملتان سے ''خبریں'' شروع ہوا تو مزمل اور میں عدنان شاہد کے ساتھ گئے' ان دنوں کی یادیں بھلائی نہیں جاسکتیں' میرے تقرر نامے پر ایک جملہ لکھا تھا ''خوش آمدید باباجی'' ہم نے بہت اچھا وقت گزارا ہے' اب یادیں ہیں اور انہیں یاد کر رہے ہیں۔

عبدالودود قریشی

1999ء کا دور تھا وہ میرے اسلام آباد کے ایڈیٹر تھے۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میں نے تین سالوں میں ان میں کوئی شرعی برائی نہیں دیکھی' وہ سگریٹ ضرور پیتے تھے مگر چھپا کر پیتے تھے۔ ایک بار فائرنگ میں کانسٹیبل ہلاک ہوگیا' ہم نے شہید لکھ دیا جس پر کسی نے خط لکھ دیا۔ عدنان صاحب نے کہا کہ چار روپے کی ٹکٹ لگا کر خط لکھا گیا ہے اس کی وضاحت کر دیں۔ وضاحت پر میرے اور عدنان صاحب کے خلاف مقدمہ درج ہوگیا۔ میرے ہزار منع کرنے کے باوجود عدنان صاحب ایس پی کے سامنے پیش ہوئے اور کہا کہ ودود قریشی کا کوئی قصور نہیں' میں اس کا ذمہ دار ہوں میرے خلاف کارروائی کریں۔ بعدازاں مسئلہ حل ہوگیا جس پر انہوں نے کہا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ اب کبھی خبر اور مراسلے پر کوئی پولیس والا اخبار والے کے خلاف مقدمہ درج نہیں کرے گا۔

عدنان شاہد پیسوں کے حساب کتاب کے معاملے میں بھی بڑے کھرے تھے۔ ایک مرتبہ انہیں ضرورت محسوس ہوئی تو اکاؤنٹنٹ کے پاس بھی اس وقت پیسے نہیں تھے' میں نے زبردستی دے دیئے دوسرے روز دفتر آکر سب سے پہلے مجھے رقم واپس کی' ان کا شرافت' دیانت اور امانت میں بھی زبردست کردار تھا۔

عاشر بٹ

عدنان شاہد مرحوم ایک نفیس' ہمدرد ایڈیٹر اور مخلص دوست اور سینئر تھے۔ وہ

Marfat.com

کبھی باس نہیں بنے' کرکٹ کھیلنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ وہ جب بھی اکاؤنٹ ڈیپارٹمنٹ میں آتے تو ہر کسی سے اخلاق سے بات کرتے' کبھی غصے میں بات نہیں کی' ہمیشہ پیار اور مذاق والے انداز میں بات کی۔

شیراز حسنات

''دی پوسٹ'' میں واحد رپورٹر میں ہوں جس پر عدنان شاہد مرحوم نے رسک لیا' میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں بھی انگریزی اخبار میں کام کرسکتا ہوں۔ عدنان صاحب سے دوستی بھی تھی' سگریٹ ختم ہو جاتے تو ان سے مانگ کر پی لیتے تھے۔ ایک دفعہ لائیٹر مانگا تو کافی لائیٹر سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ ان میں سے ایک لے لو بار بار تنگ نہ کرو۔ ایک بار بھوک لگی تھی پیسے بھی نہیں تھے عدنان صاحب کو معلوم ہوا تو ان کے پاس اس وقت 80 روپے ہی تھے' پرس سے نکال کر دیئے اور کہا کہ چلو ان سے آپ کا گزارہ تو ہو ہی جائے میں اوپر جا کر کھانا کھا لیتا ہوں۔ میں ان کی زندگی کا آخری کرکٹ میچ ان کے ساتھ نہیں کھیل سکا' جس کا مجھے دلی صدمہ ہے۔ عدنان صاحب آپ ہمیشہ یاد آئیں گے۔

صہیب بٹ

میری یہ پہلی نوکری ہے عدنان صاحب سے ہم نے بہت کچھ سیکھا ہے دیگر اخبارات کے لوگ بتاتے ہیں کہ ان کے ایڈیٹر سے ملنا بہت مشکل ہوتا ہے مگر ہمارے ایڈیٹر صاحب سے ملنا بہت ہی آسان تھا۔ وہ ہمدرد اور ملنسار تھے۔ وہ میرے استاد تھے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ پہلے سے زیادہ محنت کروں گا۔

ریحان قیوم

میں ضیا شاہد کا دوست اور یونیورسٹی فیلو ہوں اس لیے عدنان شاہد مرحوم کو بیٹا کہہ کر پکارتا تھا' اس نے ہمیشہ میری عزت کی وہ اپنے سے بڑے کو سر اور چھوٹے کو بیٹا

Marfat.com

کہہ کر بلاتے۔ دی پوسٹ کی لیڈی کارکنوں کو بیٹی کہتے تھے۔

راجہ ریاض

عدنان شاہد مرحوم سے میری بے تکلفی اتنی تھی کہ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ صبح دی پوسٹ جوائن کرلو ورنہ تمہیں دیکھ لوں گا۔ انہوں نے مجھے فری ہینڈ دیا اور کہا کہ آپ اپنے سیکشن کے ذمہ دار ہیں میں آپ سے پوچھوں گا۔ انہوں نے کبھی مداخلت نہیں کی' جب کسی معاملے پر میرے اور ان کے درمیان اختلاف رائے ہوتا تو وہ کہتے راشد رحمٰن (باباجی) سے پوچھ کر اس پر فیصلہ کرلیتے ہیں۔ کچھ ڈیوٹیاں مزمل سہروردی اور مجھ سے کروائیں وہ کام تقسیم کردیتے' اب ان کے جانے سے بہت سے احساسات نمودار ہوئے ہیں۔ ان سے دوستی تھی وہ لطیفے سنتے اور سناتے تھے' قہقہے مارتے' اب ان قہقہوں کی مہک نہیں ہے۔

مزمل سہروردی

عدنان شاہد مرحوم دنیا میں امن کیلئے خواہاں تھے۔ میں ان کے ساتھ جاپان گیا وہاں ہیروشیما کے عجائب گھر میں ایٹم بم کی تیاری کے مناظر دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور رات کو اپنے کمرے میں کافی دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے اور مجھے کہا کہ یار لوگ آپس میں کیوں لڑتے مرتے ہیں۔ وہ دنیا میں پائیدار امن کیلئے جدوجہد کرنے کا عزم رکھتے تھے' ان کو جاپانی بچی کی طرف سے اڑائے جانے والے امن کے کاغذی جہازوں نے بہت متاثر کیا اور انہوں نے اس بچی کو امن کیلئے پڑھی جانے والی دعا پر مبنی جاپان سے ایک کالم لکھا' ان کی وفات کے بعد میں فیصلہ نہیں کرپارہا کہ وہ میرے دوست تھے' بھائی یا باس تھے۔ میرے پاس ان کی بہت سی یادیں ہیں جو میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔

Marfat.com

2006

Marfat.com

جاپان کے دورے کے موقع پر 2004ء

Marfat.com

عدنان شاہد...... صرف 37 سال

حسن نثار

میں ''مساوات'' کا ایڈیٹر تھا جب ''خبریں'' شروع ہوا اور ضیا شاہد صاحب نے مجھے میرا وعدہ یاد دلایا کہ وہ جب اپنا اخبار شروع کریں گے' میں ان کیلئے کالم لکھوں گا۔ سچوئیشن خاصی مضحکہ خیز تھی کہ ایڈیٹری کسی اخبار کی اور کالم نگاری کسی اور اخبار کیلئے اور اخبار بھی ایک ایسے ''ورکنگ جرنلسٹ'' کا جس کے وسائل محدود اور مستقبل مخدوش تھا لیکن ایک تو وعدہ' دوسری طرف یہ چیلنج بھی تھا کہ ایک نئے اخبار کے استحکام میں اپنا حصہ ڈالا جائے...... میں نے کالم لکھا اور ''خبریں'' کے حوالے کر دیا جس کی اشاعت ''مساوات'' کو ہضم نہ ہوئی اور میں نے خود کو ''خبریں'' کیلئے وقف کر دیا۔ پھر ضیا صاحب نے ادارتی صفحہ سنبھالنے کو کہا تو میں نے چند گھنٹے روزانہ کیلئے خبریں کے دفتر جانا شروع کر دیا اور آج یہی فیصلہ مجھے لہو رلا رہا ہے کیونکہ نہ میں ''خبریں'' کے آفس جاتا' نہ عدنان شاہد کے ساتھ ملتا' نہ اس کیوٹ' سویٹ اور محنتی ہنس مکھ سے نوجوان کے ساتھ محبت ہوتی اور نہ میں آج اتنا دکھی اور سوگوار ہوتا۔

آج مجھے میرے بہت سے جونیئرز ''بابا'' کہتے ہیں۔ خوبصورت جواں سال عدنان شاہد میری زندگی میں پہلا آدمی تھا جس نے مجھے ''باباجی'' کہنا شروع کیا تو بہت

Marfat.com

اچھا لگا۔ ان دنوں عبداللہ ادیب مرحوم بھی زندہ تھے اور ''خبریں'' کو زندہ رکھنے کیلئے بطور جنرل منیجر سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ شدید مشکل محنت اور ٹینشن کا زمانہ تھا لیکن میں' عدنان اور عبداللہ ادیب کام کے ساتھ ساتھ جملے بازی میں بھی جتے رہتے۔ انہی دنوں میں نے عدنان سے کہا کہ اگر میں 42 سال کی عمر میں ہی تمہیں ''بابا'' نظر آتا ہوں تو یہ 90 سال کے عبداللہ ادیب صاحب تو ''بابائے بابگان'' جیسے خطاب کے مستحق ہیں...... عدنان کو یہ اصطلاح اتنی اچھی لگی کہ اپنا فیورٹ گٹار پھینک کر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا اور پھر اس نے عبداللہ ادیب صاحب کو ''بابائے بابگان'' کہنا شروع کر دیا۔

ادب' آداب' قرینہ' سلیقہ' رکھ رکھاؤ اور سبھاؤ اس پر ختم تھا۔ بعدازاں میں نے ''خبریں'' تو چھوڑ دیا لیکن نہ میں عدنان کو چھوڑ سکا نہ اس نے مجھے چھوڑا...... ہم جب جہاں ملتے' ارد گرد سے بے نیاز ہو جاتے اور وہ ہر ملاقات پر ہر بار مجھ سے یہ شکوہ کرتا کہ میں اس کی شادی میں کیوں نہیں آیا۔ یہ میری کمینگی تھی۔ ضیا صاحب میری ایک تقریب میں شریک نہ ہوئے تھے' جواباً میں عدنان کی شادی میں شریک نہ ہوا...... اب اسے کندھا دینے جاؤں گا حالانکہ میرے کندھوں میں اتنا دم نہیں ہے۔ عدنان کے کالم کا عنوان ''ردعمل'' تھا۔ موت زندگی کا ردعمل ہے لیکن عمل اور ردعمل میں کچھ وقت اور وقفہ تو ہونا چاہیے۔ وہ تو بہار کے جھونکے کی طرح آیا اور گزر گیا...... صرف 37 سال' صرف 37 سال۔

وارث میر مرحوم پر ان کے صاحبزادے عامر میر نے ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''صرف 48 سال''...... یہ عنوان مجھے آج تک ہانٹ کرتا ہے لیکن اب جو عنوان مجھے زندگی بھر ہانٹ کرتا رہے گا وہ ہو گا...... صرف 37 سال

Marfat.com

"کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور"

تین معصوم بچے جو یہ بھی نہیں جانتے کہ موت ان سے کیا چھین لے گئی' وہ نوعمر بچی جس نے شوہر کو الوداع کرتے وقت سوچا بھی نہ ہو گا کہ وہ اپنے قدموں پر واپس نہیں آئے گا' یاسمین بھابی جیسی مہربان ماں جو غیروں کے دکھوں میں بھی آبدیدہ رہتی تھی' وہ باپ جسے وہ "چیف صاحب" کہتا تھا' وہ بھائی جو اپنے بازو سے محروم ہو گیا اور مجھ جیسے وہ بہت سے لوگ جو اسے بہت چاہتے تھے...... سب کے سب بے بسی سے دیکھتے رہ گئے اور ان کا لاڈلا گٹارسٹ خبریں ڈھونڈتا ڈھونڈتا خود خبر بن گیا...... گیت سناتے سناتے خود گیت بن گیا' ہنستے ہنساتے سب کو رلا گیا کہ یہی زندگی ہے...... اور اگر یہی زندگی ہے تو اسے ڈر ڈر کے' سوچ سمجھ کے' دیکھ بھال کے گزارنا چاہیے۔

"لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام"

زندگی خواب میں خواب دیکھنے کے سوا کچھ بھی نہیں
زندگی ایک پل ہے اور پلوں پر گھر نہیں بنتے
زندگی کسی خس پوش کنویں کے علاوہ ہے کیا
زندگی آب رواں میں عکس سے بھی ہیچ ہے

نہ رنج رفتگاں کر رفتہ رفتہ
پہنچ جائیں گے ہم بھی کارواں تک

لیکن میرا غم کچھ اور ہے
صرف 37 سال؟

Marfat.com

بار امانت

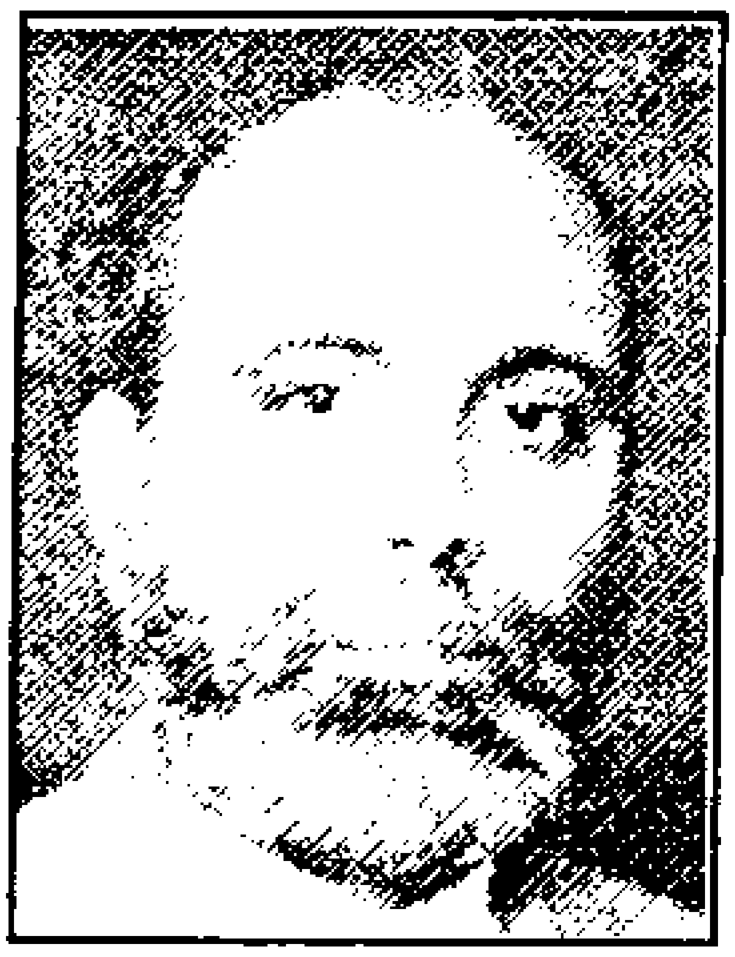

ہارون الرشید

سچی بات تو بس اتنی ہے کہ زندگی اللہ کی امانت ہے' پھر کیوں نہ امانت کی طرح سنبھالی جائے اور اس کی دیکھ ریکھ کی جائے کہ امانت تو ایک دن لوٹانی پڑتی ہے۔

خبر ایسی تھی کہ یقین ہی نہیں آیا۔ حفیظ اللہ خان نے تفصیل سے بتایا اور انہیں ایک ذمہ دار دوست نے اطلاع دی تھی۔ ناشتے کی میز پر جہاں بہت بے تکلف ماحول میں خوش گپیاں جاری تھیں' فون کی گھنٹی بجی اور یہ رنج پہنچانے والی خبر سنی۔ ضیا شاہد کے جواں سال صاحبزادے عدنان کا انتقال ہو گیا اچانک!

لاہور میں' میں عمران خان کے گھر میں تھا۔ عمران نے صبح سویرے کی بارش میں' مجھے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو حیران ہوا۔ میں نے کہا: آپ سے نہیں' میں حفیظ اللہ سے ملنے آیا ہوں۔ قدرے سنبھلا تو فقرہ چست کیا: ماشاء اللہ اتنے سویرے جاگ گئے۔ وہ تعجیل میں تھا' اپنے یار غار گولڈی کے ساتھ' پابہ رکاب گھر سے نکلتے ہوئے اس نے کہا: اچھا شام کو ملاقات ہو گی۔ عرض کیا: شام کو نہیں' پھر کسی دن' مجھے ایاز امیر کیلئے اسلام آباد پہنچنا ہے۔ وعدہ کر چکا ہوں اور ایسا وعدہ ہے کہ معذرت بھی

Marfat.com

ممکن نہیں۔ ناشتے کی میز پر گفتگو دراز ہو گئی' جیسا کہ اس طرح کی ملاقاتوں میں ہوتا ہے تب اچانک وہ خبر ملی۔ ایک لرزا دینے اور جھنجھوڑ ڈالنے والی خبر۔ حفیظ اللہ خان نے فقط یہ کہا: بس یہ ہے وہ زندگی' جس کیلئے آدمی سارے اہتمام کرتا اور سارے روگ پالتا ہے' یکایک تمام ہو جانے اور فریب دینے والی زندگی۔ باپ بیمار تھا لیکن اللہ نے بچالیا اور آنکھوں کے سامنے جواں سال فرزند رخصت ہو گیا۔

دفتر پہنچ کر ایک بار پھر یہ خیال ہوا کہ کہیں کوئی مغالطہ تو نہیں' کہیں کوئی اور تو نہیں۔ ضیا صاحب کے دفتر فون کیا تصدیق ہو گئی اور ذرا سی تفصیل بھی معلوم ہوئی جو اور بھی تکلیف دہ ثابت ہوئی۔ امریکہ میں طبی معائنے کے بعد باپ بیٹا اور والدہ لندن پہنچے اور وطن واپسی کیلئے ہوائی اڈے پر تھے۔ عدنان ٹکٹوں پر سٹکر لگوانے گیا۔ سیڑھیاں اتر رہا تھا تو قضا نے آلیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) دبلے پتلے' چھریرے سے' تازہ دم' برق رفتار نوجوان کی تصویر نگاہوں میں گھومنے لگی اور دیر تک گھومتی رہی۔ ضیا شاہد سے مدتوں کی آشنائی ہے لیکن کوئی گہرا ذاتی تعلق استوار نہ ہو سکا۔ عدنان کچھ دن اسلام آباد میں رہا اور رابطہ استوار ہو گیا۔ اس کے باوجود کہ وہ میرے بچوں کا ہم عمر تھا مگر اس خوش خصال کا تپاک اور وضع داری۔

ایک دن کہا کہ اس کی اہلیہ کو سانس کی تکلیف ہے۔ میں معالج کے پاس لے گیا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ میں نے کہا: چلو مشورے کیلئے اس درویش کے ہاں چلیں' جو گاہے الجھے ہوئے دھاگے کو آسانی سے سلجھا دیتے ہیں۔ درویش کے تصور سے ذہن ٹونے ٹوٹکے کی طرف جاتا ہے لیکن جنہیں واسطہ پڑتا ہے' وہ جانتے ہیں کہ گتھی علم اور عرفان سے سلجھتی ہے' تعویذ دھاگے سے نہیں۔

میں نے تمہید باندھی تو صاحب عرفان نے کہا: تفصیل نہ کہو کہ اس سے تناظر

Marfat.com

بگڑ تا ہے مجھے اندازہ کرنے دو' پھر فوراً ہی اضافہ کیا: محترمہ کو سانس کی تکلیف لاحق ہے۔ "علاج؟" کہا: اسلام آباد کی پوری فضا میں پولن الرجی کی لہر ہے' شہر چھوڑ دینا چاہیے۔ عدنان نے کہا: مشکل ہو گا۔ کہا: کیسی مشکل؟ مشکل تو آدمی کیلئے ہوتی ہے' اللہ کیلئے کوئی چیز مشکل نہیں۔ دعائیں لکھیں اور یقین کے ساتھ بتایا کہ اگر پابندی سے پڑھی گئیں تو چند دن میں مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہ بھی کہا کہ اس خاتون کی زندگی عمل کے میدان میں استوار ہو گی' سماجی خدمت پہ توجہ دینی چاہیے' دونوں باتیں حرف بحرف درست ثابت ہوئیں۔ نوجوان ایڈیٹر کی صدر دفتر کو ضرورت آ پڑی اور ان کی اہلیہ پنجاب اسمبلی کی ممبر منتخب ہو گئیں۔

جیسا کہ نوجوانوں کا قرینہ ہے اور اخبار نویسوں کا مزاج' عدنان نے کچھ دیر درویش سے پے در پے سوالات کیے۔ وہ عادی ہیں۔ نہایت نرمی اور انس کے ساتھ وہ جواب دیتے رہے' پھر وہ آسودہ ہو گیا' جیسے بچہ اپنے گھر میں' اپنے ماں باپ کی پناہ میں۔ اللہ جنہیں فقر' علم اور روحانیت عطا کرتا ہے' خیر خواہی اور محبت بھی بخش دیتا ہے۔ رحمت اللعالمین کی سنت رحمت سے کچھ حصہ انہیں بھی ملتا ہے۔ نوجوان آسودہ ہوا تو اپنے اور اپنے والد کے بارے میں بعض استفسار کیے۔ بعض جملے...... سوال اور جواب...... اب تک من و عن یاد ہیں۔ حیرت ہوتی رہی کہ طویل تعلق اور مشاہدے کے باوجود' جن رموز تک عامیوں کی رسائی نہیں ہوتی' وہ کس بے تکلفی کے ساتھ بیان کر رہے ہیں...... بہت دن بعد میں نے کسی اور تناظر میں سوال کیا کہ حضرت علی ہجویری کی کتاب کشف المحجوب انہوں نے کتنی بار پڑھی ہے...... کہا: میں نے پڑھی نہیں' مجھ پر بیتی ہے۔ سچ ہے' اہل علم وہ ہیں اور خوش قسمت وہی ہیں' جن کی نگاہوں کے سامنے سے حجاب اٹھا لیے گئے...... مومن وہ ہے جسے بصیرت بخشی گئی' باقی ہم ایسے ہیں جو ٹامک

Marfat.com

ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں۔ بے مثال شاعرن۔ م راشد آخری ایام میں اصرار کرتے تھے کہ زندگی میں کوئی چیز ادنیٰ ترین شے بے معنی نہیں ہوتی' کوئی چیز اتفاقاً بھی نہیں ہوتی' ہر بات' ہر منظر کے معانی ہیں' اگر کوئی غور کرے اگر کوئی غور کرنا چاہے۔

ہر موت تکلیف دہ ہوتی ہے' اچانک موت اور بھی زیادہ' پھر ایک جواں سال زندگی کا خاتمہ۔ قدرت نے جھنجھوڑنے کے سامان پیدا کیے ہیں۔ کیا وہ صدمات سے سبق سکھاتی ہے؟ یاد کراتی ہے کہ تم سب اللہ کی طرف سے آئے ہو اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ طول امل...... امیدوں کی درازی سے کچھ حاصل نہیں۔ اس شاخ پہ آشیانہ بنانے سے کیا حاصل' جسے ٹوٹ ہی جانا ہے۔ لکڑہارا کاٹے یا آندھی توڑ ڈالے' اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

مجھے اپنے عزیز اور محترم دوست انجینئر گلبدین حکمت یار یاد آئے۔ 1983ء میں امریکی صدر کے ساتھ ملاقات سے انکار کے بعد ان کی زندگی ہمیشہ خطرے میں رہی۔ نیویارک ہی میں انہیں قتل کی دھمکی مل گئی' روسیوں نے ان کے دفتر پر میزائل برسائے اور افغانستان کی کمیونسٹ حکومت الگ سے جان کی دشمن تھی۔ امریکی صحافی سے جو دھمکی دینے آیا تھا' انہوں نے کہا کہ "میں جانتا ہوں کہ ایک دن گولی میرے سر یا سینے سے ٹکرائے گی' پشاور' اسلام آباد' اندرون افغانستان یا نیویارک' اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" بائیس برس گزر گئے' حکمت یار زندہ ہیں' موت چاروں طرف سے جن کے تعاقب میں ہے اور کیسے کیسے کڑیل جوان اٹھ گئے' جو لگتا تھا ابھی جئیں گے اور زمانے پر ابھی اپنے نقوش ثابت کریں گے۔

سچی بات تو بس اتنی ہے کہ زندگی خدا کی عطا کردہ امانت ہے اور امانت لوٹانی پڑتی ہے پھر کیوں نہ اس کی دیکھ ریکھ کی جائے۔ ایک امانت کی طرح سنبھالی اور لوٹائی جائے؟ معلوم نہیں کب لوٹانی پڑے۔ (بشکریہ نوائے وقت) ☆☆

Marfat.com

حشر کو ابھی بہت دن باقی ہیں

جاوید چودھری

میں ضیا شاہد صاحب کا بچپن سے فین تھا۔ وہ بیس سال پہلے میگزین میں جمعہ بخیر کے نام سے ایک طویل کالم لکھا کرتے تھے۔ یہ ایک سوشل کالم ہوتا تھا جس کی تحریر میں صوفیانہ کشش اور ادبی مٹھاس ہوتی تھی۔ ضیا صاحب کے ساتھ ساتھ یہ کالم مختلف اخبارات کا سفر کرتا رہا۔ میں بھی بطور قاری ان کے ساتھ اخبارات تبدیل کرتا رہا۔ قارئین اور فینز کی ایک عجیب سائیکالوجی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے پسندیدہ لکھاری' مصور' اداکار اور کھلاڑی سے متعلق تمام معلومات جمع کرنے لگتے ہیں۔ میں بھی اس شوق میں مبتلا ہو گیا چنانچہ میں ضیا شاہد صاحب کے پس منظر' ان کے خاندان اور بچوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ ان دنوں مجھے معلوم ہوا ضیا صاحب کے بڑے بیٹے کا نام عدنان ہے اور وہ میرا ہم عمر ہے۔ ضیا صاحب اپنے کالموں اور تحریروں میں اس کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ میں نے 1992ء میں لاہور سے صحافت شروع کی۔ اس شعبے کا ایک نالائق کارکن تھا چنانچہ میں رولنگ سٹون بن گیا اور مختلف اخباروں میں دھکے کھاتا ہوا روزنامہ خبریں تک جا پہنچا۔ میں نے 1997ء میں محترم خلیل ملک

Marfat.com

امریکہ، 2005ء۔

Marfat.com

Marfat.com

کی سفارش پر خبریں میں کالم لکھنا شروع کیا۔ مجھے خوشنود علی خان نے خبریں سے وابستہ کیا تھا لیکن میرے تیسرے کالم کے بعد ضیا صاحب کے ساتھ میرا تعلق قائم ہو گیا اور 1998ء کے آخر میں عدنان شاہد کے ساتھ میری ملاقاتیں شروع ہو گئیں۔ 1998ء ہی وہ سال تھا جب ایک چھوٹی سی غلط فہمی کی وجہ سے ضیا شاہد صاحب نے مجھے ایک خط لکھا اور خبریں کے ساتھ میرا تعلق ختم ہو گیا۔ میں روزنامہ جنگ سے منسلک ہو گیا۔ ضیا صاحب مجھ سے دور ہو گئے لیکن عدنان شاہد قریب آ گیا۔ وہ مجھ سے مسلسل ملتا بھی رہا اور اس کے ساتھ میری ٹیلی فون پر گفتگو بھی جاری رہی لیکن میں نے اصل عدنان شاہد کو 2001ء میں ڈسکور کیا۔

2001ء میں پاکستانی صحافیوں کا ایک گروپ انٹرنیشنل وزیٹرز پروگرام پر امریکہ گیا۔ اس گروپ میں عدنان شاہد' رحیم اللہ یوسفزئی' سلیم صحافی اور میں بھی شامل تھا۔ ہم لوگوں نے امریکہ میں بے تکلفی' دوستی اور تعلق کا ایک رشتہ قائم کر لیا جو عدنان شاہد کے انتقال تک جاری رہا۔ میں نے امریکہ میں ایک ایسا عدنان شاہد دیکھا جو نہ صرف زندگی کے تمام رنگوں سے بھرپور تھا بلکہ وہ انسانیت' خدمت سے بھی لبریز تھا۔ وہ اس وقت بھی خبریں کا ایڈیٹر تھا اور ہم سب لوگ اخبارات میں معمولی کارکن تھے لیکن وہ ہمارے بیگ تک اٹھا لیتا تھا اگر ہمیں کسی وجہ سے ہوٹل کے ایک کمرے میں اکٹھا رہنا پڑ گیا' عدنان شاہد دوسروں کو بیڈ پر سلاتا تھا اور خود فرش پر سوتا تھا۔ ہم لوگ اجتماعی کھانا کھاتے تھے۔ کھانا کھانے کی یہ روایت امریکن سسٹم کہلاتی ہے۔ اس سسٹم میں دو یا دو سے زائد لوگ اکٹھا کھانا منگواتے ہیں اور آخر میں بل آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ ہم لوگ امریکہ میں تھے لہٰذا ہم لوگ امریکن سسٹم کے تحت بل دیتے تھے لیکن کھانے کے آخر میں ٹپ ہمیشہ عدنان شاہد دیتا تھا۔ عدنان

Marfat.com

نے پورے امریکہ کی ٹپ اپنے ذمہ لے لی تھی۔ بس کا ڈرائیور ہو یا کنڈیکٹر' ہوٹل کے دربان ہوں' ویٹر ہوں یا بیل بوائے' ریستوران کی ویٹریس ہوں یا پھر امریکی بھکاری ان کی ٹرے' ہیٹ اور ہاتھ پر ہمیشہ عدنان شاہد ٹپ رکھتا تھا۔ وہ کہتا تھا امریکہ 55 برس سے پاکستان کو ٹپ دے رہا ہے آج میں اس ٹپ کا بدلہ لے رہا ہوں۔ ہمارے ساتھ ہفت روزہ تکبیر کے ایڈیٹر فاروق عادل بھی تھے۔ فاروق عادل نے ایک مرتبہ غلطی سے پانچ ڈالر زائد دے دیئے۔ ویٹریس پیسے لے کر واپس آئی تو فاروق عادل نے وہ پانچ ڈالر اسے بخش دیئے اور ہماری طرف دیکھ کر بولا ''لو آج سے میں بھی عدنان شاہد ہو گیا ہوں۔'' اس دورے کے دوران ہم نے ایک دلچسپ کوڈ بھی تخلیق کیا۔ یہ کوڈ مصنف تھا۔ ہم لوگ مختلف لکھاریوں کی نفسیات پر گپ شپ کر رہے تھے۔ میں نے اسے بتایا بعض لکھاری مصنف کہلانے کے خبط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے سفر ناموں یا سوانح عمریوں میں کچھ اس طرح لکھتے ہیں جب مصنف ٹوبہ ٹیک سنگھ میں داخل ہوا تو بارش شروع ہو چکی تھی۔ یہ لوگ اپنی تصویروں کے نیچے ہمیشہ مصنف صدر ایوب خان کے ساتھ' مصنف جنرل ضیاء الحق کو اس کی مجلس شوریٰ کی خامیاں بتاتے ہوئے' قسم کے کیپشن لکھتے ہیں۔ اس نے قہقہہ لگایا۔ میں نے اسے بتایا مجھے پچھلے دنوں کسی صاحب نے اپنا سفر نامہ بھجوایا تھا۔ اس سفر نامے میں مصنف کی بے شمار تصویریں چھپی تھیں۔ ایک تصویر میں انہوں نے پانچ برس کے ایک بچے کو گود میں اٹھا رکھا تھا اور اس تصویر کے نیچے لکھا تھا مصنف آسٹریا کے سفر پر روانہ ہونے سے دو دن قبل اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ۔ عدنان شاہد نے ایک طویل قہقہہ لگایا اور اس کے بعد ہم جب بھی تصویر کھینچوانے لگتے تو عدنان شاہد کہتا ''وہ مصنف ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی چھت پر کھڑے ہیں'' اور ہم سب قہقہہ لگاتے۔ ایک

Marfat.com

روز ہم میکڈونلڈ سے نکلے تو اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں یہاں تصویر کھنچوانا چاہتا ہوں۔ میں یہ تصویر اپنی سوانح عمری میں شائع کراؤں گا اور اس کے نیچے یہ کیپشن لکھواؤں گا ''مصنف دو فش برگر کھانے کے بعد میکڈونلڈ کے سامنے ہشاش بشاش کھڑا ہے۔'' اس کے بعد مصنف ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہمارا کوڈ ورڈ ہو گیا۔ میں جب بھی اسے فون کرتا وہ فون اٹھاتا تو میں اس سے پوچھتا مصنف کیا کر رہا ہے۔ اس کا جواب عموماً اس قسم کا ہوتا مصنف اپنے بیٹے کو قلفی کھلا رہا ہے یا مصنف اپنی بیوی کے سینڈل تبدیل کرانے لبرٹی جارہا ہے یا مصنف اس وقت ریگل سینما کے سامنے کھڑا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح وہ جب بھی مجھے فون کرتا تھا تو اس کا پہلا فقرہ کچھ یوں ہوتا تھا ''کیا ایک مصنف دوسرے مصنف سے گفتگو کر سکتا ہے؟'' اور میں مغل بادشاہوں کی طرح جواب دیتا تھا ''ہاں! اجازت ہے۔'' ایک بار اس کا فون آیا کیا مصنف ایک بھوکے کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ مصنف نے فوراً حامی بھر لی۔ وہ شام اس نے میرے ساتھ گزاری' وہ ان دنوں دی پوسٹ شروع کر رہا تھا۔ وہ ضیا شاہد صاحب سے ہٹ کر اپنی الگ پہچان بنانا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی وہ کوئی چھوٹا سا پراجیکٹ شروع کرے اور اپنی محنت سے اس بیج کو درخت بنائے۔ وہ ایک ایسا اخبار نکالنا چاہتا تھا جو صرف عدنان شاہد کا اخبار ہو۔ وہ دی پوسٹ کو عدنان شاہد کا پراجیکٹ سمجھتا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کیا مصنف انگریزی میں کالم لکھے گا۔ میں نے انکار میں سر ہلا کر جواب دیا ''مصنف نے آج تک انگریزی میں خط نہیں لکھا۔'' وہ مسکرا کر بولا ''اگر ہم مصنف کا اردو کالم انگریزی میں ترجمہ کر لیں تو مصنف کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''مصنف کو تو نہیں ہوگا لیکن مصنف کے اخبار کو ضرور ہوگا۔'' میں جب ''ایکسپریس'' میں آیا تو ''خبریں'' میں ہمارے خلاف مضامین شائع ہونے لگے۔ اس

Marfat.com

نے مجھے فون کیا۔ میں نے اس سے پوچھا تم لوگوں نے مصنف کے خلاف جہاد شروع کر دیا ہے۔ اس نے قہقہہ لگایا اور ہنستے ہنستے بولا "لیکن میں مصنف کے ساتھ ہوں" اس نے مجھ سے اس تبدیلی کی وجہ پوچھی تو میں نے دیگر وجوہات کے علاوہ اسے بتایا اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جائے تو میں اس اخبار میں تمہارے لیے کالم نہیں لکھ سکتا۔ میں اپنے دوستوں کے تعزیتی کالم لکھنے کیلئے یہاں آیا ہوں۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

مجھے 10 فروری 2007ء کو عدنان شاہد کے انتقال کی خبر ملی اور 12 فروری کو میں نے اس پر خصوصی ایڈیشن دیکھا۔ اس خصوصی ایڈیشن میں اس کی تصویریں چھپی تھیں۔ وہ ہر تصویر میں مسکرا رہا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں نے اس کی تصویروں سے کہا "عدنان! تمہارے لیے مصنف اداس ہے' تم واپس آ جاؤ" لیکن عدنان شاہد واپس نہیں آیا' وہ کبھی واپس نہیں آئے گا' زندگی کی ہر سڑک ہر راستے میں ایک یوٹرن ضرور ہوتا ہے لیکن موت ایک ایسا راستہ ہے جس پر کوئی یوٹرن نہیں اور بدقسمتی سے عدنان شاہد اس موٹروے پر چڑھ گیا ہے۔ میں جب یہ کالم لکھ رہا تھا تو میں نے لکھتے لکھتے بے اختیار اس کے موبائل پر فون کر دیا' دوسری طرف سے آواز آئی "آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے' آپ تھوڑی دیر بعد کوشش کیجئے گا" میں نے سوچا یہ تھوڑی دیر کتنی ہو گی؟ معلوم ہوا یہ تھوڑی دیر سینکڑوں' ہزاروں سال پر محیط ہے کیونکہ دنیا میں بچھڑنے والے لوگ صرف حشر کے دن مل سکتے ہیں اور حشر کو ابھی بہت دن باقی ہیں۔

(بشکریہ ایکسپریس)

Marfat.com

جب احمدؐ مرسل نہ رہے، کون رہے گا؟

مجیب الرحمٰن شامی

برادر عزیز ضیا شاہد کے جواں سال بیٹے عدنان شاہد کے دل کی دھڑکن اچانک اس طرح بند ہوئی کہ اس کی خبر سن کر میرے دل کے لیے اپنی دھڑکن کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ عدنان شاہد ہمارے سامنے اس دنیا میں آیا، بڑھا، پڑھا، پھولا اور پھلا۔ وہ ایسا بیٹا تھا جسے دیکھ کر باپ خوشی اور اطمینان سے پھولے نہیں سماتا تھا۔ اس پر اتراتا تھا اور سجدہ شکر بجالاتا تھا کہ این سعادت بزور بازو نیست...... یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔

آج عدنان کو اس دنیا سے رخصت کیا جا رہا ہے تو میر انیس کے اشعار یاد آ گئے ہیں جوان بیٹے کا باپ سے رشتہ کیا ہے، اس کا غم کیا ہے، یہ دل کو کس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، اس کی منظر کشی اس سے بہتر شاید ہی کسی نے کی ہو اور پھر پرسہ بھی اس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی دے سکے کہ "جب احمدؐ مرسل نہ رہے، کون رہے گا؟

یہ چند اشعار اپنے بھائی ضیا شاہد کی نذر ہیں۔

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر

Marfat.com

صدموں میں علاج دل مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی، راح یہی، روح یہی ہے
ماں باپ کا دل غنچہ خنداں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے
آبادی کاشانہ انساں ہے اسی سے

☆☆☆

کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے
یہ وہ ہے عصاء پیر جواں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پرنور مکاں رہتا ہے جس سے
یہ وہ ہے نگیں نام ونشاں رہتا ہے جس سے
وہ در ہے قوی رشتہ جاں رہتا ہے جس سے

☆☆☆

کھوتے نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے
صولت یہی، شوکت یہی، جلال یہی ہے
سرمایہ یہی، نقد یہی، مال یہی ہے
ثروت یہی، حشمت یہی، اقبال یہی ہے
گوہر یہی، یاقوت یہی، لعل یہی ہے
دلبند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے

Marfat.com

☆☆☆

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے
خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر، قوت دل، راحت جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

☆☆☆

مالک سے بھرے گھر کے اجڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا
بہہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

☆☆☆

اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے
یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے
بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے
اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے
اک یاد الٰہی تو فراموش نہیں ہے
یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہے

☆☆☆

Marfat.com

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست ٗمروت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد' حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شام غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

☆☆☆

جو خلق میں تھے صاحب تخت وعلم تاج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنہیں باج
نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں ان کے نہیں آج
وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکندر ہے نہ وہ تاج و نگیں ہیں
دولت تو خزانے میں ہے خود زیر زمیں ہیں

☆☆☆

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ میں آسیب خزاں آ نہیں جاتا
گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

☆☆☆

Marfat.com

جنوری 2007ء میں دبئی کے وزٹ کے دوران برادر نسبتی محمد اور بچوں کے ساتھ۔

Marfat.com

بیٹی فجر اور بھتیجی صفا کے ساتھ۔

Marfat.com

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں؟
ہم سب سے جو تھے افضل واعلیٰ وہ کہاں ہیں؟
جو نور خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں؟
پیدا ہوئی جن کے لیے دنیا وہ کہاں ہیں؟
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا!
جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا؟

(بشکریہ روزنامہ پاکستان)

Marfat.com

اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

الطاف حسن قریشی

اس ابدی حقیقت کا بار بار اظہار کرنے کے باوجود کہ انسان فانی ہے ہم اپنے آپ کو لافانی سمجھے ہوئے ہیں۔ روز جنازے اٹھتے ہیں اور ہمارا قبرستانوں میں گزر بھی ہوتا ہے' لیکن ہم یہی خیال کرتے ہیں کہ خضر کی زندگی میسر ہے اور موت کا بلاوا بڑی دیر سے آئے گا۔ ہم اس گمان میں بھی اکثر مبتلا رہتے ہیں کہ زندگی کی تمام سہولتیں دستیاب ہوں' باقاعدگی سے ورزش کی جاتی رہے اور ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق میڈیکل چیک اپ ہوتا رہے' تو عمر بہت لمبی ہو سکتی ہے' اور یہ تو غربت اور افلاس ہے اور تفکرات کا ہجوم ہے جو انسان کو زندہ درگور کر دیتا ہے اور موت جلد واقع ہو جاتی ہے۔ عدنان شاہد کی اچانک وفات نے ان سبھی مفروضات کی نفی کر دی ہے اور ہماری آنکھوں پر پڑے ہوئے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ وہ ایک صحت مند 37 سالہ نوجوان تھا جسے زندگی کی جملہ آسائشیں میسر تھیں اور جو باقاعدگی سے ٹینس کھیلتا اور بڑی ذمے داری سے اپنے فرائض ادا کرتا تھا۔ اس نے اردو اور انگریزی صحافت میں بڑا نام پیدا کر لیا تھا۔ اس کے حسن اخلاق سے بہت سے لوگ متاثر تھے۔ وہ اپنے بیمار والد جناب ضیا شاہد کی چیکنگ کیلئے اپنی والدہ کے ہمراہ امریکا گئے تھے۔ واپسی پر وہ ایک روز کیلئے

Marfat.com

لندن رکے۔ ایک ٹریول ایجنسی کے دفتر میں ان کے دل نے اچانک کام کرنا بند کر دیا اور وہ نہایت خاموشی سے وفات پا کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس جواں سالہ ایڈیٹر کی ناگہانی موت نے زندگی کی بے ثباتی کا شدید احساس پیدا کیا اور لوگوں کو اس امر کی یاددہانی کرائی کہ ہمیں ہر وقت آخرت کے سفر کی فکر کرنی چاہیے۔ انسان کے ساتھ مال و دولت نہیں' اعمال جاتے ہیں جن کا حساب دینا ہوتا ہے۔ ہم عزت' شہرت اور مال و متاع کے انبار لگانے میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں اور بسااوقات ان حدود و قیود کی پروا نہیں کرتے اور دوسرے کے حقوق پر بھی شبخون مارتے رہتے ہیں۔ اس زندگی کو آخری منزل سمجھ لینے والے سفر آخرت کی تیاریوں سے غافل رہتے ہیں اور دنیا ہی میں طرح طرح کی آزمائشوں میں گھر جاتے ہیں۔ وہ شخص جو رضائے الٰہی کا طلبگار ہوتا اور اس میں سیدھے راستے پر چلتا رہتا ہے' اس تک حزن و ملال کی تپش نہیں پہنچتی' کیونکہ وہ ہر حال میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا اور اس کی رضا کو اپنی زندگی کا منتہا خیال کرتا ہے۔ اپنی اور خدا کی رضا کے درمیان فاصلہ جس قدر زیادہ ہوگا' اسی قدر غم شدید تر ہوتا جائے گا۔ بے شک عزیزی ضیا شاہد اس وقت بہت بڑے صدمے سے دوچار ہے' مگر اسے ذکر الٰہی سے بہت سکون اور اطمینان قلب حاصل ہوگا۔ ہماری دعا ہے کہ آسمان عدنان شاہد کی قبر پر شبنم افشانی کرے اور اللہ تعالٰی اسے عظیم درجات عطا فرمائے!

عزیزی ضیا شاہد نے اپنی صحافت کا آغاز ماہنامہ اردو ڈائجسٹ سے کیا تھا اور وہ ہمارے ساتھ چھ سات سال رہے تھے۔ اللہ تعالٰی نے انہیں ذہانت کے علاوہ محنت اور فرض شناسی کی خوبیاں عطا کی تھیں۔ انہوں نے آزمائش کے وقت ہمارا نہایت بہادری سے ساتھ دیا تھا پھر وہ تجربات کی بھٹیوں سے گزرتے ہوئے اپنی صحافت کی ایک ایمپائر بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا ایک دنیا سے منوایا اور

Marfat.com

صحافت کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا۔ اپنے بڑے بیٹے عدنان شاہد کی تعلیم و تربیت پر غیر معمولی توجہ دی اور اسے بھی محنت شاقہ کا عادی بنایا۔ ان کی والدہ یاسمین نے اس کی کردار سازی پر بڑی توجہ دی اور آج ایک دنیا اس کی شرافت' شائستگی اور اچھے برتاؤ کی شہادت دیتی ہے۔ وہ ہزاروں لوگوں کی دعاؤں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوا ہے اور کتنی ہی آنکھیں اس کی جدائی سے اشک بار ہیں۔ گزشتہ ایک ڈیڑھ سال میں کتنے ہی شعر و ادب کے آفتاب و ماہتاب غروب ہو گئے ہیں۔ 2006ء کے آغاز میں جناب حنیف رامے رخصت ہوئے جو ایک عظیم انسان اور ایک عظیم دانشور کے علاوہ بہت بڑے آرٹسٹ تھے۔ ابھی ان کا غم ہمیں نڈھال کیے ہوئے تھا کہ جناب احمد ندیم قاسمی مفارقت دے گئے۔ انہوں نے نصف صدی سے زیادہ تخلیقی عمل میں نئے نئے تجربے کیے۔ ادیب' شعرا اور افسانہ نگار اس امر پر ناز کرتے تھے کہ وہ احمد ندیم قاسمی کے عہد میں سانس لے رہے ہیں۔ جناب شوکت صدیقی جو ایک عظیم ناول نگار تھے' وہ بھی خاموشی سے چل بسے۔ منیر نیازی شعر و ادب کی دنیا کو ویران کر گئے۔ شریف کنجاہی جنہوں نے ایک طویل عرصے تک ادب کا چمنستان سیراب کیا' وہ بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ عام احساس یہ ہے کہ ان بلند ہستیوں کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے' وہ شاید پر نہ کیا جا سکے' کیونکہ ہمارے ہاں انسانی علومہ کی قدر و قیمت گھٹتی جا رہی ہے۔ ہمارے منصوبہ سازوں کو اس ''المیے'' کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اچھے انسانوں کے اٹھ جانے سے دل بہت اداس ہوتا ہے' مگر آنے والی نسلیں انہیں دیر تک یاد رکھتی ہیں اور ان کی شخصیت کے اچھے پہلوؤں کے تذکرے ہوتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں بحریہ ٹاؤن کے چیف ایگزیکٹو ملک ریاض حسین کے چھوٹے بھائی ملک رفعت حسین وفات پا گئے۔ ان کے اچھے اوصاف کی بازگشت سنی جا رہی ہے اور یہ آواز آ رہی ہے کہ ہمیں 'اسی' کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ☆☆

Marfat.com

ایڈی نہیں مر سکتا۔۔۔۔؟

بشریٰ رحمان

تو وہ سب کے سب بے شمار لوگ تمہاری باتیں کر رہے تھے۔ بہت بڑی بڑی باتیں' ہزاروں لوگوں کی زبان پر تمہارا تذکرہ تھا۔ تم تو بہت چھوٹے تھے ایڈی۔ پر ہر بڑا آدمی بھاگا چلا آرہا تھا۔ اس پنڈال میں اتنے آنسو بہائے گئے کہ زمین کی کوکھ شرمندہ ہوئی۔ سارے لاہور نے سوگواری کی ردا اوڑھ لی۔ پورا پاکستان تڑپنے لگا جس نے سنا کلیجہ پکڑ لیا' جس نے تمہاری تصویر دیکھی بلبلا اٹھا۔ تمہاری تصویر زندہ تھی اور مسکرا رہی تھی مگر تمہاری شریانوں میں خون منجمد ہو چکا تھا۔ تم دور بیٹھے سب دیکھ رہے تھے۔ یہ مذاق اچھا نہیں ہوتا بیٹے! ساری دنیا کو تڑپانا ٹھیک نہیں ہوتا بیٹے۔ تمہیں معلوم ہے تم اس لاہور کی شان تھے۔ یہیں پلے بڑے' جوان ہوئے' اسی گراؤنڈ میں تمہاری شادی ہوئی' تم نے سہرا باندھا اور تمہاری ماں نے نظر اتاری تم اب بھی کہتے تو وہ کشتہ دل اپنی جان کی نذر اتار دیتی۔ پر تم نے تو کسی سے کچھ بھی نہ کہا۔ کچھ نہ مانگا' مچلے نہیں...... روئے نہیں...... تقاضا نہیں کیا...... بچوں کی طرح ضد نہیں کی...... یہ کیا ادا ہے روٹھنے کی...... یہ سلیقہ تم نے کہاں سے سیکھا منہ موڑ جانے کا...... ہم نے تمہیں

Marfat.com

پردیس بھیجا تھا دور دیس نہیں بھیجا تھا۔ اس پار نہیں بھیجا تھا' نہ کچھ کہا نہ سنا۔۔۔۔ اور نہیں تو اپنے دوست کو ہی بتا دیتے۔ بشر کے ساتھ تو تم ہر بات کر لیتے تھے نا؟ ہر مسئلہ آ کے اسے بتا دیتے تھے۔ ان سردیوں کی لمبی راتوں میں تم ہمارے ہاں آ جاتے تھے۔ بشر کے کمرے میں سے اونچے اونچے قہقہوں کی آوازیں آنے لگتیں میں صبح اٹھ کر پوچھتی۔ بیٹا! ساری رات تم ہنستے رہے شور مچاتے رہے کون آیا تھا۔۔۔۔ تو بشر ہنس کر جواب دیتا۔ امی ایڈی آیا تھا۔ آپ نہیں جانتیں وہ مزے مزے کی باتیں سنا کر ہمیں ہنساتا رہتا ہے۔ تم اسے شام کو بلا لیا کرو' میں کہتی۔

وہ کہتا۔۔۔ ماں جب اسے فرصت ملتی ہے تب آتا ہے۔ سارے کام نمٹا کر فارغ ہو کے تو وہ سردی کی یخ بستہ برف میں ڈوبی ہوئی تمہاری آخری راتیں تھیں۔ جب تم بے تابی سے اپنے دوست سے ملنے آتے تھے۔ رات گئے جاتے تھے۔ تمہیں معلوم ہی نہیں تھا۔ تمہارے اردگرد سڑکیں سکڑ جاتی تھیں اور تم سے کہا کرتی تھیں۔ مسافر ذرا سنبھل کے چل۔۔۔ روز شام کو تم بیڈ منٹن کھیلنے آ جاتے تھے۔ تمہارے آنے سے پہلے بشر صحن میں سفید لکیریں ڈالنے لگ جاتا تھا۔ پھر صحن خراب کر رہے ہو' میں کہتی۔۔۔ وہ کہتا امی ایڈی آ رہا ہے بیڈ منٹن کھیلنے کے لیے۔۔۔۔ جب تک میں یہاں رہوں گا وہ آتا رہے گا۔ صحن خراب نہیں ہوتا۔

ایڈی! اب تم آ جاؤ۔ میرا سارا صحن خراب کر دو۔۔۔ اسے لکیروں سے بھر دو۔۔۔۔ مگر اپنی عمر کی لکیر بڑھوا کے آؤ بیٹے۔ راہ میں دوستوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔۔۔۔ میں نے رو رو کر بشر کو فون پر بتایا۔ وہ مانٹریال میں ہے وہ مجھ پر برس پڑا اور کہنے لگا ماں ایڈی نہیں مر سکتا۔ وہ مرنے کیلئے نہیں جینے کیلئے پیدا ہوا تھا۔ ماں وہ اعصابی طور پر بہت مضبوط تھا۔ ماں وہ بہت بہادر لڑکا تھا۔ ہم سب دوست اس پر فخر کرتے تھے۔ ماں! جب اس کا

Marfat.com

پاس آئے ڈھکن اٹھا کر دیکھنا وہ قہقہے لگاتا ہوا اٹھ بیٹھے گا۔

بیٹا جی! تم اپنے دوستوں کے گمان پر پورا اتر کر دکھاتے۔ مگر تم تو سکون سے لیٹے رہے...... تمہارے آس پاس آنسوؤں کا ایک سمندر بہتا رہا۔ ایک زمانہ روتا رہا...... اپنے پرانے سب بے تاب ہو ہو کر آئے...... کون تھا جس نے کلیجہ نہیں پکڑا ہوتھا۔ یہ منظر دیکھنے کیلئے تم چھپ گئے؟

شیخ سعدی نے کہا تھا کہ اے انسان جب تو پیدا ہوا تھا تو تو رو رہا تھا اور تمہارے اردگرد سب لوگ خوش ہو رہے تھے۔ اب تو دنیا میں کچھ ایسا کر کے جا کہ جب تو دنیا سے جا رہا ہو تو سب رو رہے ہوں اور تو ہنس رہا ہو۔! اس روز جب تمہارے ابو بیمار تھے اور ہسپتال میں تھے' میں عیادت کو گئی تو سکیورٹی والوں نے مجھے نیچے روک دیا کیونکہ کوئی بڑی شخصیت آنے والی تھی۔ تم نے اوپر سے مجھے دیکھا اور سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے چشم زدن میں نیچے آ گئے اور سکیورٹی افسر کو ڈانٹ کر کہا یہ میری آنٹی ہیں انہیں آنے دو۔ میں نے کہا اس طرح سیڑھیاں نہیں پھلانگتے بیٹا چوٹ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترا کرو۔ "کوئی آپ کے ساتھ بدتمیزی کرے اور میں خاموش رہوں یہ ہو نہیں ہو سکتا۔" تم خود مجھے اوپر لے گئے۔ یہی نہیں کسی بھی محفل میں مجھے دیکھ لیتے تو بھاگ کر آتے سلام کرتے' نشست خالی کروا کے دیتے' تم کتنے پیارے شائستہ اور دل لبھانے والے تھے۔ تمہاری پیشانی پر مسکراہٹ کا ستارہ چمکتا تھا۔ تم تو اپنے گھر کا اجالا تھے۔ تمہاری تو ہر ایک نے ستائش کی...... مجھے بتاؤ تم ایسے کیوں تھے؟ تم ایسے نہ ہوتے...... مگر تم کبھی نہ جاتے...... باپ کا فخر ماں کا چین بیوی کا قرار اور بچوں کا آسرا بن کے جیتے رہتے...... عدنان! معلوم ہے کتنے دل توڑ گئے ہو' کتنی آنکھوں کو روتا چھوڑ گئے ہو۔ اشکوں کا ایک سمندر بنا گئے ہو۔ نہ پر ہونے والا خلا چھوڑ

Marfat.com

گئے ہو۔

تم ہر پاکستانی کے دل میں بس کر گئے ہو...... تم کبھی نہ بھلائے جا سکو گے۔ تم ہر آنکھ میں زندہ ہو گے۔ تم ہر دل میں موجود رہو گے۔ پورا زمانہ تمہیں ہمیشہ یاد کرتا رہے گا...... ساری زمین ہلا کر گئے ہو۔ بیٹے عدنان! میرے آنگن میں ابھی تک تمہارے ننھے ننھے قدموں کے نشان ہیں۔ جب تم گلے میں بستہ لٹکائے بشر کے ساتھ سکول سے آتے تھے...... میں ان نشانوں پر آنسوؤں کے دیئے جلا کر رکھتی جا رہی ہوں کسی دن جب تم اپنی دل گرفتہ ماں کو ملنے آؤ اپنے شکستہ ابو کو دیکھنے آؤ، حمیرا اور بچوں کا حال زار دیکھنے آؤ تو چندا میرے آنگن میں بھی پھیرا ڈال جانا جو کہتا رہتا ہے۔

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا
کف دست ساقی چھلک پڑا
رہیں دل کی دل ہی میں حسرتیں
کہ نشان قضا نے مٹا دیا!

(بشکریہ نوائے وقت)

Marfat.com

جنوری 1997ء میں امتنان شاہد کی سالگرہ پر اہل خانہ کے ہمراہ

Marfat.com

خوشگوار موڈ میں۔

Marfat.com

موت بڑی ہے کہ انسان......!

اجمل نیازی

اس کی موت کی خبر نے میرے اندر بے خبری کی کتنی ہی کیفیتیں جگا دی ہیں۔ غم مجھے عزیز ہے۔ مجھے اپنوں کی طرح لگتا ہے مگر کبھی کبھی غم سے زیادہ غیر چیز کوئی نہیں ہوتی۔ غم آدمی کے جذبوں کی آرائش کرتا ہے اور یہ بندے کی آزمائش بھی کرتا ہے۔ منیر نیازی اپنے آخری دنوں میں اپنی جو غزل مشاعروں میں اکثر پڑھتے تھے' اس کا مطلع ہے:

غم کا وہ زور اب مرے اندر نہیں رہا
اس عمر میں میں اتنا ثمرور نہیں رہا

عدنان ہی ضیا شاہد کو لے کر انگلستان گیا تھا۔ چیک اپ کرانے والوں نے اچھی رپورٹ دی۔ عدنان کیلئے اچھی بری رپورٹ کوئی نہ تھی' اسے کیا ہوا کہ وہ مر گیا۔ ابھی اسے مرنے کا ایسا شوق بھی نہ تھا۔ اس کے اندر کسی بیماری کا زور تھا کہ بے قراری کا شوق تھا۔ مجھے اس کی موت کی خبر ایک دم ساز دوست شعیب بن عزیز نے دی۔ شعیب کے بے حد خوبصورت شعر بھی کسی خبر کی طرح ہوتے ہیں مگر وہ جانتا ہے کہ باخبر ہونے سے اہل خبر ہونا افضل ہے۔ ہمارے صحافی بھائی یہ ضرور سوچیں کہ ''خبر

Marfat.com

اور بے خبری" میں کیا فرق ہوتا ہے؟

خوب ہو گی یہ سرا دہر کی لیکن اس کا
ہم سے کیا پوچھتے ہو ہم نے ٹھہرنا کب ہے

شعیب کی بہت چھوٹی سی بچی نے اپنے والد کو یہ شعر بہت گنگناتے سن لیا تو معصومانہ حیرت سے کہا ٹھہرے ہوئے تو ہیں آپ ہمارے کمرے میں' اور کہتے ہیں ٹھہرنا کب ہے۔ یہ بے خبری کی ایسی ادا ہے جو مرتے دم تک آدمی کے اندر رہتی ہے۔ یہ حقیقت پوری طرح معلوم ہوتی ہے مگر نامعلوم رہتی ہے۔ آنے والی آوازوں میں آدمی کو کچھ اور سنائی نہیں دیتا۔ اشفاق احمد کہا کرتے تھے کہ پچاس برس کے بعد کوئی گھنٹی آدمی کے اندر بجنے لگتی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ دوسری شادی کی نوید ہے مگر اسے قبر بلا رہی ہوتی ہے۔ قبر پچاس برس سے پہلے کیوں بلانے لگتی ہے؟ آدمی عمر بھر نجانے کس کس کا انتظار کرتا رہتا ہے؟ موت بھی کسی ناگہانی مہمان کی طرح آنے والی ہوتی ہے مگر آدمی اس کا انتظار نہیں کرتا۔ یہ عجیب دھوکہ ہے جسے آدمی دھوکہ نہیں سمجھتا۔ یہ دھوکہ آدمی کے ساتھ رہتا ہے۔ اس میں دھمکی بھی ہے اور دھماکہ بھی ہے۔ دھوکہ کھانے کے بعد آدمی کی یہ بھوک کم نہیں ہوتی۔ یہی زندگی ہے اور یہی فنکاری ہے۔ عدنان بھی زندہ آدمی تھا اور فنکار آدمی تھا:

جانتے بوجھتے جس شخص نے دھوکہ کھایا
اس کے اندر کوئی فنکار چھپا بیٹھا ہے

نجانے کیوں مجھے یہ لگتا ہے کہ جب بیٹے اپنے باپ کا جنازہ لے کے جاتے ہیں تو یہ موت نہیں ہوتی' موت یہ ہوتی ہے کہ باپ اپنے جواں بیٹے کا جنازہ لے کے نکلے۔ میں موت کی خوبصورتیوں اور بدصورتیوں کے ہجوم میں پھنس کر آہ زاری نہیں کر سکتا مگر کیا کروں میں اپنے قابو میں نہیں ہوں۔ وہ مجھے اچھا لگتا تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ اپنے

Marfat.com

باپ جیسا تھا اور بہت کچھ اپنے باپ جیسا نہیں تھا۔ اس کا چہرہ سخت گیر منتظم کا نہیں تھا۔ اس نے اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو خواہ مخواہ ڈرا کے نہیں رکھا ہوا تھا' اس کا چہرہ ملائم نرم اور حیران سا تھا۔

اس کے ساتھ زیادہ ملاقات نہ تھی مگر ہر ملاقات میں وہ پہلے کی طرح ہوتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھے اچانک یہ بتا کر حیران کر دیا کہ وہ میرا شاگرد تھا۔ گورنمنٹ کالج میں میری کلاس میں تھا۔ اس کا ارادہ مجھے مزید حیران کرنے کا تھا کہ ہم بہت سے لڑکے اپنا سیکشن چھوڑ کر آپ کے سیکشن میں آگئے تھے کیونکہ آپ دوستوں کی طرح بات کرتے تھے مگر اب تم مجھ سے دوستی کا لطف کیوں چھین لینا چاہتے ہو؟ اس نے عجیب بات کی کہ اب ہم آپ کی کلاس میں نہیں۔ اب آپ کا ادب ہم پر فرض ہے۔ میں اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

عدنان کی موت کا ذکر تو میں اپنے آپ سے نہیں کر سکتا۔ اس نے نوجوانی میں مر کر میری سوچوں میں کہرام بپا کیا ہے۔ میں تو اب یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ موت کیا ہے؟ میں تو ابھی تک سوچ ہی رہا ہوں کہ زندگی کیا ہے؟ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں مگر زندگی کیلئے سوچتے ہوئے موت یاد آتی ہے' موت کا سوچتے ہوئے زندگی کیوں یاد نہیں آتی؟

میں نے پوچھا کہ زندگی کیا ہے
ہاتھ سے گر کے جام ٹوٹ گیا

عدنان نوجوان تھا۔ وہ بشریٰ رحمان کے بیٹے کی شادی پر ناچ رہا تھا۔ سب اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کی موت بھی اس کی طرح کھلنڈری تھی۔ ہر شخص اپنی موت مرتا ہے' کوئی دوسرا کسی کے جیسی موت سے ہمکنار نہیں ہوتا۔ دل نے کہا کہ موت ایسے آئے جیسے سردیوں کی گہری راتوں میں آسمان پر کوئی تارہ ٹوٹتا ہے...... جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے اور ویرانے میں کوئی اس کا ہدف نہیں ہوتا...... جیسے بارش کا پہلا قطرہ گرتا

Marfat.com

ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ پہلا قطرہ کون سا تھا؟ وہ مر گیا اور اس کے ماں باپ زندہ ہیں' اس کے استاد بھی زندہ ہیں۔ موت زندگی سے بڑا راز ہے اور راز یہ ہے کہ اس کے بارے میں علم نہیں کہ کب آ جائے۔ انسان قبرستان میں جاتا ہے' اپنوں کیلئے روتا ہے' یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے کبھی نہیں مرنا۔ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے ابھی نہیں مرنا۔ کبھی اور ابھی کے درمیان کے دو ہمسفر ہیں...... امید اور امکان...... یہ دونوں بہن بھائی ہیں۔ نہ کبھی امید ٹوٹی ہے نہ امکان ختم ہوتا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ موت بڑی ہے کہ انسان بڑا ہے!

(بشکریہ نوائے وقت)

Marfat.com

تنہائیوں کا شور تھا خالی مکان میں!

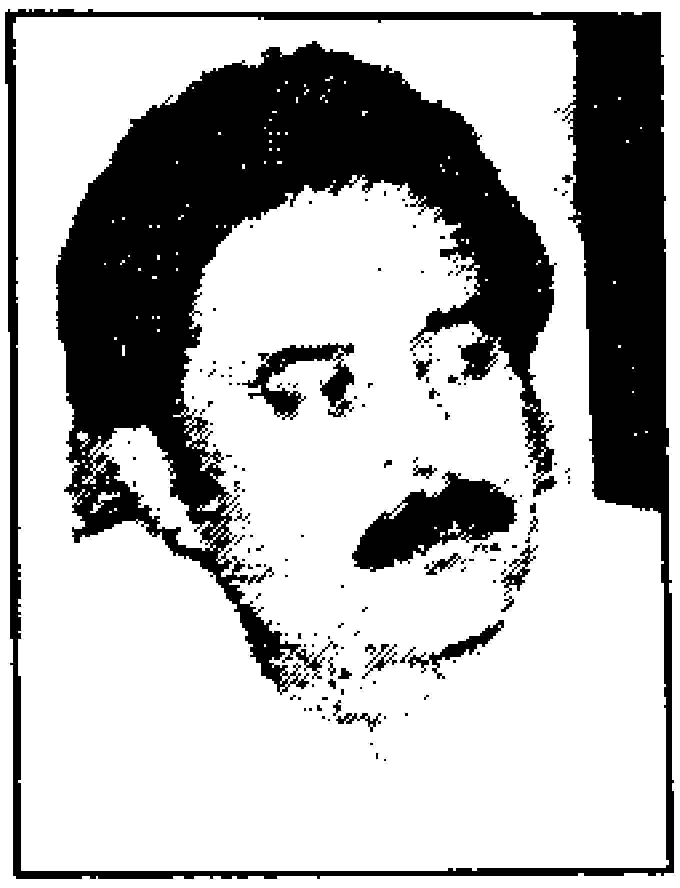

آفتاب اقبال

اپنے کسی انتہائی عزیز کے انتقال پر اس کا فون نمبر اپنے موبائل فون سے ڈیلیٹ (نکالنا) کرنا کس قدر اذیت ناک عمل ہے۔ پچھلے سال ہمیں اس اذیت سے بار بار گزرنا پڑا کہ اس میں ہمارے بیشمار دوست ہم سے جدا ہوئے۔ کہنے کو تو یہ کل پانچ سات ہی تھے مگر بچھڑنے والے تو پانچ سات بھی بیشمار ہی ہوتے ہیں۔ حنیف رامے، زیدی شاہ، ڈاکٹر محمود چودھری اور زاہد شیخ جیسے پیارے دوستوں کے فون نمبر ڈیلیٹ کرنے سے نجانے کیوں ہمارے موبائل سیٹ کی فون بک سُونی سُونی سی لگنے لگی ہے۔ ہم جیسوں کے لیے تو یہ المیہ اور بھی اذیت ناک ہوتا ہے کہ جن کی فون بک میں نئے نام قدرے مشکل سے ہی شامل ہوتے ہیں۔

پچھلے دو دن کی لگاتار بارش میں لاہور بری طرح بھیگ چکا ہے۔ بارش ہمیں ہمیشہ اچھی لگتی ہے مگر اس بار چونکہ اندر کا موسم ہی ناخوشگوار تھا اس لیے بارش بھی دیگر بہت سی چیزوں کی طرح بری ہی دکھائی دی۔ افسردگی کے عالم میں لوگ عام طور پر اپنا دل بہلانے اور جی "پر جانے" کیلئے کامیڈی فلمیں دیکھتے ہیں، ضمیر جعفری اور انور مسعود سے استفادہ کرتے ہیں یا اپنے مخولیے دوستوں کی صحبت میں کچھ وقت گزار کر

Marfat.com

اچھا محسوس کرتے ہیں مگر ہمارا معاملہ یہاں بھی بیحد مختلف ہے۔ ہمارے پاس دنیا بھر کی کامیڈی فلمیں، ٹی وی سیریل اور کتابیں منوں اور ٹنوں کے حساب سے موجود ہیں مگر ہمارا دل اس قدر منحوس واقع ہوا ہے کہ مانتا ہی نہیں۔

دو عدد دبلا کی ٹریجک فلمیں اوپر تلے پھڑکا ڈالیں مگر پھر بھی افاقہ نہ ہوا۔ چند ازلی اور ابدی ناراضگان کے ساتھ فون پر شرف ہم کلامی حاصل ہوا، مگر تشنگی بدستور موجود رہی۔ دل بے اختیار رونے کو چاہ رہا تھا مگر بات کچھ بن نہیں پائی، اندر ہی اندر محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت بری خبر، کوئی انتہائی اندوہناک بات ہم تک پہنچنا چاہ رہی ہے مگر مواصلاتی مسائل آڑے آرہے ہیں۔

ایام طفلگی، یعنی کالج کے دنوں کی ایک ستم رسیدہ سی ڈائری ہاتھ لگی، چند شعر ملے جو آج بڑے حسب حال تھے۔ ظفر اقبال صاحب کو سنیئے!

باہر گلی میں چلتے ہوئے لوگ تھم گئے
تنہائیوں کا شور تھا خالی مکان میں

اشرف سفی صاحب فرماتے ہیں!

یہ شہر چھوڑنا ہے مگر اس سے پیشتر
اس بے وفا کو ایک نظر دیکھنا بھی ہے

عدیم ہاشمی کا تو جیسے پورے کا پورا فولڈر بنا رکھا تھا ہم نے ایک مطلع جو آج ضرب المثل بن چکا ہے!

کٹ ہی گئی جدائی بھی، کب یہ ہوا کے مر گئے
تیرے بھی دن گزر گئے، میرے بھی دن گزر گئے

یہ سب کچھ پڑھ کر طبیعت ذرا سنبھلی تو شعیب بن عزیز کا فون آگیا، وہ خبر جس کی اطلاع ہماری چھٹی حس نے بہت پہلے سے دے رکھی تھی بالآخر آن پہنچی۔ یہ

Marfat.com

عدنان شاہد کے انتقال کی خبر تھی۔ عدنان شاہد ہمارے پیارے دوست ضیا شاہد کا صاحبزادہ ہونے کے ناطے تھا تو ہمارا بھتیجا، مگر ہمارے ساتھ اس کی دوستی اور محبت ضیاء صاحب کے ساتھ ہمارے تعلق کو بہت پیچھے چھوڑ چکی تھی۔ اخباری مالکان اور ایڈیٹران کی نئی کھیپ میں اسے اہم مقام حاصل تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ شاید اس کی بہت سی یادیں دل سے محو ہو جائیں مگر اس کی علم دوستی، ذہانت اور دانش پسندی کو ہم کبھی بھول نہیں پائیں گے۔ عدنان شاہد جو اپنے والد ضیا شاہد صاحب کے طبی معائنے کے سلسلے میں گزشتہ دنوں ان کے ہمراہ امریکہ گیا ہوا تھا۔ پرسوں رات ایک دن کیلئے لندن رکا، اگلے دن وطن واپسی تھی مگر موت نے مہلت نہ دی اور عدنان فقط سینتیس برس کی عمر میں اپنے پیچھے اشک رواں کی ایک نہر چھوڑ کر نجانے کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے۔ اس کا عزیز ترین دوست، اس کا کم سن بیٹا بوبو بھی کیا یاد کرے گا کہ باپ کیسا بے وفا نکلا۔

آج شدید بارش کے عین بیچ میں ہم عدنان شاہد کے گھر پہنچے تو عدنان شاہد کا برادر خورد امتنان شاہد اشک بار آنکھوں کے ساتھ لندن اپنے والد کے ساتھ فون پر بات کر رہا تھا۔ ضیا شاہد اسے قبر کے بارے میں کچھ ہدایات دے رہے تھے۔ فرطِ غم میں ڈوبا امتنان شاہد اپنے نوجوان بھائی کی قبر کے حوالے سے باپ کی ہدایات کانپتے ہاتھ کے ساتھ اپنے نوٹ پیڈ میں لکھتا چلا جا رہا تھا۔

رب کریم عدنان شاہد کے تمام عزیز و اقارب، دوستوں یاروں اور خصوصاً ہماری پیاری بہن یاسمین شاہد کو بیٹے کا غم برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

عدنان کو ہم سے بچھڑے کئی گھنٹے ہو چکے ہیں، موبائل سیٹ کی فون بک کھولتے ہی "اے" سیکشن میں اس کا نام ہر بار ہمیں دس پندرہ سال پیچھے دھکیلنے لگتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب اس کے ساتھ ہماری اس مختصر سی رفاقت کا آغاز ہوا۔ آج ہم نے کم از کم

Marfat.com

تین مرتبہ اپنے موبائل فون سے عدنان کا نام ڈیلیٹ کرنے کی کوشش کی مگر حوصلہ نہیں ہوا۔ ہمارے دل کا وہ خانہ جس میں عدنان شاہد بستا تھا آج بیحد خالی، ویران اور بے آباد ہے۔ مگر نجانے کیوں اس میں شور بھی متواتر برپا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ تنہائیوں کا شور شاید ایسا ہی ہوتا ہے!!

(بشکریہ نوائے وقت)

Marfat.com

بیٹے نوفل کے ساتھ دسمبر 2001ء

Marfat.com

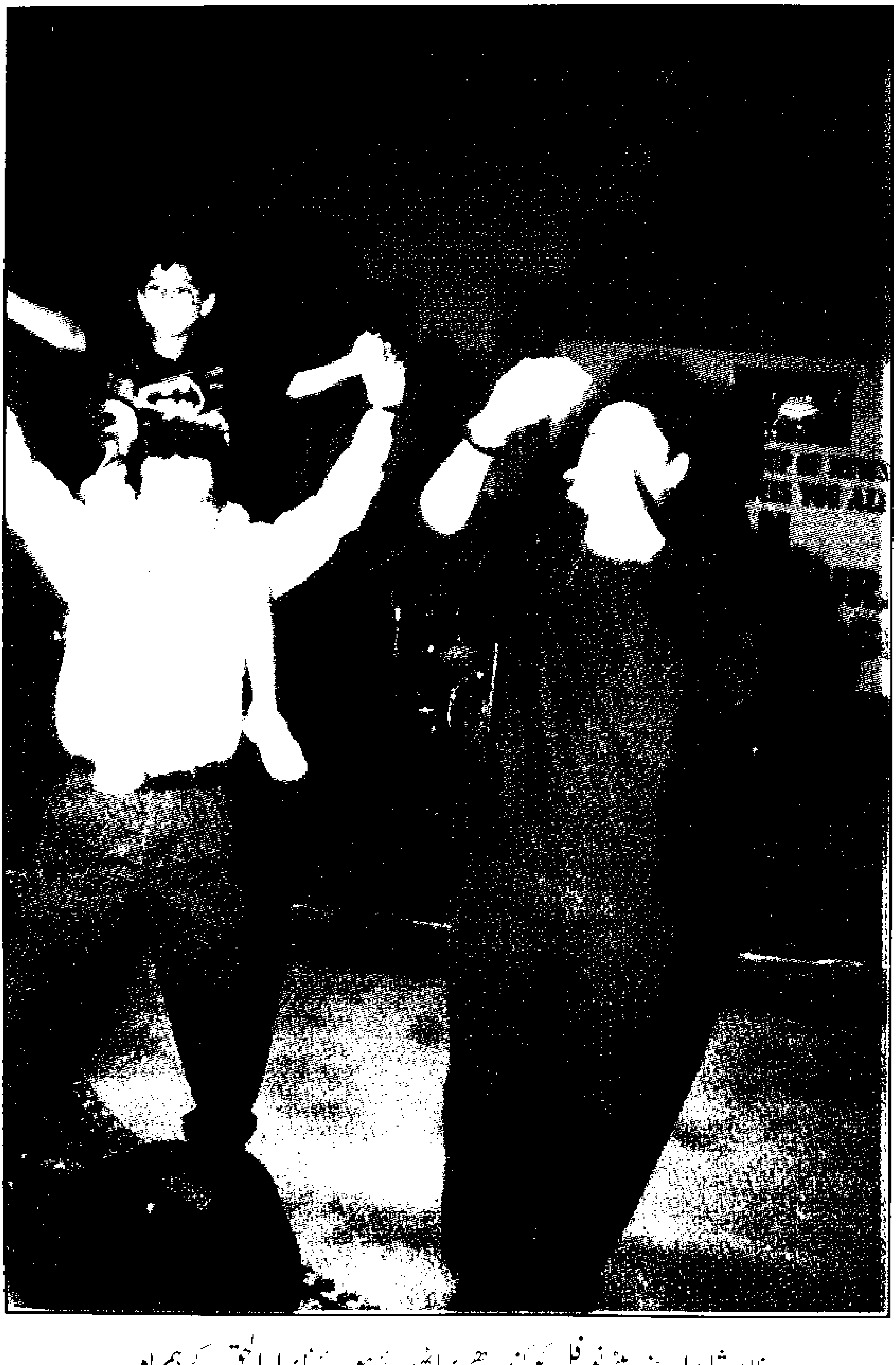

عدنان شاہد اپنے بیٹے نوفل کو کندھے پر اٹھائے ہوئے ابرارالحق کے ہمراہ۔

Marfat.com

خاک میں کیا صورتیں......!!

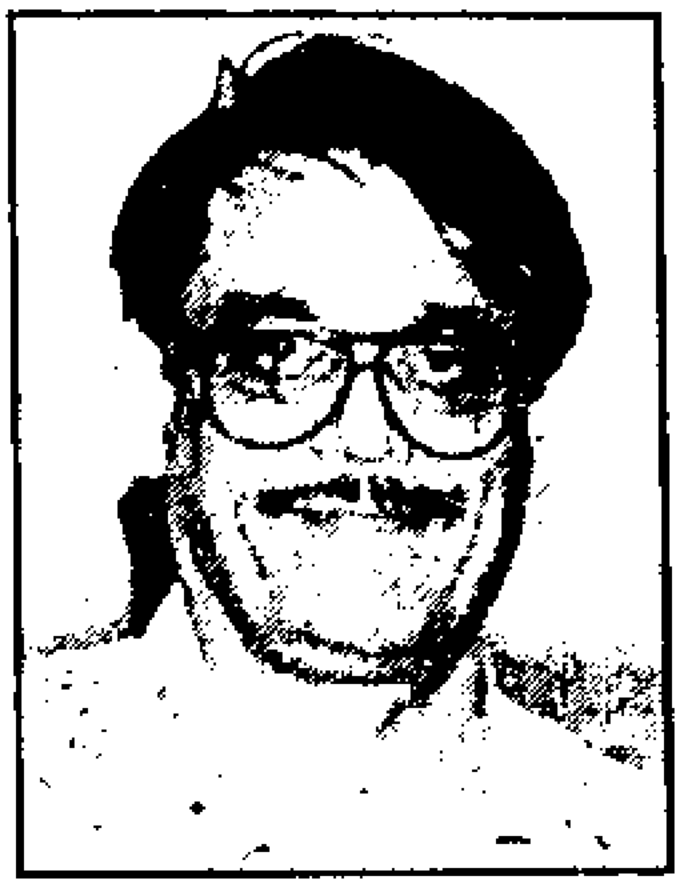

فاروق قیصر

ہوٹل رامی گیسٹ لائنز ممبئی کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی۔ فون اٹھایا تو دوسری طرف میرے بیٹے محمد علی کی آواز سنائی دی۔ السلام علیکم ابوجی! آپ کو ایک بری خبر سنانی ہے' عدنان شاہد انتقال کر گئے ہیں۔ کون انتقال کر گئے ہیں؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔ عدنان شاہد' ضیاشاہد صاحب کے بیٹے۔ علی نے روہانسی آواز میں جواب دیا۔ میرے ہاتھ سے ریسور گر گیا۔ میری بیوی نجمہ نے گھبرا کر پوچھا' کس کا فون ہے؟ کون انتقال کر گیا؟ میرا جواب نہ پا کر اس نے ریسور اٹھایا اور علی کی بات سُن کر رونے لگیں۔ یہ کیسے ہو گیا؟ عدنان تو بالکل صحتمند تھا۔ امریکہ جانے سے پہلے وہ اپنی بیوی بچوں' ضیا صاحب اور ان کی بھابی یاسمین کے ساتھ ہمارے گھر آیا تھا۔ اُسی روز دوپہر کو خبریں لاہور سے ضیا صاحب کے پی اے نے مجھے فون کر کے بتایا کہ ضیاصاحب اسلام آباد آرہے ہیں اور وہ رات کا کھانا آپ کے ساتھ کھائیں گے۔

عدنان اور حمیرا کافی دنوں کے بعد ہمارے گھر آئے تھے۔ کتنے خوش تھے وہ سب۔ انہیں خوش دیکھ کر ضیاصاحب کے چہرے پر شادابی دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے ضیاصاحب کو بیماری کے بعد پہلی بار اتنا ہشاش بشاش دیکھا تھا۔ میری بہو فاطمہ علی

Marfat.com

نے میری بیوی نجمہ کو بتایا کہ عدنان بھائی نے اُسے پہلی بار دیکھنے کے دو ہزار روپے دیئے ہیں' تو میری بیوی عدنان سے بولی' تم لوگ کھانا کھاؤ ہم لوگ آپ کے دیئے ہوئے پیسوں سے ہوٹل میں کھانا کھانے جارہے ہیں۔ عدنان ہنس کے بولا' ہوٹل میں اتنا مزیدار کھانا دو ہزار میں نہیں ملے گا۔ میری بیوی بولی' کھانا مزیدار ہوتا تو تم اتنا کم نہ کھاتے۔ ضیا صاحب مسکرا کر بولے یہ تو بس کھانے کی نری تہمت ہی ہے۔

کھانا کھانے کے بعد میں نے عدنان کے ساتھ اُس کے بچوں کی تصویریں بنائیں۔ کیا پتہ تھا کہ بچوں کے ساتھ اُس کی یہ آخری تصویریں ہوں گی۔ رخصت ہوتے وقت جب سب لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے تو میری بیوی عدنان سے بولی' چلو جلدی سے گاڑی میں بیٹھو' سردی بہت ہے۔ وہ بولا آنٹی' میں آپ سے پیار لئے بغیر کیسے رخصت ہو سکتا ہوں؟ میری بیوی نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اس کو دعائیں دے کر رخصت کیا۔ ہمارے ذہنوں میں اب تک ضیا صاحب اور ان کی بیگم یاسمین شاہد کی شفقت بھری آواز گونج رہی ہے۔ ہمارے کانوں میں ابھی تک عدنان کی بیگم حمیرا کی آواز کی بازگشت ہے کہ آپ اس بار لاہور آئیں تو ہمارے گھر میں ٹھہریں' جو میں نے اور عدنان نے خبریں ٹاور کے ٹاپ فلور پر بنایا ہے۔

ممبئی میں ہمارا قیام 17 فروری تک کا تھا۔ انٹرنیٹ پر پتہ چلا کہ عدنان شاہد کا جنازہ جمعہ کے روز اٹھایا جائے گا۔ ہم نے فوراً فون کر کے اگلی فلائٹ کا پوچھا تو معلوم ہوا کہ جمعرات 15 فروری کو پی آئی اے کی فلائٹ کراچی جارہی ہے۔ ہم نے بکنگ کرائی اور پھر کراچی پہنچ کر لاہور کی فلائٹ کا پتہ کیا لیکن لاہور کی فلائٹ پر کوئی جگہ نہیں' البتہ اسلام آباد کی فلائٹ پر دو ٹکٹیں مل جائیں گی۔ اسلام آباد پہنچ کر ایئرپورٹ پر ہی جمعہ کی فلائٹ کا پتہ کیا تو بتایا گیا کہ ایک بجے والی فلائٹ میں صرف دو ٹکٹیں بچی ہیں۔ اگلے دن ہم بجھے دلوں سے ایئرپورٹ روانہ ہوئے۔

Marfat.com

جہاز چالیس منٹ تاخیر سے روانہ ہوا اور دو بجکر چالیس منٹ پر لاہور لینڈ کر گیا۔ ماڈل ٹاؤن پہنچے تو تین بجکر دس منٹ ہو چکے تھے۔ جگہ جگہ جنازے میں شریک وی آئی پیز کی حفاظت کے لئے پولیس کا ناکہ لگا ہوا تھا۔ پولیس والوں نے ہمیں روک کر بتایا کہ نماز جنازہ ٹھیک تین بجے ادا کر دی گئی تھی اور اب جنازہ قبرستان کی طرف جا رہا ہے۔

قبرستان کے راستے میں دس بارہ ہزار لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ ہر شخص جنازے کو کاندھا دینے کیلئے بیتاب تھا۔ ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے عدنان کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا اور وہ لوگ بھی جو خبریں اخبار کو چھوڑ چکے تھے۔ سب کے چہروں پر اداسی کے گہرے سائے یوں پھیلے ہوئے تھے جیسے سورج ڈھلنے کے وقت زمین پر پھیل جاتے ہیں۔ سڑک کے اردگرد درختوں کی شاخیں غم سے بوجھل، سرنگوں تھیں۔ فضا میں ایک سناٹا تھا' ایک سکوت تھا' جو گاہے گاہے کلمہ شہادت کی آواز سے بیدار ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے پرندے آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے ہوں کہ یہ کس کا جنازہ ہے؟ یہ لوگ کسے دفنانے جا رہے ہیں؟

جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ یہ عدنان شاہد کا جنازہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ تو ایک ہنس مکھ اور زندہ دل انسان تھا۔ وہ جس سے ہر کوئی پیار کرتا تھا وہ ہم سے کیوں روٹھ گیا؟ وہ جو اپنے بچوں سے ویسے ہی ٹوٹ کو پیار کرتا تھا جیسا پیار اُسے اپنے باپ سے ملا تھا۔ وہ اپنی ماں کو کیسے چھوڑ گیا' جس کے پیار بھرے آنچل میں اُس کا بچپن گزرا۔ اُس کی لوریوں میں اُس نے پیارے پیارے خواب دیکھے۔ وہ اپنی شریک حیات کو کیوں اکیلا چھوڑ گیا' جس کے ساتھ اُس نے جیون بھر ساتھ نبھانے کے وعدے کئے تھے۔ اس کا ننھا بیٹا نوفل اب صبح کس سے اپنا منہ دھلوائے گا' کس کی پیار بھری آواز سُن کر وہ سکول جانے کیلئے اٹھا کرے گا؟ اُس کی

Marfat.com

ننھی بیٹیاں کس کو ابو کہہ کر اُس کا ماتھا چوما کریں گی؟ وہ کیوں اُس باپ کو ہمیشہ کیلئے غمزدہ کر گیا جس نے بیماری پر ابھی پوری طرح فتح نہیں پائی۔

جنازے کو سب قبر میں اتار کر عدنان کی بخشش کی دعا کر رہے تھے اور میرے لبوں پر یہی دعا تھی کہ اے اللہ تو اپنے کرم سے عدنان کے والدین کو لمبی عمر دینا کہ انہوں نے اب عدنان کے بچوں کی بھی پرورش کرنی ہے۔ اے اللہ تو عدنان کی بیگم کو حوصلہ اور صبر عطا کرنا کہ جس نے عدنان کے بچوں کو باپ کا پیار بھی دینا ہے۔ اے اللہ تو امتنان شاہد کو ہمت اور قوت عطا کرنا کہ جس کے کاندھوں پر پورے خاندان کی ذمہ داری کا بوجھ آن پڑا ہے۔

قبرستان سے واپس آکر لوگ امتنان سے گلے مل رہے تھے۔ کچھ لوگ اُسے اپنا وزیٹنگ کارڈ بھی تھما رہے تھے کہ اُسے یاد رہے' وہ اُس کے بھائی کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔ کرسیوں پر بیٹھے کچھ لوگ سیاسی بحث بھی کر رہے تھے اور کچھ لوگ ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے کہ ان کی اتنے عرصے بعد ملاقات تو ہوئی۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ عدنان اُن کو بہت پیارا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ عدنان اللہ کو بہت پیارا تھا اور جن لوگوں سے اللہ پیار کرتا ہے وہ انہیں ایسے ہی اپنے پاس بلالیتا ہے۔ بقول غالب:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

"وہ لوٹ آیا ہے"

راجہ انور

عدنان کا یوں منہ پھیر کر چل دینا ایک ناقابل یقین واقعہ بھی ہے اور ناقابل برداشت سانحہ بھی۔ میں نے یہ خبر سنی تو جسم جیسے سُن ہو گیا اور دماغ ماؤف۔ قلم میں اظہار کی قدرت رہی اور نہ زبان میں گفتار کی سکت۔ الفاظ اندھے' گونگے اور بے معانی سے لگے۔ میں ملک سے باہر تھا' بھاگم بھاگ واپس پلٹا' ضیا شاہد کی رہائش گاہ کے باہر ماتمی خیمہ دیکھ کر ہی سسکیاں نکل گئیں' بدنصیبی کی انتہا دیکھئے کہ جس بچے کو کبھی کندھوں پر بٹھایا اور ہاتھوں سے کھلایا تھا' آج اسی کے جنازے کو کندھا دینا پڑا۔ جس گراؤنڈ میں اس کے سر پر سہرا سجا دیکھا تھا آج وہیں اسے کفن میں لپٹا پایا۔ جس میدان میں اس کی شادی پر شادیانے بجے اور نغمے گونجے تھے' عین وہیں اس کا جنازہ پڑھا۔ حد یہ کہ مولانا حافظ عبدالرحمٰن اشرفی نے ہی اس کا نکاح باندھا تھا اور انہی نے اس جوانِ خوش رو' خوش رفتار اور خوش پوش کا جنازہ بھی پڑھایا۔ اس کی شادی کے موقع پر ضیا شاہد' اعظم سہروردی اور میں قہقہے لگاتے ہوئے یہاں سے لوٹے تھے' آج برادرم ضیا شاہد کرسی پر ہے اور ہم سب کی آنکھیں آنسوؤں کے سیلاب میں مندھی ہیں' کوئی چہرہ سجھائی نہیں دیتا' کچھ دکھائی نہیں پڑتا۔

Marfat.com

عدنان سے میرا ''یارانہ'' بہت گہرا تھا' تب وہ سوا سال کا بچہ ہوگا۔ پھر اس کا دوسرا بھائی بھی پیدا ہوا' یوں یہ گلشن آباد ہو گیا' اس زمانے میں ضیا شاہد کی رہائش گاہ ملتان روڈ پر واقع تھی۔ یہیں سے ہفت روزہ ''کہانی'' نکلا کرتا تھا۔ گلزار آفاقی کے بعد میں نے ''کہانی'' کی ادارت سنبھالی (ضیا شاہد اس کے چیف ایڈیٹر تھے) ہمیں علیم چوہدری اور منظور ایسے ساتھی میسر تھے' وہ غربت کا زمانہ تھا' ہماری کل کائنات ایک عدد ٹوٹا پھوٹا سکوٹر اور ایک از کار رفتہ پریس پر مشتمل تھی۔

عدنان جونہی مجھے فارغ پاتا فوراً بانہیں پھیلا دیا کرتا کہ میں اسے کندھوں پر بٹھاؤں' یوں تو تینوں بچے ہی پیارے تھے مگر وہ مجھے سب سے اچھا لگتا تھا۔ بھابھی یاسمین جب کبھی کھانا پکاتیں' مجھے آواز دیتیں ''ذرا اپنے لاڈلے بھتیجے کو سنبھالنا۔'' اور وہ ہمک کر میرے پاس آ جایا کرتا' وہ بہت نرم خو بھی تھا اور دھیرج رکھنے والا بچہ بھی۔ وہ جوان ہو گیا تب بھی اس کے ادب احترام اور محبت بھرے رویئے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

چند سال پہلے اس کا ایک انتہائی خوفناک ایکسیڈنٹ ہو گیا' کئی دنوں تک وہ موت سے پنجہ آزمار ہا' یہ کوئی معجزہ تھا کہ وہ اس جان لیوا حادثے سے زندہ بچ نکلا' مگر جب اس نے جانے کا قصد باندھا تو وہ اپنے قدموں پر چل کر قبر کی آغوش میں جا لیٹا۔ نہ بیمار ہوا اور نہ ہسپتال پہنچا' بس اچانک کچھ کہے یا بتائے بغیر خاموشی کے ساتھ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

جب اس نے ''دی پوسٹ'' کی بنیاد رکھی تو مجھے کہا ''آپ میرے اخبار میں لکھیں۔'' میں نے کہا ''عدنان میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور لکھنا تمہارے باپ کے ساتھ۔'' وہ ادب سے چُپ ہو گیا' کسی کو یہ یقین نہ تھا کہ یہ نحیف و نزار نوجوان ثقہ بند انگریزی اخبارات کے مقابلے میں اپنا وجود منوا پائے گا مگر اس نے یہ معجزہ بھی کر دکھایا' ہتھیلی پر سرسوں جمانا تو محض ایک محاورہ ہے..... اس نے عملاً اتنا بڑا اخبار جما

Marfat.com

دکھایا' ایک چھوٹی سی زندگی میں کئی جیون جی گیا' کئی معرکے مار گیا۔

ضیا شاہد کی حالت ناگفتہ بہ تھی' ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا تو فقط آنسوؤں کی زبان میں گفتگو کی کہ نہ کچھ کہنے کو بچا تھا اور نہ سننے یا سنانے کو۔ یاسمین بھابھی سے ملا تو وہ روتے ہوئے بار بار کہتی رہیں "تمہیں بہت اچھا لگا کرتا تھا عدنان' دیکھو وہ چلا گیا' تم کہتے تھے بہت مانتا ہے' بہت سنتا ہے' کب سنی اس نے میری بات' سو بار کہا' ایک بار اٹھو عدنان' صرف ایک بار پھر سے اُٹھ بیٹھ میرے بچے' صرف ایک بار میری طرف دیکھ لے' لیکن اس نے میری کوئی بات نہیں سنی' نہیں مانی' دیکھو وہ نہیں اٹھا' وہ نہیں اٹھا......"

جب اسے قبر میں اتار کر میں واپس چلا تو مجھے اچانک محسوس ہوا کہ وہ مرا نہیں' اس کی یاد ہمارے دِلوں میں ہمیشہ چراغ کی مانند روشن رہے گی' وہ اپنے تین معصوم بچوں کے روپ میں ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گا" "دی پوسٹ" کی پیشانی پر اس کا نام ہمیشہ جگمگاتا رہے گا' وہ اپنے بچوں کے وجود میں پھر سے جواں ہو گا' وہ پھر سے اپنے سارے ادھورے کام پورے کرے گا' میں نے اپنے دِل ہی میں بھابھی سے کہا "آنکھیں پونچھ ڈالو بھابھی! دیکھو تو عدنان اپنے بچوں کی صورت میں آپ کے سامنے کھیل رہا ہے' وہ اٹھ بیٹھا ہے...... وہ آپ کی طرف دیکھ رہا ہے...... وہ لوٹ آیا ہے۔"

Marfat.com

ایک نجیب نوجوان کی رخصتی

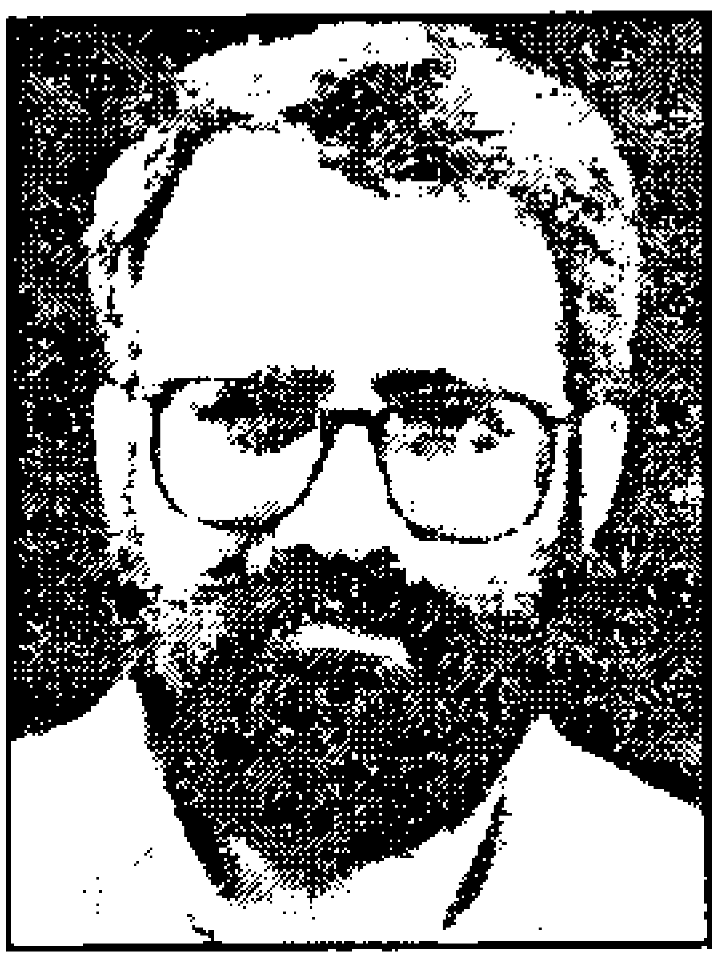

خالد مسعود خان

دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے ناقابل اعتبار ہونے پر یقین رکھنے کے ہمارے دعوؤں کی حیثیت روزمرہ کی عام گفتگو سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور ہم عملی طور پر دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے ناقابل بھروسہ ہونے پر یقین رکھنے کا کوئی مظاہرہ نہیں کرتے۔ ہم اپنے زبانی اقرار کے باوجود ''بلھے شاہ اساں مرنا ناہیں گور پیا کوئی ہور'' (بھلے شاہ! ہم نے مرنا نہیں ہے 'قبر میں تو کوئی اور ہے) کی عملی تفسیر بنے رہتے ہیں لیکن بعض لوگوں کی رخصتی ہمیں اس شدت سے جھنجھوڑتی ہے کہ ہم دنیا سے اپنی تمام تر محبت اور آخرت سے چشم پوشی کے باوجود اس دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی ناپائیداری پر یقین لے آتے ہیں۔ عدنان شاہد کی رخصتی ایک ایسے ہی شخص کی رخصتی ہے۔

میں تین چار دن تک تو نہ صرف یہ کہ اس صدمے سے ہی نہ نکل سکا بلکہ باوجود لاکھ کوشش کے خود میں یہ ہمت بھی پیدا نہ کر سکا کہ اپنے محسن ضیا شاہد سے اس صدمے پر تعزیت ہی کر سکوں۔ بارہا فون اٹھایا مگر پھر رکھ دیا کہ مجھے وہ الفاظ ہی نہ سوجھ سکے جن سے میں بات کا آغاز کرتا۔ مجھے اپنے والد کے الفاظ اپنے کانوں میں گونجتے محسوس ہوئے جو انہوں نے اپنے جواں سال بیٹے اور میرے بڑے بھائی طارق محمود خان کی وفات پر

Marfat.com

آخری دنوں میں عدنان شاہد کے کالم "ردعمل" پر چھپنے والی تصویر۔

Marfat.com

برسلز فروری 2006ء

Marfat.com

کہے تھے کہ کسی شخص کیلئے دنیا میں اس سے بڑھ کر غم اور صدمہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے بوڑھے کندھوں پر اپنے جوان بیٹے کی لاش کو اٹھائے۔ ضیا شاہد کے دکھ کو بھلا کون بانٹ سکتا تھا اور کوئی کیسے کم کر سکتا تھا؟ پھر سوچا کہ امتنان شاہد سے تعزیت کروں مگر میں تو خود اس تجربے سے گزر چکا ہوں۔ ایک ہی بھائی ہو اور وہ بھی دوستوں جیسا بھائی ہو تو بھلا اس کی رخصتی پر حرفِ تسلی جیسی کوئی بات اپنے آپ میں کا اثر رکھتی ہے۔ ایسے موقعوں پر الفاظ اپنی تمام تر تاثیر کے باوجود بے معنی ہو جاتے ہیں۔

میں نے عدنان شاہد کو پہلی بار کب دیکھا؟ یاد کا خانہ بغیر کسی کنفیوژن کے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں کھلا۔ روزنامہ خبریں نے اپنی سالگرہ کے پروگرام میں مجھے اور بابا عبیر ابوذری کو لاہور بلایا تھا۔ یہ فنکشن قذافی سٹیڈیم میں الحمرا اوپن ایئر تھیٹر میں تھا۔ تب "خبریں" کا دفتر صفانوالہ چوک کے قریب روزنامہ جسارت کے سابقہ آفس والی جگہ پر تھا۔ میں وہاں پہنچا کیونکہ ہمیں وہاں سے الحمراء تھیٹر جانا تھا۔ دفتر سے روانہ ہوئے تو مجھے ایک لمبی چوڑی مرسڈیز کار میں بٹھایا گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک کم عمر لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے گمان ہوا کہ اس نوعمر لڑکے کے پاس تو شاید ڈرائیونگ لائسنس بھی نہیں ہو گا۔ وہ اتنا ہی کم عمر لگ رہا تھا لیکن مجھے خوف اس قانونی نکتے کا نہ تھا بلکہ خوف اس بات کا تھا کہ کیا یہ چھوٹا سا لڑکا اتنی بڑی گاڑی باحفاظت قذافی سٹیڈیم تک لے جا پائے گا؟ دفتر سے نکل کر تنگ سی گلی میں حسب معمول موجود بے ہنگم ٹریفک میں سے اس لڑکے نے گاڑی اتنے اعتماد اور مہارت سے نکالی کہ میرے دل سے یہ خوف سفر کے بالکل آغاز میں ہی ختم ہو گیا۔ راستے میں باتوں ہی باتوں میں پتہ چلا کہ یہ عدنان شاہد ہے۔ الحمراء پہنچ کر گاڑی سے اترنے سے پہلے میں نے ازراہ مذاق عدنان شاہد سے پوچھا کہ کیا اس کے پاس ڈرائیونگ لائسنس ہے؟ جواباً وہ زور سے ہنسا اور کہنے لگا سر جی! میرا ڈرائیونگ لائسنس بنے کئی سال ہو گئے ہیں۔ مجھے یہ تو یقین آ گیا کہ اس

Marfat.com

لڑکے کے پاس ڈرائیونگ لائسنس ہے مگر یہ یقین تب بھی نہ آیا کہ اس کے پاس یہ لائسنس گزشتہ کئی سال سے ہوگا' وہ لگتا ہی اتنا کم عمر تھا۔

میں نے کالم نگاری کا آغاز روزنامہ خبریں سے کیا تاہم حقیقت یہ ہے کہ کالم میں نے لکھنا شروع نہیں کیا تھا بلکہ کالم مجھ سے لکھوانا شروع کیا گیا تھا اور یہ کام ضیا شاہد صاحب کا تھا وگرنہ میں تو محض مزاحیہ شاعر تھا۔ ضیا شاہد صاحب نے پہلے پہل مجھے کالم لکھنے کا مشورہ دیا۔ پھر کالم لکھنے پر زور دیا اور بالآخر انہوں نے اپنے اخبار کے ادارتی صفحے پر میری تحریر شائع کر کے مجھے کالم نگاروں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ ضیا شاہد نے مجھ سے کچھ کہے بغیر میری تربیت کی' مجھے لکھنے کے Tips بتائے اور اس سے بڑھ کر مجھے عملی طور پر یہ سمجھایا کہ کیا لکھنا ہے اور کیا نہیں لکھنا۔

سچ تو یہ ہے کہ کالم نگاری کا بنیادی نکتہ ہی یہی ہے کہ کیا نہیں لکھنا اور میں نے یہ نکتہ ضیا شاہد سے سیکھا۔ ضیا شاہد میرے استاد بھی ہیں اور محسن بھی۔ عدنان شاہد اس لحاظ سے میرے محسن کا بیٹا تھا لیکن میرے اور اس کے درمیان اس سے علاوہ بھی ایک تعلق تھا اور وہ احترام اور محبت کا تعلق تھا۔

عدنان شاہد جیسا مؤدب اور تمیز دار نوجوان میری نظروں سے کم ہی گزرا ہوگا۔ سر جی! اس کا محض تکیہ کلام نہ تھا کیونکہ وہ یہ لفظ استعمال کرنے کے علاوہ بھی احترام کی تمام تر حدوں سے واقف بھی تھا اور ان پر عمل پیرا بھی تھا۔ میں جب بھی اس سے ملنے جاتا تو واپسی پر اس کے اخلاق' محبت' اور احترام کے بارے میں پہلے سے بھی بڑھ کر قائل ہو جاتا۔ وہ ایسے لوگوں میں سے تھا جو کسی کو پہلی ملاقات میں گرویدہ کر لیتے ہیں لیکن یہ کوئی خاص کمال یا وصف نہ تھا۔ زندگی میں بے شمار لوگ ایسے ملتے ہیں آپ کو پہلی ملاقات میں گرویدہ کر لیتے ہیں مگر وہ لوگوں کو ایسی نایاب قسم سے تھا جو ہر ملاقات پر اپنا تاثر دوچند کرتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

وہ صرف ''چیف صاحب'' سے ڈرتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ چیف صاحب سے بھی محض اس لئے ڈرتا تھا کہ چیف صاحب اس کے والد تھے اور والد سے ڈرنا اس احترام کا لازمی حصہ سمجھتا تھا جو وہ ضیا شاہد کا کرتا تھا۔ خبریں میں تقریباً آٹھ سال تک کالم لکھنے کے دوران کئی بار ایسے حالات پیدا ہوئے کہ مجھے بحیثیت کالم نگار بند گلی کا سامنا کرنا پڑا اور اس بند گلی سے نکلنے کیلئے میں نے ادارے میں صرف عدنان شاہد پر بھروسہ کیا۔ محترم ضیا شاہد سے تمام تر تعلق' محبت' احترام اور ادب کے باوجود کئی بار میں نے عدنان شاہد کو اپنا حال سنایا اور ہم دونوں نے ملکر اس صورتحال کا حل نکالا۔ میں اپنی ٹیڑھی طبیعت کی وجہ سے بعض اوقات ضیا شاہد صاحب سے براہ راست آمنا سامنا کرنے سے بچتا تھا۔ ایسے موقع پر عدنان شاہد میرا واحد رازدار اور مددگار ہوتا تھا۔ ہمارے اس تعلق کی ''چیف صاحب'' کو بھی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ میری بات سن کر کہتا کہ سر جی! آپ فکر نہ کریں' اس کا کچھ حل نکالیں گے۔ مگر اس بات کی چیف صاحب کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔ صرف ایک بار ایسا ہوا کہ عدنان شاہد نے مجھے یہ جملہ نہ کہا مگر انکار میں بھی ایسا سلیقہ تھا کہ ادب اور احترام اس انکار پر غالب رہا۔

عدنان شاہد کی رخصتی پر دکھ صرف یہ نہیں کہ وہ میرے محسن کا بیٹا تھا بلکہ دکھ یہ بھی ہے پاکستان کی صحافت ایک نجیب نوجوان سے محروم ہوگئی ہے۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں ہو پا رہا کہ میرا عدنان شاہد سے کیا تعلق تھا۔ وہ میرے مربی اور استاد کا بیٹا تھا۔ وہ میرے بڑے بھائی ضیا شاہد کا بیٹا تھا۔ وہ میرا بھتیجا بھی تھا' چھوٹا بھائی بھی تھا' دوست بھی تھا اور رازدار بھی تھا۔ میں ان تمام رشتوں میں سے سب سے مضبوط تعلق تلاش کرنا چاہوں بھی تو میرے لئے کسی ایک تعلق کا انتخاب شاید ناممکن ہے۔ حقیقت تو ہے کہ میرے اور اس کے درمیان ان تمام رشتوں سے ماورا تھا۔ ایک ایسا تعلق کا انتخاب شاید ناممکن ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میرے اور اس کے درمیان ان تمام رشتوں سے

Marfat.com

ماورا ایک ایسا تعلق تھا جسے شاید کوئی نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ میں اس تعلق کو صرف محسوس کر سکتا ہوں مگر اس بارے کچھ بھی نہیں جانتا اور صرف اس تعلق کا ہی کیا میں تو عدنان شاہد کے بارے میں بھی کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے تو اخبار پڑھ کر پتہ چلا کہ اس کم عمر لڑکے کی عمر سینتیس سال تھی۔

اس کے ساتھ پہلے سفر اور اس کے سفر آخرت کے درمیان گو کہ ایک عشرے سے زیادہ مدت حائل ہے مگر مجھے یوں لگتا ہے کہ شاید یہ کل کی بات ہے کہ ایک کم عمر نوجوان الحمرا اوپن ایئر کے باہر کھڑی مرسڈیز کی ڈرائیونگ سیٹ سے سر موڑ کر زور سے ہنسا اور کہنے لگا سر جی! میرا ڈرائیونگ لائسنس بنے کئی سال ہو گئے ہیں۔

(زیر نظر کتاب کے لیے خصوصی تحریر)

Marfat.com

اولاد کے جنازے اٹھانے والے والدین کا دکھ

اطہر مسعود

کتنی مشکل ہے زندگی کس قدر آساں ہے موت
قلزم ہستی میں مانند نسیم' ارزاں ہے موت

دنیا کی روایت اور ریت ہے کہ اولاد اپنے والدین کے جنازے اٹھاتی ہے لیکن اولاد کا جنازہ اٹھانا کس قدر مشکل ہے اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ عام انسانوں کا تو ذکر ہی کیا اس مشکل مرحلہ میں تو نبیوں کی بھی چیخیں نکل گئیں...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیمؑ بیمار تھے۔ مسجد نبوی میں کسی نے آکر بتایا کہ بیٹے کی حالت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ نبی اکرمؐ کہ آپؐ کی چال خرام بلکہ مخرام کے حوالے سے مشہور تھی کہتے ہیں کہ باقاعدہ بھاگتے ہوئے گھر پہنچے۔ لگتا تھا کہ بیٹے کو باپ کا ہی انتظار تھا سو آپؐ پہنچے تو ابراہیمؑ نے آپؐ کے زانو پر آخری ہچکی لی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو نکل آئے' کسی نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ بھی روتے ہیں؟ فرمایا میں اللہ کا نبیؐ بھی ہوں اور ایک باپ بھی...... روایات میں ہے کہ اس موقع پر آپ کی رنجیدگی دیکھنے والی تھی۔ نماز جنازہ خود پڑھائی لیکن تدفین کیلئے قبر میں نہیں اترے حالانکہ کسی بھی مسلمان کی موت کی صورت میں اس کو لحد میں اتارنا آپؐ کا

Marfat.com

معمول تھا.... قبر کے کنارے بیٹھے تھے فرمانے لگے۔ "ابراہیمؑ! بڑا دکھ دے کر جا رہے ہو۔ تمہیں پتہ تھا کہ تمہارا باپ بوڑھا ہے اس کا بھی خیال نہیں کیا..... چلو کوئی بات نہیں تم پہنچو میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے ہی آ رہا ہوں۔" سو ایسا ہی ہوا اور آپؐ اپنے بیٹے کے پیچھے پیچھے ہی اپنے رب سے جا ملے۔

فارسی کا ایک شعر ہے ۔

با من آویزش او الفت موج است و کنار

دم بدم با من و ہر لحظہ گریزاں از من

میرے اور ضیا شاہد کے 35 سالہ تعلقات اس شعر کے آئینہ دار تھے۔ شاید ہم دونوں نے کبھی اپنے تعلقات پر رشک نہیں کیا ..... لیکن عدنان شاہد ہمارے سامنے پلا' بڑھا اور جوان ہوا۔ ایسا سعادت مند بچہ کہ ناقابل رشک تعلقات کے باوصف بھی ضیا شاہد کی قسمت پر رشک آتا تھا..... جب کبھی ملاقات ہوئی اس طرح ملا کہ نثار ہونے کو جی چاہا۔ لگتا تھا کہ اس کی زبان نے "سر" اور "انکل" کا وظیفہ حفظ کر رکھا ہے اور اہل تصوف کے مطابق تواضع اس پر ختم تھی۔ جھک کر ملتا' نیچی آواز میں بات کرتا اور آنکھوں میں شرم' لحاظ..... یہ عادات شاید اسے بھابھی یاسمین کے دودھ سے ملی تھیں۔

سب لوگ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "موت کا ایک دن معین ہے" لیکن جب بھی کوئی مرتا ہے تو لواحقین کی حالت دیکھی نہیں جاتی اور اگر مرنے والا ابھی صرف 37 سال کا..... ابھی اس کے بچے اسے توتلی زبان میں "پاپا' پاپا" پکارتے ہوں' اس کو کبھی کوئی بیماری بھی لاحق نہ ہوئی ہو..... وہ کئی بار موت کے منہ سے اس طرح نکلا کہ لوگ حیران رہ گئے ہوں۔ تو ایسی موت پر کون سنگدل افسوس نہیں کریگا۔

جو کچھ میرے علم میں اس نے کبھی باپ کی جھڑکیوں کا برا نہیں منایا' ماں کی

Marfat.com

ڈانٹ کو دودھ اور شہد کے گھونٹ سمجھ کر پیا' چھوٹے بھائی کو اس طرح سنبھال کر رکھا کہ شاید اسے بھی یقین نہ آتا ہو...... اپنے آخری سفر میں بھی وہ باپ کی تیمارداری کیلئے اس کے ساتھ تھا۔ باپ کی تکلیف کا اتنا درد تھا کہ اسے پہلے لاہور پہنچا کر خود بعد میں آنے کا خواہاں تھا...... سو اس کی آخری خواہش بھی پوری ہو گئی۔ وہ اپنے باپ کے پیچھے دن لاہور پہنچا۔ یہ الگ بات اب کی بار جہاز میں اس کی سیٹ بک نہیں تھی بلکہ وہ کارگو میں بک تھا۔

ہمارا عمومی عقیدہ ہے کہ موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا لیکن نبی اکرمؐ نے فرمایا **لا یرد القضاء الا الدعا** کہ "موت کو صرف دعا ٹال سکتی ہے۔" اگر کوئی بیمار ہو' اس کی زندگی کے امکانات کم ہوں تو لوگ یا گھر والے اور عزیز اقرباء اس کیلئے دعائیں کرتے ہی ہیں...... یہ الگ بات کہ دعائیں کبھی قبول ہوتی ہیں کبھی نہیں کہ دعاؤں کی مقبولیت کا اختیار جس کے پاس ہے وہ ہر مرنے والے سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتا ہے اور اسے بہتر پتہ ہے کہ کس کو ابھی دنیا میں رہنے دینا ہے اور کس کو اپنے پاس بلا لینا ہے...... عدنان شاہد کو کسی کا احسان لینا اچھا نہیں لگتا تھا سو اس نے جان اس طرح دی کہ کسی کا احسان نہیں لیا۔ اس نے ڈاکٹروں کا بھی احسان لینا پسند نہیں کیا اور ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی اپنے رب سے جا ملا۔

جنازے کے بعد ضیا شاہد کی آنکھوں میں جو درد اور کرب تھا اسے کوئی بھی صاحب اولاد محسوس کر سکتا ہے۔ یہ الگ بات کہ اس درد کی دوا کسی کے پاس نہیں۔ غالب نے اپنے بھانجے عارف کی موت پر ایک شہرۂ آفاق نوحہ لکھا' ماموں بھانجے اور باپ بیٹے کے رشتے کا کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا لیکن پھر بھی ایک جواں سال کی موت پر ایسی منظر کشی صرف غالب ہی کر سکتا تھا۔ دو اشعار میں معمولی تصرف کے ساتھ گویا یہ شعر ضیا شاہد کیلئے ہی لکھے گئے تھے۔

Marfat.com

لازم تھا کہ دیکھو میرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں؟ اب رہو تنہا کوئی دن اور
تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور
ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی "عدنان"
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
تم ماہ شب چار دہم تھے میرے گھر کے
پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور
مجھ سے تمہیں نفرت سہی "مونٹو" سے لڑائی
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
گزری نہ بہرحال یہ مدت خوش و نا خوش
کرنا تھا جواں مرگ گزرا کوئی دن اور
جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب! قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور
ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں "شاہد"
قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

* مونٹو عدنان کے چھوٹے بھائی امتنان کا عرف عام یا Nick Name ہے۔

مولائے کائنات کسی قبرستان سے گزرتے تو فرماتے **انتم لنا سابقون ونحن لکم لاحقون انشاء الله** کہ۔

موت سے کسی کو رستگاری ہے
آج "تم" کل ہماری باری ہے

Marfat.com

نوفل شاہد کی پہلی سالگرہ پر ضیا صاحب کے ہمراہ۔

امتنان شاہد اور عدنان شاہد ''خبریں'' اسلام آباد دفتر میں۔

Marfat.com

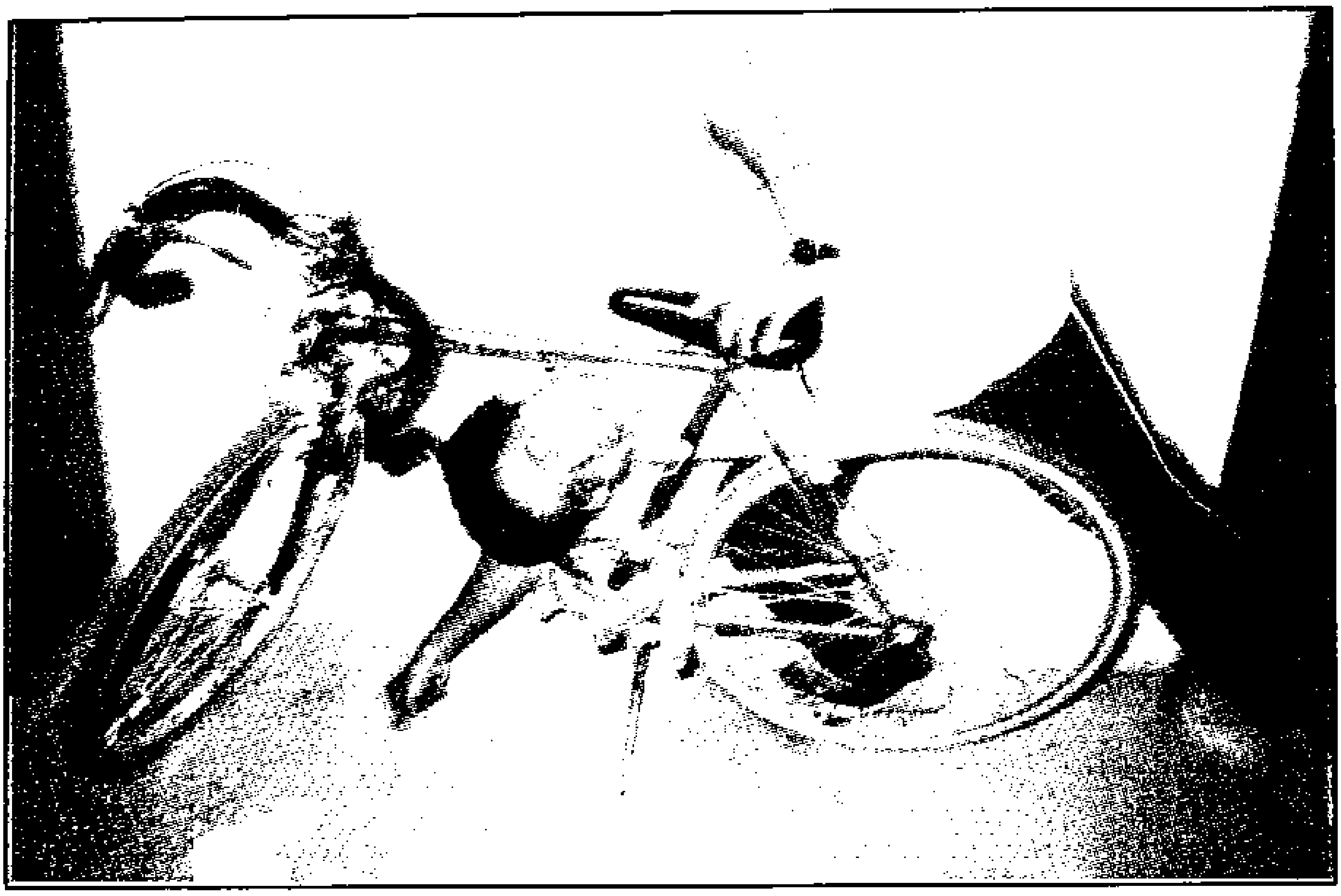

امتنان شاہد سائیکل کی مرمت کرتے ہوئے' اس زمانے کی یادیں جب عدنان اور
امتنان ایک کمرے میں رہتے تھے' اپنے بھائی امتنان کی سائیکل کے ساتھ۔

محترمہ یاسمین شاہد' عائشہ امتنان' تمیر اویس اور نوفل کے ہمراہ ایک تقریب میں۔

Marfat.com

عدنان اب ایسی جگہ ہے کہ اب اس کو کسی کے تعلقات کی خوبی خرابی سے کوئی غرض نہیں۔ یقین ہے کہ ہر حالت میں خوش رہنے والا وہاں' یہاں سے بھی زیادہ خوش ہوگا۔ یہ الگ بات کہ اس کی آہٹیں' اس کے قہقہے' اس کی باتیں اور اس کی یادیں' اس کے والدین اور چاہنے والوں کو ہمیشہ خون کے آنسو رلاتی رہیں گی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(بشکریہ جناح)

Marfat.com

عدنان شاہد امر ہونے کیلئے آئے تھے

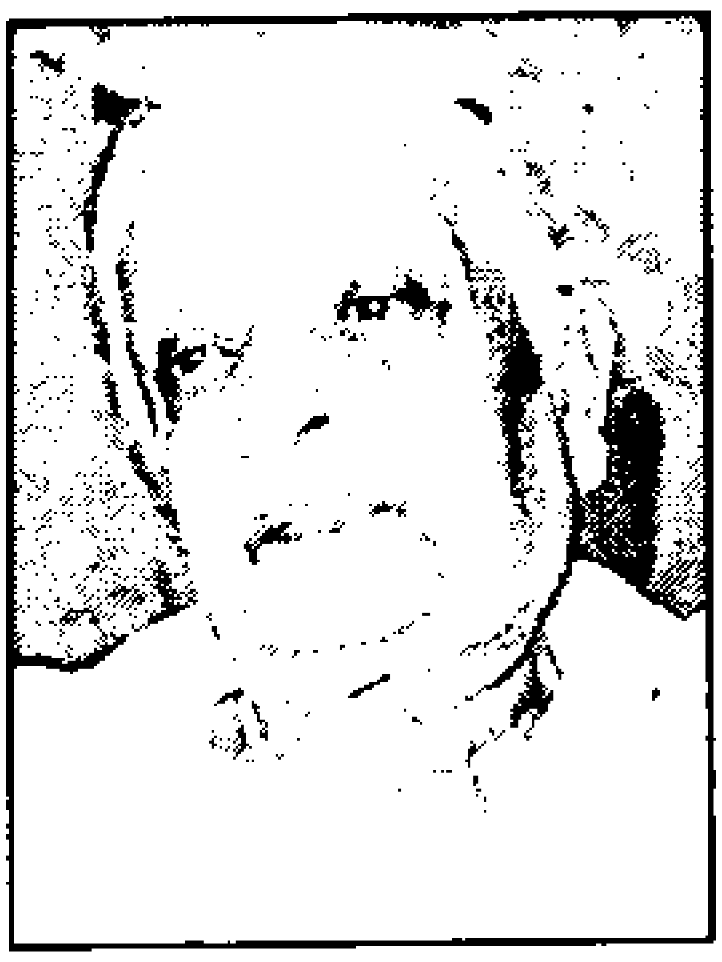

فاطمہ ثریا بجیا

پہلے وہ...... ''کہیں'' تھا......

کہاں......؟

ہاں...... تھا کہیں اور ہے۔ ازل تا ابد لامکاں کی بے حساب و قیاس وسعتوں' بلندیوں' نور و نکہت سے آراستہ بعید از قیاس انسانی روشنیوں کی قوس قزح سے مزین رحمتوں کے سائے ہیں......

پھر اچانک ایک دن اپنی خواہشوں' تمناؤں' آرزوؤں سے بھری ہوئی جسم و جاں کے درودیوار میں سمٹی ہوئی' خوبصورت صبح کے اجالوں' شام کے چراغوں سے سجی ہوئی امیدوں کی قوس قزح سے رنگین دنیا میں کسی اپنے نے مسکراتے ہوئے سرگوشیوں میں مجھ سے کہا......

کیا......؟

وہ آنے والا ہے۔

میں اور میری شریک حیات اور وہ تمام انسان جو اپنے بچوں یا پرائے ایک دوسرے کی چاہتوں کی ڈور سے بندھے کنبے' محلے یا شہر اور وطن کا وجود ہیں اور وطن کی

Marfat.com

سرزمین انہیں گھر کے دیوار و در کی طرح اپنے بازوؤں میں سمیٹے ہوئے ہے' جس نے کہا کہ:

وہ آنے والا ہے......

خوش خبری......

فطری چاہتوں کے چشمے پھوٹ پڑے......

آنے والا ہے......

انتظار' خوشی' دعائیں اور مبارکبادیں

پھر ہوا یوں کہ وہ حیات دنیوی کی محدود چار دیواری' ماں باپ کیلئے' دادا دادی' نانا نانی' بھائی بہن سب کی آنکھوں کا تارا بن کر دنیا میں آ گیا۔

اور بھول گئے ہم سب کہ آنے جانے کا کیا مسئلہ ہے۔

وہ تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

وہ تو مظہر خدا اور مالک رب العالمین ہے۔ وجہ وجود کائنات ہے۔ انسان ہی اسی زمین پر؟

ہاں اسی زمین پر اسی آسمان کے نیچے۔

سات آسمانوں کی ہر بلندی کے درمیان' اسی لئے کہ وہ انسان ہے' اشرف المخلوقات ہے' اپنے ماں باپ یا بزرگوں کے وجود کا طفیل نہیں ہے' صرف اس لئے کہ اس کا وجود روز اول سے ہے اور تا ابد رہے گا' لامکاں کی لامحدود بلندیوں' وسعتوں اور روشنیوں کا مسافر ہے۔ ہمارے محدود انسانی ذہن کہاں اور کیسے ان وسعتوں' بلندیوں کا احاطہ کر سکتے ہیں؟ ہم نے تو زندگی کی چار دیواری کی حدود میں خود کو قید کر رکھا ہے۔ ہمارا رب' ہمارا خالق ہمیں ہمارے ماں باپ' بہن بھائی' میاں بیوی' اولاد سب سے بڑھ کر چاہتا ہے۔ عدنان کے دنیا میں یوں ماں باپ کیلئے نعمت کے طور پر آ جانے کا تصور

Marfat.com

بہت ہی بھلا ہے' میرے بھائی ضیا شاہد یقیناً آپ سے یا آپ کے آباؤ اجداد کے حوالے سے کوئی ایسا اچھا کام ہوا ہے جو اللہ نے آپ کو عدنان شاہد جیسے بیٹے سے نواز دیا۔ حسین شکل و صورت قد و قامت میں بھی' علم اور عقل کی شہادتوں کے ساتھ ماں باپ کی محبت سے سرشار' وہ لوٹ گیا جہاں وہ پہلے تھا۔ وجود آدم خاکی کے ساتھ اس بیٹے نے جنم لیا تھا۔ رب العالمین عدنان کے بچوں کو لمبی عمر عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ عدنان کی شریک حیات کو صبر و استقامت سے نوازے اور ہم سب کا رب آپ کے پورے خاندان کو حاسدوں کے حسد' دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے (آمین) عدنان مرحوم چند برسوں کیلئے اس دنیا میں امر ہو جانے کیلئے آئے تھے اور اب پھر اپنی ابدی دنیا میں ہیں۔ یہ کوئی نہ کہنے پائے کہ عدنان اب ہمارے درمیان نہیں ہیں

کہیں اور نہیں

صرف اور صرف اپنے خالق سے قریب تر......

ہمارا آپ کا سب کا ابدی پتہ وہی تو

ہے جہاں آج عدنان شاہد مرحوم ہیں۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ایک ایڈیٹر' ایک دوست

راشد رحمان

تقریباً دو واڑھائی سال پہلے کی بات ہے ایک صبح مجھے ضیا شاہد صاحب کا ٹیلیفون آیا کہ آپ تشریف لائیں اور ہمارے ساتھ ایک کپ چائے پئیں۔ میں نے پوچھا خیریت ہے۔ کہنے لگے ہاں سب خیریت ہے آپ تشریف تو لائیں۔ میں نے کہا میں حاضر ہو جاؤں گا۔ میں گیا تو ضیا شاہد صاحب کے دفتر میں عدنان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی' ملاقات تو ان سے پہلے بھی تھی لیکن کبھی تفصیلی بات نہیں ہوئی۔ اکثر کسی بریفنگ میں یا کسی کھانے کی تقریب میں سرسری طور پر ملاقات ہوتی رہی۔ ہمارے ضیا صاحب سے زیادہ مراسم تھے۔ بہت عرصے سے ضیا صاحب نے مجھے کہا کہ ہم سوچ رہے ہیں کہ انگریزی اخبار نکالا جائے آپ کی کیا رائے ہے۔ اپنی رائے دینے سے پہلے میں نے انہیں لوگوں کی رائے بتائی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ پہلے ہی انگریزی کے اخبار بہت زیادہ ہیں اور چونکہ انگریزی اخبارات کی مارکیٹ چھوٹی ہے اس لیے ان کو مشکلات پیش آ رہی ہیں چنانچہ عمومی طور پر یہی تاثر ہے کہ ایک اور انگریزی اخبار کی گنجائش سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس رائے کے بعد بھی جب انہوں نے مزید پوچھ گچھ کی تو میں نے اپنے آئیڈیاز کہ کیسے ایک نیا انگریزی اخبار کامیاب ہو سکتا ہے' ان سے

Marfat.com

Share کیے۔ اس ملاقات میں اعظم سلطان سہروردی بھی موجود تھے۔ چائے پی' گپ شپ کی' گھر چلے گئے۔

سال گزر گیا' ایک سال بعد دوبارہ ٹیلیفون آیا' ضیا صاحب نے کہا کہ آپ آ کر ہمارے ساتھ چائے پیجیے۔ میں چلا آیا۔ سلام دعا' چائے وائے' خیریت پوچھی' یہ غالباً جون 2005ء کا واقعہ ہے۔ انہوں نے کہا اب ہم تیاری میں ہیں' سٹاف بھی رکھ لیا ہے' ڈمی بنا رہے ہیں چنانچہ اب آپ آ جائیں اور اس کام میں شامل ہو جائیں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں زندگی کے ایک ایسے مرحلے پر کھڑا تھا جہاں میں نے قسم کھائی تھی کہ میں آئندہ کسی اخبار میں نوکری کرنے سے گریز کروں گا لیکن ضیا صاحب کی محبت اور شفقت کے پیش نظر اور جتنی عزت انہوں نے مجھے دی' میں ایسے ہی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کہا مجھے دو تین دن دیں میں آپ کو سوچ کر بتا دوں گا۔ جاتے ہوئے انہوں نے مجھے یہ بات سنا دی اور کان میں ڈال دی کہ جب تک آپ نہیں آئیں گے میں اخبار نہیں نکالوں گا۔ میں نے کہا کہ اتنا بوجھ مجھ پر مت ڈالیں یہ تو ایک طرح سے مجھ پر اخلاقی دباؤ بھی ہو گا۔ "نہیں! نہیں! آپ کے بغیر میں نہیں نکالوں گا" ضیا صاحب نے یہ اصرار کیا۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور گھر چلا آیا۔ پھر دوستوں سے مشورہ وغیرہ کیا اور فیصلہ کیا کہ میرے اس پروفیشن کے بارے میں جو بھی تحفظات تھے اور اس میں جو میرے تجربات کچھ تلخ کچھ اچھے ہوئے' ان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے بطور چیلنج اس آفر کو قبول کیا جائے کیونکہ اکثر و بیشتر وہی بات سننے میں آئی جو میں نے ایک سال پہلے ضیا صاحب کو کہی تھی کہ لوگوں کا خیال ہے کہ مزید کسی انگریزی اخبار کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔ مگر میں نے دل میں فیصلہ کر لیا اور ضیا صاحب کو بھی بتایا کہ I am going to prove time wrong. پوسٹ جوائن کیا تو وہاں بہت ساتھی پہلے سے موجود تھے' کچھ واقف تھے۔ امجد شاہ بھی تھے وہ اور میں دی نیشن میں اکٹھے رہے۔

Marfat.com

اور بھی دوست تھے' کچھ کے ساتھ کام کیا ہوا تھا کچھ نئے تھے لیکن واقف تھے اور کچھ بالکل نئے تھے۔ بہر حال ہم نے کام شروع کیا۔ ابھی کچی پکی تیاری میں تھے' میرا خیال ہے کہ مجھے آتے ہوئے بمشکل مہینہ گزرا تھا۔ میں اس وقت زیادہ تر ایڈیٹوریل کا کام کر رہا تھا۔ ضیا صاحب نے ایک دن میٹنگ بلالی' اس میٹنگ میں عدنان صاحب' حمیرا بی بی اور خلیل اختر صاحب بھی موجود تھے۔ اپنے دفتر میں بلا کر ضیا صاحب نے کہا کہ اخبار نکال دیں۔ میں نے کہا کہ ابھی ہم تیار نہیں ہیں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ 14 اگست کو اخبار نکالنا ہے۔ میں نے کہا کہ کم از کم دو مہینے مزید کام درکار ہے۔ ضیا صاحب نے کہا کہ دو مہینے نہیں صرف ایک مہینہ ہے' بس آپ اخبار شائع کر دیں۔ میں نے کہا کہ شائع تو ہم کر دیں گے لیکن Improve ایک دم نہیں کرے گا' کوالٹی فوری طور پر نہیں ملے گی۔ کہنے لگے مجھے منظور ہے۔ اس ملاقات میں عدنان صاحب نے بھی اعتراض کیا کہ ابھی ہم تیار نہیں ہیں لیکن ضیا صاحب نے کسی کی ایک نہیں سنی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے جیسا آپ کا حکم۔

اس دوران عدنان صاحب کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ایک روز ان کے دفتر میں بیٹھے ہوئے حمیرا بی بی نے ان کے سامنے ہی مجھ سے ایک بڑا عجیب سا سوال کر لیا' کہنے لگیں آپ کے خیال میں عدنان ایک انگریزی اخبار کے ایڈیٹر ہو سکتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ آپ ڈپلومیٹک جواب چاہتی ہیں یا سچ۔ انہوں نے کہا کہ سچ۔ میں نے کہا کہ پھر برداشت کرنے کا مادہ ہے۔ کہنے لگیں ہاں! میں نے کہا کہ میرے خیال میں عدنان صاحب کی Ambission بہت Healthy ہے اور ان کا ''خبریں'' کو سات آٹھ سال تک ایڈٹ کرنے کا تجربہ ایک سرمایہ ہے لیکن اس وقت آج میں یہ وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ انگریزی اخبار کے ایڈیٹر ہیں لیکن اگر اپنی آنکھیں' کان اور دماغ کھلا رکھیں تو یہ ایک انگریزی اخبار کے ایڈیٹر بن جائیں گے۔ میرا خیال تھا کہ

Marfat.com

وہ اس بات سے ناراض ہوں گے۔ لیکن یہ اس شخص کی انکساری اور Generousity of spirit تھی کہ انہوں نے برا منانے کے بجائے میری بات کی تائید کی اور کہا کہ آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ وہ دن اور جس دن وہ ضیا صاحب کو لیکر واشنگٹن کیلئے روانہ ہوئے' ہمارا ایک بڑا گہرا تعلق رہا۔ جب سے ہم نے پوسٹ کو Launch کیا یعنی 14 اگست 2005ء' تقریباً ڈیڑھ سال ہونے کو آیا ہے۔ مجھے نہیں یاد کہ انہوں نے اخبار یا اس کی پالیسی کے بارے میں کوئی اہم فیصلہ مجھ سے مشورہ کیے بغیر کیا ہو۔ راجہ ریاض (چیف رپورٹر) مجھے بتا رہے تھے کہ جب ان کے اور عدنان صاحب کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہو جاتا اور ہم اس قدر الجھ جاتے کہ کچھ طے نہ ہو پاتا تو عدنان صاحب کہا کرتے کہ "یار بابے بابے ای ہوندے نیں' راشد صاحب کولوں پوچھ لینے آں" مجھے خوشی بھی ہوتی کہ مجھے یہ رتبہ انہوں نے دیا لیکن غصہ بھی آیا کہ میں ابھی اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوا کہ بابا قرار دے دیا جاؤں۔ بہر حال عدنان صاحب کی بڑی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے کسی بھی ساتھی کارکن چاہے وہ چھوٹا ہے یا بڑا' سینئر ہے یا جونیئر' مرد ہے یا عورت' کسی کے ساتھ کبھی باس والا رویہ اختیار نہیں کیا۔ ان کا رویہ ہمیشہ دوستانہ' فیاضانہ اور بہت ہی گرم جوشی والا ہوا کرتا تھا۔ اس لیے یہ اتفاق نہیں ہے کہ ان کی اچانک موت نے ہم سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ مجھے تو اتنا صدمہ تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرا چھوٹا بھائی چل بسا ہے کیونکہ انہوں نے نہ صرف کام کے حوالے سے میرے لیے دروازے کھولے اور مجھے بہت عزت دی بلکہ اپنے دل کے دروازے بھی کھولے۔ مجھ سے دوستی کی' میرے ساتھ اس طریقے کا برتاؤ کیا جیسے کہ میں ان کی فیملی کا فرد ہوں۔ میں مزاج کے اعتبار سے بڑا Reserved قسم کا آدمی ہوں اور کسی سے بھی دوستی بڑی دیر بعد کرتا ہوں۔ لیکن ان کی گرم جوشی اور احترام نے مجھے مجبور کیا اور ہماری بہت جلدی اتنی زیادہ دوستی ہو گئی کہ میں خود حیران تھا۔ ہم صرف کام کی بات

Marfat.com

ویکس میوزیم لندن میں معروف فلم ڈائریکٹر سٹیون سپیلبرگ کے ہمراہ۔

عدنان شاہد کا ایک مخصوص انداز۔

Marfat.com

اپنے والد جناب ضیا شاہد اور چھوٹے بھائی جناب امتنان شاہد کے ساتھ

Marfat.com

نہیں کرتے تھے دنیا بھر کی باتیں ہم کرتے تھے اور کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا آج میں ذکر بھی نہیں کر سکتا۔ کسی کی غیبت کرنا ان کی عادت نہیں تھی' یہ بات مجھے خاص طور پر بہت پسند آئی کیونکہ میری بھی عادت کچھ اسی قسم کی ہے کہ کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی نہ کی جائے۔ کسی کی برائی کی نشاندہی کرنی ہو تو میں منہ پر کر لیتا ہوں اس وجہ سے کچھ لوگ مجھے پسند کرتے ہیں یقیناً کچھ ناپسند بھی کرتے ہوں گے لیکن اس سے میں نے کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور یہی خوبی میں نے عدنان صاحب میں بھی پائی۔ اسی لیے ہماری قربت بہت جلدی اور شدید ہو گئی۔

میں ضیا صاحب کی طرف سے دی گئی ڈیڈ لائن کا ذکر کر رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایک مہینے میں اخبار شروع کر دیں۔ اخبارات میں کام کرنے والے جانتے ہیں کہ نیا اخبار جاری کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر جب ایک دفع اخبار شروع ہو جائے تو وہ آپ کی زندگی کو Take over کر لیتا ہے۔ نہ آپ کو کھانے کی فکر رہتی ہے' نہ سونے کی فکر' نہ گھر کی فکر' نہ بچوں کی فکر اور نہ ہی کسی اور چیز کی فکر رہتی ہے۔ اخبار ہی آپ کا بچہ' آپ کی فیملی' وہی آپ کی زندگی' وہی آپ کا سانس ہے۔ غرض سب کچھ آپ کا وہی ہے۔ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ مسابقت کی فضا اور مشکل مارکیٹ' جہاں پہلے ہی چار بڑے اور مضبوط اداروں کے انگریزی اخبار مارکیٹ میں موجود تھے۔ ایک نیا اخبار مارکیٹ میں لانا اور پھر اسے کامیابی کی طرف لیکر جانا کٹھن اور مشکل کام تھا اور ایک چیلنج تھا۔ جن لوگوں نے پوسٹ کے آغاز سے ہمارے ساتھ کام کیا وہ سارے حالات جانتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں میری جو بھی حقیر سی کوشش تھی اس میں اگر عدنان صاحب کا تعاون' معاونت اور ان کا مشورہ حاصل نہ ہوتا تو شاید جتنا بھی ہم نے آج تک پوسٹ کیلئے کیا ہے یا ترقی کی ہے میں سمجھتا ہوں یہ ناممکن ہوتا۔

پھر ضیا صاحب کی بیماری کی وجہ سے تقریباً پانچ چھ ماہ عدنان صاحب ان کی تیمار داری

Marfat.com

میں لگے رہے اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ ان کیلئے بڑا مشکل وقت ہے اس لیے میں ان کو تنگ نہیں کروں گا۔ حتیٰ کہ میں نے ان سے بات ہی نہیں کی۔ جو کوئی مسئلہ ہوتا تھا میں خود ہی کوشش کرتا تھا کہ اس کو حل کرلوں تاکہ عدنان صاحب اس طرف سے پریشان نہ ہوں۔ اس دوران جب بھی ان سے بات ہوتی تو میں ان کو یہی کہتا آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہے' آپ بس ضیا صاحب کا دھیان رکھیں۔ اس بات کو انہوں نے بہت Appreciate کیا۔ اس پانچ چھ ماہ کے مشکل وقت میں اگر ہم نے کوئی بہت زیادہ کامیابی حاصل نہیں کی تو کوئی بہت بڑی غلطی بھی نہیں کی اور اس کیلئے میں اپنے سارے ساتھیوں کا شکر گزار ہوں کہ بڑی محنت سے اور بڑی لگن سے انہوں نے یہ کام انجام دیا اور میرے ساتھ انتہا کا تعاون کیا اور آج بھی کر رہے ہیں۔ ضیا صاحب بیماری کے بعد جب قدرے بہتر ہو کر گھر آئے تو دفتر میں عدنان صاحب سے ایک بار پھر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہماری یہ ملاقاتیں صرف دفتر تک محدود نہیں تھیں بلکہ میں ان کے گھر گیا وہ میرے گھر آئے۔ ان کے ساتھ میرا تعلق ذاتی دوستی میں تبدیل ہو چکا تھا مگر Professional values اور باہمی احترام بالکل اسی طرح برقرار رہا جیسے کہ شروع دن سے تھا۔ ان کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ وہ ایڈیٹر تھے لیکن کبھی انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں نہیں بلایا تھا۔ خود چل کر میرے کمرے میں آجاتے تھے۔ میں نے کئی مرتبہ کہا کہ یہ آپ کو زیب نہیں دیتا' آپ مجھے بلوالیا کریں۔ مگر وہ کبھی نہیں مانے۔ اسی طرح کا رویہ ان کا دفتر کے باقی ساتھیوں سے بھی تھا۔ کبھی میگزین میں چلے گئے' کبھی نیوز روم میں موجود ہیں۔ دفتر میں کبھی کسی نے یہ محسوس نہیں کیا کہ باس آس پاس موجود ہے' کبھی کوئی نروس نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر کسی کے ساتھ وہ دوستانہ رویہ رکھتے۔ اپنے ماتحتوں کیلئے کبھی انہوں نے خوف کی فضا پیدا نہیں کی۔ اس لیے دفتر کے لوگ اس بات پر خوش ہوتے تھے کہ عدنان صاحب

Marfat.com

ہمارے پاس آتے ہیں' ہم سے بات کرتے ہیں' ہمارا کام دیکھتے ہیں اور مشورہ کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ عدنان صاحب کی ایک عظیم بات تھی۔ کہتے ہیں اگر کسی انسان کو جانچنا ہو تو ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ یہ دیکھیں کہ اپنے سے جونیئرز کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے۔ اگر اس کسوٹی پر تولا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ عدنان صاحب اس پر نہ صرف پورا اترتے ہیں بلکہ اس کی ایک منفرد مثال ہیں۔ وہ ایک نیک' مخلص اور بہت ہی کھلا اور اچھا ذہن رکھتے تھے۔ مجھ پر انہوں نے اس قدر اعتماد کیا کہ بعض اوقات میں خود اس سے پریشان ہو جاتا تھا۔ شروع میں ہمارا ایڈیٹوریل کا کام جب چلا تو وہ میٹنگ میں اکثر آنے سے گریز کرتے تھے۔ ایک دن میں جا کر ان سے جھگڑ پڑا' میں نے کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ایڈیٹر ہیں اور ایڈیٹوریل آپ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ خدانخواستہ ہم کوئی الٹی سیدھی بات لکھ دیں تو کل کو آپ کو ہی پکڑا جائے گا۔ آپ کو کم از کم پتا تو ہونا چاہیے کہ کیا ہو رہا ہے۔ نہ آپ میٹنگ لیتے ہیں اور میں ایڈیٹوریل بھجواتا ہوں تو آپ کوئی جواب نہیں دیتے۔ میں نے کہا عدنان صاحب ایسے نہیں چلے گا۔ آپ کو میٹنگ میں آنا پڑے گا اور ایڈیٹوریل بھی دیکھنا پڑے گا۔ کہنے لگے نہیں نہیں راشد صاحب! آپ کر لیا کریں۔ میں نے کہا نہیں آپ کا شامل ہونا ضروری ہے۔ بڑی مشکل سے ان کو میٹنگ کیلئے آمادہ کیا۔ وہ پانچ منٹ کیلئے آتے' موضوع طے ہوتا اور پھر یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے کہ راشد صاحب آپ دیکھ لیں مجھے اور کام ہیں۔ ایڈیٹوریل لکھ کر بھیجتا مگر پھر وہی معمول کہ کوئی جواب نہیں۔ میں نے پھر پوچھا تو کہا کہ راشد صاحب آپ دیکھ لیا کریں۔ مختصراً یہ کہ مجھ پر اندھا اعتماد کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں ایڈیٹر وہ تھے لیکن یہ کام مجھے سونپ دیا۔ ساری ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی۔ میں اس وجہ سے خاصا پریشان تھا لہٰذا میں پوری کوشش کرتا تھا کہ میں پوری احتیاط سے کام کروں تاکہ کل کو میری وجہ سے عدنان

Marfat.com

صاحب کو پریشانی نہ ہو۔

عدنان صاحب نے کتنے شوق سے اپنا گھر "خبریں" کے دفتر کی سب سے اوپر والی منزل پر بنایا تھا۔ جب بن رہا تھا اکثر اوقات مجھے ہاتھ سے پکڑتے اور یہ کہتے ہوئے اوپر لے جاتے کہ آئیں میں آپ کو دکھاؤں۔ ابھی کنسٹرکشن جاری تھی باہر لے گئے' ٹیرس دکھایا اور کہا کہ گرمیوں میں یہاں میں اور امتنان صاحب بیٹھ کر شام کو گٹار بجایا کریں گے اور آپ بیٹھ کر سنا کریں گے۔ کیا کیا سوچتا ہے انسان' کیا پتا تھا کہ ان کے نصیب میں یہ نہیں تھا۔

باتیں تو لکھنے کو بہت ہیں' اس قدر یادیں ہیں' اس قدر محبتیں ہیں' کس کس کا ذکر کیا جائے۔ بس رنج اور افسوس ہی رہ گیا ہے یا پھر دل پر ایک گہرا زخم ہے۔

مجھے صبح صبح جب یہ افسوسناک خبر ملی تو میں ضیا صاحب کے گھر گیا' امتنان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان سے افسوس کیا تو وہاں سب کولیگز نے گھیر لیا کہ آج آپ کو عدنان صاحب کی Obituary لکھنی ہے۔ میں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں نہیں لکھ سکتا۔ لیکن جب دفتر آیا اور ایڈیٹوریل میں میٹنگ وغیرہ ہوئی تو اس کے بعد مجھے احساس ہوا کہ نہیں اس ذمہ داری سے میں انحراف نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میں نے لکھا لیکن بڑی مشکل سے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ میرا پوسٹ کے فرنٹ پیج پر چھپنے والے اس نوٹ کو لکھتے ہوئے کیا حال تھا اور مجھ پر کیا گزر رہی تھی۔ پتا نہیں میں ان کے ساتھ انصاف کر پایا یا نہیں۔ آخر میں میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ

I believe, I have been previlaged to have known as adnan shahid's friend.

(دی پوسٹ)

Marfat.com

اور اے ابراہیم تمہاری جدائی......!!

بشریٰ اعجاز

ہماری پنجابی رہتل کی بوڑھیاں جوانوں کو ہمیشہ یہی دعا دیا کرتی ہیں ''شالا جوانیاں مانیں' شالا سئیاں چِر نہ ہووے۔'' مجھے ان کی یہ دعا اتنی اچھی لگتی ہے کہ جب کسی بچے کو دعا دوں تو یہی الفاظ دہراتی ہوں۔ جو دراصل ان کی درازیٔ عمر کی دعا پر مشتمل ہوتے ہیں' اس لئے کہ ایک ماں کیلئے بچے کی سلامتی سے بڑی نہ تو کوئی نعمت ہے اور نہ ہی کوئی انعام۔ یاسمین باجی بھی چونکہ ہماری طرح کی ایک روایتی ماں ہیں' وہ بھی یقیناً اپنے بچوں کیلئے یہی دعا مانگتی ہوں گی۔ اس روز بھی انہوں نے معمول کی دعا میں یہی الفاظ دہرائے ہوں گے اور بچوں کو دم کیا ہو گا' خصوصاً عدنان کو کہ وہ ان کے ہمراہ تھا۔

مگر......! اس مگر کا جواب چونکہ ہماری مجال سے باہر ہے اور مشیت الٰہی کے پاس ہے' لہٰذا دم مارنے کی گنجائش کہاں کہ قضا و قدر کے فیصلے اٹل ہیں اور وہ ٹلتے نہیں۔ اگر ٹل سکتے تو یقیناً ایک ماں کی دعاؤں اور آہوں میں اتنی طاقت ضرور ہوتی کہ وہ قضا کے بے رحم ہاتھوں سے اپنے جگر گوشے چھین کے لا سکتی اور انہیں دنیا کے ہر سرد و گرم سے بچا کر اپنے دل میں چھپا کر رکھ لیتی۔ پھر کسی ماں کو اپنی اولاد سے جدائی کا دکھ کبھی بھی برداشت نہ

Marfat.com

کرنا پڑتا۔ پھر دنیا اتنی مشکل، اتنی بدصورت نہ ہوتی، پھر جدائیوں کی کہانیاں اس قدر دردناک نہ ہوتیں۔ پھر جدائی دنیا کی سب سے بڑی حقیقت نہ ہوتی، یقیناً نہ ہوتی۔ بھرے پرے گھر سے جانے والے عدنان شاہد کی والدہ، والد کا رستے میں متاع عزیز گنوا کر لٹ پٹ کر واپس آنا اور خالی آنکھوں اور خالی دل کے ساتھ سانس سانس اس وچھوڑے کا کرب جھیلنا اور جھیلتے چلے جانا، وہ قیامت ہے، جس سے رسولوں اور پیمبروں نے بھی پناہ مانگی کہ اولاد کا دکھ، صبر اور حوصلوں کو مسمار کر دینے والا ہے۔ اس دکھ کے سامنے پہاڑ بھی ریت کے گھروندوں کی طرح ڈھے جاتے ہیں۔ انسان اندر سے اتنے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے کہ پھر باقی ماندہ سانسیں ان ٹکڑوں کی گنتی کیلئے ناکافی ہوتی ہیں۔ یہ پتر، یہ بیٹے، اگر دکانوں سے ملتے ہوتے تو کبھی کوئی ماں ان کی جدائی کی دہائی میں زمین آسمان ایک نہ کرتی۔ یہ کبھی مُل وکاؤ چیز ہوتے تو مائیں لاکھوں دفعہ خود کو بیچ کر ان کا ایک ایک رواں خرید لیتیں، مگر افسوس کہ "ایہہ پتر ہٹاں تے نئیں وکدے۔"

یاسمین باجی اور ضیا بھائی اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں، مگر ان کی آنکھیں ہر لمحہ اسے ڈھونڈتی ہیں، انہیں ہر طرف اسی پیارے کی آمد کا گمان ہوتا ہے، جسے وہ عین دنیا کے میلے میں گنوا آئے ہیں اور اپنی کل پونجی گنوانے کے بعد اس پر دعوے کا حق بھی نہیں رکھتے۔ کوئی بھی نہیں رکھتا کہ یہ اسی کا مال ہے، جب چاہے واپس لے لے۔ مگر اس حقیقت کو ماننے کیلئے جو حوصلہ درکار ہے، وہ ہمارے پاس کہاں؟ ہم جو اپنے ایمان سے پہلے اپنی اولادوں کی سلامتی کی دعا مانگتے ہیں، ہم جن کی زندگیوں کے تانے بانے ہی اولادوں کے گرد بُنے جاتے ہیں، ہم جو اپنی کہانیوں سے اولاد کو نکال دیں تو پھر ان میں کرنے کے لائق کچھ بچتا ہی نہیں۔ ہم جیسوں کو تو جینے کا ڈھنگ بھی انہی اولادوں کی وجہ سے سیکھنا پڑتا ہے۔ ذاتی خوشیوں اور خواہشوں سے ہم اگر کسی خوشی دستبردار ہوتے ہیں تو صرف اور

Marfat.com

صرف اپنے بچوں کی خاطر...... اور یہ بچے' خدانہ کرے کسی ماں باپ کو ان کی جدائی کا صدمہ دیکھنا پڑے۔

جب سے عدنان شاہد کے جانے کی خبر سنی ہے' دل گنگ ہو کر رہ گیا' عجیب ساکت کر دینے والی کیفیت ہے' کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔ اِک ماں کو پرسہ دینا کس قدر مشکل ہے۔ اس کا اندازہ مجھے ہے' اسی لئے مجھے وہ تمام لفظ مصنوعی اور روایتی لگتے ہیں جو ایسے موقعوں پر ادا کئے جاتے ہیں۔ آنسو' دل کے اندر بہیں یا آنکھوں سے' ایک ہی بات ہے۔ ماں کے دل کے اندر ٹھہری ہوئی صدمے کی کیفیت' مسلسل ڈرلنگ کے عمل جیسی ہے' جو قطرہ قطرہ اسے نچوڑتی رہتی ہے' نہ جینے دیتی ہے نہ ہی مکمل طور پر مرنے دیتی ہے۔ قبروں میں گم ہو جانے والے' اپنے لعلوں کے چہرے' نرم و گداز بچھونوں پر کانٹے بکھیر دیتے ہیں' پھر ان پر سکھ کی نیند نہیں آتی۔ جوان بچوں کو قبروں میں گم کر آنے والی مائیں اور باپ' بعد میں تنہائی کے بے رحم لمحوں سے اکثر پوچھتے رہتے ہیں کہ اب جینے کا جواز کیا ہے۔'' مگر اس سوال کا جواب نہ کسی تنہائی کے پاس ہے اور نہ ہی کسی عقل کے پاس۔ زندگی ایسی ہی سمجھ میں نہ آنے والی چیز ہے' اک ایسا سوال جو بعض اوقات حل ہو کر بھی ناحل شدہ ہی رہتا ہے۔ یاسمین باجی اور ضیا بھائی' جس بوجھ کے نیچے آ گئے ہیں اس کی تکلیف ہر صاحب دل محسوس کر سکتا ہے۔

عدنان شاہد سے میری ملاقات نہ ہونے کے برابر تھی' مگر اس کی تحریریں' سیاسی تجزیئے' اس کا اخلاق' بتاتا تھا کہ آگے چل کر وہ کیا بننے والا ہے۔ اس کے جانے کی خبر پر جس طرح لوگوں نے دکھ سے ہاتھ ملے ہیں' اس کے اچھے کردار اور خوبیوں کے گن گائے ہیں' اس سے ثابت ہوتا ہے وہ لوگوں کے دلوں میں رہتا تھا اور جو اتنی کم عمری میں دلوں میں رہنے کا ہنر جانتا تھا' وہ کوئی معمولی انسان نہ تھا کہ اس مادی دور میں محبتوں اور

Marfat.com

دعاؤں کی کمائی کرنے والے لوگ معمولی لوگ نہیں ہوا کرتے۔ اس ذہین آنکھوں اور روشن پیشانی والے جوان کو اس کے علاوہ اور کیا دعا دینی چاہئے کہ "شالا جوانیاں مانیں۔" مگر افسوس کہ یہ دعا، درِ قبولیت سے واپس لوٹا دی گئی ہے۔ وہ امانتیں دینے والا اپنی امانت واپس لے چکا ہے۔ مگر وہ گھر' وہ ماں باپ' بچے' بیوی' بہن بھائی...... وہ رنگ بانٹنے والی زندگی' وہ زندگی کے منصوبے' وہ جینے کے پروگرام' وہ دنیا کو لٹو کی طرح گھما گھما کر دیکھنے کے ارادے' سب کیا ہوئے' مٹی کی ڈھیری...... خاک کی پوشاک...... رنگوں کی اترن...... ادھر آنکھ جھپکی ادھر سب کچھ غائب۔ اک پل کی کہانی...... محض اک پل کی...... مگر کتنی تکلیف دہ۔ کتنی طویل نہ ختم ہونے والی' جتنی دفعہ دہراؤ' جتنی دفعہ سمیٹو۔ دکھ کے نت نئے زاویے' کوئی ماں باپ کے دل سے پوچھے وہ کیا تھا۔ وہ پل حاضر اور غائب ہو جانے والا ان کا بچہ۔ ان کے دل میں بیابانی کے کیسے موسم لکھ گیا۔ کیسے سناٹے بو گیا ہے کہ بولتی ہوئی دنیا یکدم ویران ہو گئی ہے۔ اب اردگرد کچھ بھی نہیں۔ نہ رنگ' نہ خوشبو' نہ روشنی' نہ صبح' نہ شام۔ اب تو ہر طرف ایک ہی موسم ہے۔ وچھوڑے کا موسم...... مرگ کا موسم...... ناتمامی کا موسم اور اس موسم میں فنا کی کہانی باقی ہے۔ ہم فانی ہیں' ہم فانی ہیں' یقیناً ہم فانی ہیں' مگر اے خدا "یہ جوان شالا جوانیاں مانیں۔" اگر تو مائیں بناتا ہے اور ان ماؤں کے دلوں کو اولاد کی محبت سے لبالب بھرتا ہے تو پھر فنا کو ایسی عجلت کی اجازت......؟ کاش یہاں مجھے کیوں کی مجال ہوتی۔ اے کاش! تو پھر میں خدا سے یہ سارے سوال کر لیتی' مگر چونکہ مٹی کی مجال کہاں کہ وہ بنانے والے سے پوچھے تیرے فیصلے کیا ہیں؟

سو! میں کیا' میری اوقات کیا' مگر اے میرے پالنے والے! میرے خدا' پھر یہ مائیں' یہ محبت کی پناہیں' یہ دعاؤں کی پوٹلیاں کدھر جائیں؟ جب یہ بیٹے دنیا کی کسی دکان سے نہیں مل سکتے' کسی بازار سے میسر نہیں' تو یہ پگلیاں انہیں گنوانے کے بعد

Marfat.com

عدنان شاہد خوشگوار موڈ میں۔

Marfat.com

اسلام آباد' 2001ء

Marfat.com

کیوں ڈھونڈتی ہیں' انہیں چین کیوں نہیں آتا۔ وہ...... ان قبروں سے کیوں تسلی نہیں پاتیں' جو ان کے دلوں میں پکی پیڈی بن جاتی ہیں' جن پر عطر گلاب کا نہیں آنسوؤں کا چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ وہ آنسو جو دل میں مسلسل بہتے رہتے ہیں' مائیں پھر ایسے مجاوروں کا روپ دھار لیتی ہیں جن کا کام ہی قبروں کی دیکھ بھال ہوتا ہے' مگر خدا ایسی مجاوری سے ہر ماں کو بچائے۔

عدنان شاہد کی والدہ یاسمین باجی سے چونکہ مجھے خاص اُنس ہے' اس لئے میں اس چوٹ کا درد دل پر محسوس کرتی ہوں' جو انہوں نے کھائی ہے۔ ضیا بھائی کو دلاسے کیلئے میرے پاس کوئی لفظ نہیں ہے۔ سانحہ اتنا بڑا اور شدید ہے کہ اس کے سامنے سارے لفظ بے معنی لگتے ہیں۔ بیٹے کا جنازہ دیکھنا اگر اتنا آسان ہوتا' تو میرے آقاؐ کی آنکھوں میں اپنے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی جدائی کی ساعتوں میں آنسو کیوں بھر آتے اور آپؐ یہ کیوں فرماتے ''آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہے (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اے ابراہیم تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔''

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

عدنان شاہد کی تلاش

بریگیڈیئر (ر) صولت رضا

10 فروری کو علی الصبح لیفٹیننٹ کرنل (ر) عبدالخالق چشتی نے گلوگیر آواز میں عدنان شاہد کی لندن میں اچانک رحلت کی اطلاع دی۔ "کیا یہ واقعی درست ہے' آپ کو کس نے بتایا ہے۔" میں نے دو تین بے ربط جملے ادا کئے تھے کہ کرنل چشتی نے تفصیلات بیان کر دیں۔ سکتے کے عالم میں سنتا رہا۔ ٹیلی فون کال ختم ہوئی تو فوراً خبریں اسلام آباد سے اس امید کے ساتھ رابطہ کیا کہ شاید کوئی کہہ دے کہ یہ خبر غلط ہے۔ عدنان شاہد صاحب بالکل خیریت سے ہیں۔ کل کی لندن فلائٹ سے وطن واپس آ رہے ہیں۔ بد قسمتی سے دفتر سے بھی اس اندوہناک اطلاع کی تصدیق ہو گئی۔

عدنان شاہد آٹھ دس برس سے میری نظروں کے سامنے تھا۔ شاید پہلے بھی ملاقات ہوئی ہو گی۔ صحافت' تعلقات عامہ سمیت ابلاغ کے دیگر عناصر ترکیبی میں بنی آدم کی آمد و رفت رہتی ہے لیکن یہ کم کم ہوتا ہے کہ کسی شخصیت کا سراپا امید کا ہالہ بن جائے۔ قحط الرجال کے دور میں کوئی اس انداز سے چمکتا دمکتا دکھائی دے کہ مایوسی کے کثیف بادل چھٹ جائیں اور آسمان سے اترنے والی توانائی کی کرنیں روشن مستقبل کی

Marfat.com

نوید سنائیں۔ عدنان شاہد امید اور نوید کے ساتھ محو سفر تھا اور یہ خوبیاں اس کی ذات سے دوسروں کو بھی فیض یاب کر رہی تھیں۔ پہلی نظر میں یونیورسٹی کے آخری سمسٹرز کا محنتی طالب علم دکھائی دیتا تھا' جسے اپنے گریڈ کو بہتر بنانے کی فکر تھی۔ گفتگو کے شرارے پھوٹتے تو محسوس ہوتا کہ ایک "بزرگ" حصار کئے بیٹھا ہے۔ محترم ضیا شاہد سے طویل وابستگی کے باعث میرے لئے "برخوردار" ہی تھا لیکن نوے کی دہائی کے اوائل میں اس نے دیکھتے ہی دیکھتے لڑکپن' نوجوانی اور جوانی کے ادوار اس انداز میں گزار دیئے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ شاید والدین کو بھی اندازہ نہیں ہوا ہوگا۔

ابلاغ کی دنیا بہت مشکل ہے۔ عام فہم زبان میں اخبار نکالنا ایک ایسی مشقت ہے' جس کا دورانیہ دن رات پر محیط رہتا ہے۔ عدنان شاہد کے گھر میں ہر کوئی ابلاغ سے ہی وابستہ تھا۔ یوں بچپن سے ہی زندگی کی رفتار دوگنی تھی۔ یہ کیفیت عدنان شاہد نے آخری سانس تک برقرار رکھی۔

آئی ایس پی آر میں قریباً تیس برس گزارنے کے باعث مجھے متعدد اخبار مالکان کی دوسری نسل سے "تعلقات عامہ" کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ایک منفرد تجربہ ہے۔ "میڈیا ایمپائر" کے ولی عہد کو باپ کی بادشاہت میں اپنی "خودی" کو بلند کرنے کیلئے جاں گسل مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ عدنان شاہد کو میں نے خبریں اسلام آباد کے اجراء کے بعد رپورٹنگ' ڈیسک ایڈیٹنگ اور کالم نگاری کے علاوہ انتظامی امور سے نبرد آزما ہوتے دیکھا۔ اخبار کی "ڈیڈ لائن" خون خشک کرنے کیلئے کافی ہوتی ہے۔ عدنان شاہد کو یہ چیلنج روزانہ درپیش تھا۔ آغاز میں محترم ضیا شاہد کے ہمراہ آئی ایس پی آر کی "سیاحت" ہوتی رہی۔ آہستہ آہستہ عدنان شاہد نے تنہا پیش قدمی شروع کی۔ اعلیٰ عسکری قیادت سے گفتگو' استدلال اور نشست و برخاست کے دوران حوصلہ'

Marfat.com

سلیقہ اور وضعداری مثالی تھی۔ ہمارے جیسے باوردی افسر تعلقات عامہ کو بعض ''سینئر صحافیوں'' کی رخصتی کے بعد ان کے انداز تخاطب اور ٹرن آؤٹ کے بارے میں نازیبا کلمات سننے کی عادت ہے۔ کبھی یہ معاملہ دوطرفہ بھی ہو جاتا تھا۔ عدنان شاہد اس لحاظ سے ''محفوظ ترین'' ایڈیٹر تھا۔ طبیعت میں کج بحثی، تکرار اور علم کی بنیاد پر دوسرے کو ڈھانے کی عادت نام کو نہیں تھی۔ کارگل کا معرکہ زوروں پر تھا۔ عدنان شاہد نے جنگی وقائع نگار کا روپ دھار لیا۔ کارگل کے بعد اکتوبر ننانوے کا ''جوابی انقلاب'' میڈیا کی ''خبر آرائی'' کا منتظر تھا۔

عدنان شاہد نے اب آئی ایس پی آر کی بریفنگ اور دیگر تقریبات میں براہ راست دلچسپی لینا شروع کر دی۔ خبریں کے رپورٹر اور فوٹوگرافر کے ہمراہ ایک متحرک ترین شخص محترم ضیا شاہد کا فرزند ارجمند تھا، جو اپنے دفتر میں بیٹھ کر بھی معلومات حاصل کر سکتا تھا لیکن اسے بچشم خود سے بقلم خود کی منزل تک پہنچنا تھا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ بریفنگ وغیرہ کے بعد رپورٹرز رخصت ہو جاتے تو ایک مانوس سی سرگوشی کانوں سے ٹکراتی ''سر جی! آپ کے پاس وقت ہے۔ ذرا میجر جنرل راشد قریشی سے بات ہو سکتی ہے؟'' عدنان شاہد کو انکار کرنا دشوار تھا۔ آئی ایس پی آر کے سربراہ کا بنیادی تعلق انفنٹری سے تھا۔ انہیں مسلح افواج کے شعبہ تعلقات عامہ کی نگرانی شروع کئے چند ماہ ہوئے تھے۔ انٹرویو اور بریفنگ کے دوران صحافیوں کے نوکیلے سوالات اور مخصوص جوابات سے کبھی کبھار تعلقات عامہ کے لالے پڑ جاتے تھے۔ یہ اور بات کہ تقریب کے بعد اپنے دیرینہ دوستوں اور دام الفت میں شکار تازہ قلمکاروں کے بارے میں سچے اور کھرے لڑاکا فوجی کے ''کنوارے'' تبصرے تھکاوٹ دور کرنے کا سامان کر دیتے تھے۔ عدنان شاہد کی حیثیت منفرد تھی۔ میجر جنرل راشد قریشی نے دو تین ملاقاتوں

Marfat.com

کے بعد عدنان شاہد کے بارے میں کہا ”ذہین نوجوان ہے‘ لگتا ہے کہ صحافت میں اب پڑھے لکھے نوجوان بھی آ رہے ہیں۔ اس کا مطالعہ وسیع ہے اور ہمارے (مسلح افواج) مسائل بھی سمجھتا ہے۔“

رات گئے اخبار کے دفتر میں عدنان شاہد ایک بے قرار ایڈیٹر کے روپ میں دکھائی دیتے۔ کاپی کی تیاری کے مراحل میں براہ راست دلچسپی اور آخری لمحات میں بھاری بھر کم اشتہار کی آمد سے خبروں کی ترتیب میں انتشار پر قابو پانا ان کے فرائض میں شامل تھا۔ لاہور سے مسلسل رابطہ جس میں جوابدہی کا عنصر غالب رہتا تھا‘ ایک مرتبہ کسی کام سے ایڈیٹر کے دفتر میں بیٹھا تھا کہ عدنان شاہد نے پریشانی کے عالم میں صفحات سیاہ کرنے شروع کر دیئے۔ لکھتے لکھتے سر اٹھایا تو میں نے سبب دریافت کیا۔ ”چیف صاحب (ضیا شاہد صاحب کیلئے) ناراض ہیں۔ آج ایک خبر شائع ہونے سے رہ گئی تھی‘ جواب طلبی ہو گئی ہے۔“ عدنان شاہد کا جواب سن کر میں نے ہمت بڑھاتے ہوئے کہا کہ کوئی بات نہیں والد صاحب کی اطاعت فرض ہے۔ دونوں جہانوں میں اجر ملے گا۔“ یہ سن کر عدنان شاہد نے قلم رکھ دیا۔ دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور کہا سر جی! والد صاحب کے پاس وقت نہیں ہے۔ چیف صاحب ہر وقت موجود ہیں۔“

میری ریٹائرمنٹ کے دن قریب آ رہے تھے۔ ایک روز عدنان شاہد دفتر آئے اور اپنے مخصوص انداز میں ریٹائرمنٹ کے بعد میرے ارادوں کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کر دی۔ ”بس آپ اسلام آباد دفتر میں آ جائیں۔ ایک کمرہ مل جائے گا۔ لکھیں پڑھیں اور...... “ عدنان شاہد کے ”اور“ کے بعد میں نے بات کاٹتے ہوئے کہ اور......اور...... رات گئے چیف صاحب کی جواب طلبی...... عزیزم مجھ میں ضیا صاحب کی کپتانی میں کھیلنے کی صلاحیت اور ہمت نہیں ہے۔“ عدنان شاہد یہ کہتے ہوئے چلے گئے

Marfat.com

کہ میں دوبارہ آؤں گا۔ اللہ بھلا کرے نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد کے ریکٹر بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر عزیز احمد خان کا کہ جنہوں نے ریٹائرمنٹ سے دو ہفتے قبل طلب فرمایا۔ فوج کے سینئر کے طور پر احکامات دیئے کہ ماس کمیونی کیشن (ابلاغیات) کا شعبہ قائم کرنا ہے اور ریٹائرمنٹ لیتے ہی یونیورسٹی میں رپورٹ کرو۔" میں نے عدنان شاہد کو اطلاع دی۔ سر جی! لگتا ہے کہ آپ نے ہم سے جان چھڑائی ہے۔ اچھا ایسا کریں خبریں میں کالم لکھیں۔ میں چیف صاحب سے بات کرلوں گا۔" میرے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ یوں ریٹائرمنٹ کے ایک ہفتے بعد نمل میں ماس کمیونی کیشن ڈیپارٹمنٹ اور خبریں میں کالم نگاری کا ایک ساتھ آغاز ہو گیا۔

تین برس گزر گئے۔ ایک روز نمل سے "پرواز" کی اجازت مانگی جو عطا کر دی گئی۔ عدنان شاہد کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے تین برس پہلے والی بات دہرانی شروع کر دی۔ "میرے بھائی حج کا سفر نامہ شروع کیا ہے۔ ذرا مکمل کرلوں' پھر بات ہو گی۔" عدنان شاہد نے قہقہہ لگایا اور سرگوشی کے انداز میں کہا' گھبرایئے نہیں چیف صاحب اب کم ڈانٹتے ہیں۔"

ضیا صاحب کی علالت کے باعث براہ راست گفتگو کم ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ عدنان شاہد پیشہ ورانہ فرائض کے ساتھ اپنے والد کی دن رات خدمت میں مصروف ہیں۔ یہ چند ماہ پہلے کی بات ہے کہ صدر جنرل پرویز مشرف کی جانب سے عشائیہ میں ایڈیٹر صاحبان' کالم نگار اور سینئر صحافی مدعو تھے۔ بوفے ٹیبل کے ارد گرد ماحول سازگار ہوا۔ میں پلیٹ تھامے آگے بڑھا تو عدنان شاہد نے دیکھتے ہی حسب سابق والہانہ انداز میں خیریت دریافت کرنا شروع کر دی۔ اپنے سے بڑی عمر کے "احباب" سے حد ادب عدنان شاہد کی زندگی کا خاصہ تھا۔ اس روز وہ مجھے تھکا تھکا دکھائی دیا۔ سبب دریافت کیا

Marfat.com

توانگریزی اخبار (دی پوسٹ) کیلئے محنت طلب اوقات بنیادی وجہ تھے لیکن اصل بات ضیاشاہد صاحب کی علالت تھی' جس نے اسے ذہنی طور پر پریشان کئے رکھا۔ "اللہ کا شکر ہے کہ اب پہلے سے بہت بہتر ہیں۔ انشاءاللہ جلد ٹی وی چینل بھی شروع کریں گے۔" عدنان کی نگاہیں امید بھرے مستقبل کی نشاندہی کر رہی تھیں۔ "کل آپ دفتر آجائیں' کچھ مشورے کرنے ہیں۔ نہیں نہیں میں راولپنڈی آجاتا ہوں۔ آپ زحمت نہ کریں۔ میں فون کر کے جگہ طے کرلوں گا۔"

اگلے روز دوپہر تک فون نہیں آیا۔ دفتر سے پتہ چلا کہ ضیاشاہد صاحب کے ہمراہ واپس لاہور چلے گئے ہیں۔ رات گئے لاہور سے معذرت کی کال تھی اور "انشاءاللہ جلد ملاقات ہوگی" کے جملے پر اختتام۔

یہ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ عدنان شاہد سے آئندہ ملاقات اس انداز میں ہوگی کہ کفن کی سفید چادر اوڑھے تنہا اس طویل سفر پر جا رہا ہوگا کہ جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ محترم ضیاشاہد' محترمہ یاسمین شاہد' عزیزم امتنان شاہد اور مرحوم کی اہلیہ سمیت خاندان کے ہر فرد کیلئے یہ عظیم ذاتی سانحہ ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ عدنان شاہد اپنے خاندان کیلئے لازم وملزوم تھا۔ اس نے اپنے حلقہ احباب کو بھی حد درجہ افسردہ اور ویران کر دیا۔ سب برسوں عدنان شاہد کو تلاش کرتے رہیں گے جو دوگنی رفتار سے زندگی بسر کر کے 37 برس کی عمر میں 74 برس کے کام کر گیا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

صحافت کا چاند

خواجہ پرویز

خبریں گروپ آف پبلی کیشنز کے روح رواں ضیا شاہد (اللہ انہیں عمر خضر اور صحت کاملہ عطا کرے) علاج کیلئے امریکہ گئے تو انگریزی اخبار ''دی پوسٹ'' کے ایڈیٹر عدنان شاہد اور بیگم ضیا شاہد بھی ان کے ہمراہ تھے۔ چیک اپ کے بعد امریکہ سے لندن آئے اور پاکستان واپسی کیلئے ٹکٹوں پر سٹیکرز لگوانے کیلئے عدنان صاحب اکیلے بکنگ آفس گئے اور ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بچھڑ گئے۔ عمر 37 سال' صحت قابل رشک' اچانک دل کی آرٹری بند ہو گئی اور صاحب علم' ملنسار اور اپنی عمر کے اعتبار سے کہیں زیادہ ذہین عدنان ہم سے قیامت تک کیلئے جدا ہو گئے۔ جوان اولاد کی موت کا صدمہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ ضیا شاہد تو محبت کا مجسمہ ہیں۔ پردیس میں کسی پر یہ حادثہ گزرتا تو وہ چکنا چور ہو جاتا لیکن مضبوط اعصاب اور خدا کی رضا کو دل و جان سے قبول کرنے والے ضیا شاہد نے نہ صرف اپنے آپ کو سنبھالا بلکہ جواں سال بیٹے کی جدائی کے سبب صدمے سے نڈھال بیگم ضیا شاہد کو بھی صبر کی تلقین کی اور بڑی کاوش کے بعد انہیں لندن سے لاہور لائے۔

Marfat.com

گورنمنٹ کالج کے کانووکیشن میں ڈگری لینے کے بعد اساتذہ اور ساتھی طلباء کے ہمراہ۔

Marfat.com

عدنان شاہد زمانہ طالبعلمی میں اپنے دوستوں کے ہمراہ۔

Marfat.com

لندن کے ہسپتال بڑی سے بڑی شخصیت کی خاطر بھی اپنے اصول نہیں بدلتے اور اپنے مقرر کردہ قواعد و ضوابط کے مطابق کارروائی کرتے ہیں۔ مرحوم عدنان شاہد کی میت جمعہ کے روز لاہور پہنچی۔ تین بجے کے لگ بھگ نماز جنازہ پاکستان کے ہزاروں علم دوست افراد نے اشکبار آنکھوں اور مغفرت کی دعاؤں کے ساتھ ادا کی۔ انسان اس معاملے میں کتنا بے بس ہوتا ہے۔ علم و اخلاق کا یہ خزانہ بھی زیر زمین چلا گیا۔ بقول غالب:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایا کیا کئے

سنگدل زمین نے انسان دوستی کا یہ خزانہ بھی چھپالیا۔ صرف صبر ہی کیا جاسکتا ہے۔ رضائے الٰہی کے آگے سر جھکانا ہی ایمان کی نشانی ہے۔ پروردگار نے اپنے محبوب حضرت محمدؐ کا امتحان بھی اسی طرح لیا تھا۔

ایک یاد

میں ادارہ خبریں کے دوسرے فلور سے گراؤنڈ فلور پر جانے کیلئے لفٹ میں داخل ہوا۔ مرحوم عدنان شاہد چوتھے فلور سے نیچے جاتے ہوئے پہلے ہی لفٹ میں موجود تھے۔ یہ عدنان صاحب کے امریکہ جانے سے دوچار دن پہلے کا واقعہ ہے۔ لفٹ گراؤنڈ فلور پر رکی تو میں نے احتراماً عدنان صاحب کو پہلے نکلنے کو کہا۔ وہ مسکرائے اور بولے 'سوری سر آپ میرے والد کے دوست اور پسندیدہ بزرگ ہیں' میں آپ سے پہلے نکلنے کی گستاخی نہیں کروں گا۔ عدنان شاہد کی وفات کی خبر سننے سے آج تک یہ فقرہ میرے کانوں میں گونج رہا ہے اور شاید زندگی کے آخری سانس تک گونجتا رہے گا۔ آجکل بزرگوں کا احترام نہ کرنے کا دور ہے لیکن عدنان مرحوم اس دور سے

Marfat.com

قطعاً متاثر نہیں تھا' وہ حقیقتاً بڑے باپ کا بڑا بیٹا تھا۔

عدنان شاہد کی موت پر چیف ایگزیکٹو خبریں گروپ آف پبلی کیشنز ضیا شاہد اور ایڈیٹر خبریں امتنان شاہد کے ساتھ اظہار افسوس کرنے والوں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ صدر پرویز مشرف سے لے کر حزب اختلاف اور ہر وہ شخص اس المناک حادثے پر دلی افسوس کا اظہار کر رہا ہے جو زندگی میں لمحہ بھر کیلئے مرحوم سے ملا۔ چودھری پرویزالٰہی اور وزیراعلیٰ سندھ ارباب غلام رحیم کو بھی میں نے ضیا صاحب کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے دیکھا۔ ضیا صاحب نے ایک صابر مومن کی طرح قاضی حسین احمد اور دوسرے علمائے کرام کی رائے سے اتفاق کیا لیکن نہ جانے کیوں مجھے ایسے محسوس ہوا کہ ان کی آنکھیں صرف ایک سوال پوچھ رہی تھیں' کیا میرا بیٹا واپس آ سکتا ہے؟ خبریں اور نیا اخبار کے ایڈیٹر امتنان شاہد بڑی مضبوط شخصیت کے مالک ہیں لیکن بڑے بھائی کی وفات نے شاید ان کو بھی اندر سے توڑ کر رکھ دیا ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو اور دل میں نہ ختم ہونے والا غم افسوس کیلئے آنے والے ہر فرد کو نظر آ جاتا ہے۔

کم علمی کے باوجود اس کالم کے عنوان سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ بڑی شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ دنیاوی وجاہت' عظمت اور دولت صرف دکھاوے کی چیزیں ہیں۔ دنیا کو دین پر ترجیح دینے والے نہ جانے کس غفلت کا شکار ہیں۔ مرحوم عدنان شاہد کسی انسان کا دل دکھانا گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ ان کی ناگہانی موت پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے' وہ شخص سارے ملک کو ویران کر گیا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

دستِ اجل

صوفیہ بیدار

شبنمی، معطر، معصوم موتیوں کی طرح ٹوٹ کر برسنے والے قطرے گواہی دے رہے تھے کہ زمین و آسمان کا تعلق اتھاہ گہرا ہے۔ جب زمین پر کوئی ماں اپنے آنگن کا سب سے خوش رنگ اور اولیں محبتوں کا نوخیز پھول فضاؤں میں بکھرتا دیکھتی ہے تو فضائیں نوحہ گر ہو جاتی ہیں۔ آسمان ماں کے اشکوں میں اپنے اشک ملا دیتا ہے۔ 10 فروری کی اشک آلود صبح ایسی مرگ ناگہانی کی خبر لائی کہ دل دہل گیا' نہیں نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔ مسلسل گھنٹیاں بجنی شروع ہو گئیں عدنان شاہد' عدنان شاہد...... مگر کیسے؟ اسے تو اپنے بیٹے نوفل کو ابھی بیاہنا ہے' بیٹیاں اپنے سائے میں بڑی کرنی ہیں' ابھی تو تین ننھے ننھے پھول کھلے ہیں' اس کے آنگن میں' محبت کرنے والی بیوی حمیرا کے سر کا سائیں...... یا خدا! یہ تو اپنے بندوں سے کیا امتحان لیتا ہے' سارا شہر سارا دن اضطراب میں بھیگا رہا۔

یکا یک یادوں کی دستک دلخراش صورت اختیار کر گئی۔ میری یادوں کے افق پر گورا چٹا چھریرے بدن کا خوش وضع' خوش گفتار' لاابالی سا نوجوان ابھرا۔ 92ء میں

Marfat.com

''خبریں'' کا اجراء ہوا۔ نوجوان عدنان یونیورسٹی کے سٹوڈنٹ تھے۔ میرے والد ع ادیب ''خبریں'' کے جنرل منیجر تھے' اکثر آتے جاتے یہ نوجوان ملتا۔ نہایت جانفشانی سے مسائل سے نبٹنا' روزانہ کا نیوز پرنٹ' مشینیں' خبریں' اشتہارات' مسئلے مسائل' والد کے ہمراہ عدنان نہایت مؤدب ہر سینئر کو ''سر'' کہتے ہوئے دکھائی دیتا حالانکہ عدنان شروع ہی سے فلاسفر اور آرٹسٹ ٹائپ لڑکا تھا لیکن اس کے ذمہ چونکہ اخباری معاملات تھے۔ لہٰذا وہ پوری دیانتداری سے یہ سب نبھا رہا تھا۔ نوعمری اور طالب علمی میں بھی اس قدر جانفشانی اور اوپر سے ''خبریں'' کے حالات ویسے ہی تھے جیسے نئے اخبار کے ہوتے ہیں' جو سیٹھوں کی مدد سے نہیں نکلا تھا۔ تاہم کارکنوں کے ساتھ ہلہ گلہ اور تفریح میں کبھی کمی نہ رہی۔ بسیں بھر کے چھانگا مانگا' اٹک' پشاور' راولپنڈی اسلام آباد جایا جاتا۔ بس میں دو دو گروپ بن جاتے۔ ایک طرف ایثار رانا' عظیم نذیر' امجد اقبال اور فیملیاں دوسری طرف عدنان اویس اور ینگ پارٹی خوب گانے تالیاں اور مقابلے ہوتے۔ میں چھوٹے بچوں کے ساتھ انتہائی محظوظ ہوتی۔ میرے بچے بھی ان سب میں بہت خوش ہوتے۔ ایسے میں عدنان کو جب موقع ملتا ہم سب خواتین کو اکٹھا کرتا اور چھانگا مانگا کے لان میں بٹھا کر سامنے کرسی پر بیٹھ کر خوب گانے سناتا۔ اس قدر دلکش گٹار بجاتا کہ بس۔ اکثر یہ گانا ''ہے اپنا دل تو آوارہ نہ جانے کس پہ آئے گا'' کو بدل کر اس طرح گاتا ''ہے اپنا دل تو آوارہ نجانے کس کس پہ آئے گا۔''

باجی یاسمین محبت سے گھورتی تو ہنس دیتا۔ امتنان میٹرک میں تھے۔ ضیا صاحب کو افسوس تھا' کہتے تھے یہ بھی میٹرک کر جائے گا تو گھر میں کوئی بچہ نہیں رہے گا۔ امتنان کو بڑے بھائی کے سائے میں رہنے کی عادت ہے۔ ان کی جوڑی ہی اچھی لگتی تھی۔ مائیں جوڑیاں بناتی ہیں اور...... اجل جوڑی توڑ دیتی ہے۔ ضیا صاحب نے یقیناً بہت طویل بیماری کاٹی ہے لیکن وہ اس غم کے آگے کچھ بھی نہیں۔ ماں باپ تو ہوتے ہی قربان

Marfat.com

ہونے کیلئے ہیں۔ وہ تو بچوں کے صدقے میں چلے جاتے ہیں۔ وہ جیتے جی کہاں یہ صدمے اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ بیماری سے نہیں گھبرائے۔ بیماری نے انہیں نہیں توڑا۔ وہ بتاتے ہیں کہ وہ تین مرتبہ ذہنی طور پر خود کو موت کیلئے تیار کر کے کلمہ پڑھ چکے تھے۔ والد کی محبت ماں کی محبت سے بڑی مختلف ہوتی ہے۔ جوان بیٹوں کو دیکھ کر خوشی سے سینہ پھولتا ہے تو بظاہر ڈانٹ کر سعادت مندی کا امتحان لیا جاتا ہے۔ جب جوان بیٹے ڈانٹ کھا کر سر جھکا لیتے ہیں تو باپ کا دل اتنا بڑا ہو جاتا ہے' باپ نظر بھر کر بیٹوں کو نہیں دیکھتے کہیں نظر نہ لگ جائے۔ اپنی انتہائی تکلیف دہ بیماری کو کچھ نہ سمجھنے والا شخص اندر سے ٹوٹ گیا ہے۔ کامیاب ایڈیٹر کامیاب صحافی گروپ آف پبلی کیشن کا سربراہ باپ کی حیثیت میں ہار گیا ہے۔ یہ زخم بڑا کاری ہے۔ جب نوشین کی شادی ہوئی تو چونکہ ان کی کوئی بہن نہیں' لہٰذا دونوں بھائیوں نے انہیں یہ کمی محسوس نہ ہونے دی۔ دلہن کو خود سہارا دے کر ہال میں لائے۔ اس کے سارے ناز اٹھائے۔ نوشین تو بس ایسی ہیں کہ ہر کوئی ایسی بیٹی کی تمنا کر سکتا ہے۔ اپنے بچوں کے ماموں کیلئے کتنا تڑپی ہو گی۔

باجی یاسمین جب عدنان کی شادی کر رہی تھیں' بڑی خوش تھیں۔ کہتی تھیں بہت اچھی لڑکی ہے۔ عدنان خوش ہے۔ پھر جب دو پھول اکٹھے کھلنے کی نوید ملی تو پھولے نہ سماتی تھیں۔ تبھی ایک غنچے کو نظر لگ گئی تو بڑی دکھی ہوئیں۔ کہتی تھیں میرے عدنان کو خدا نے دو بیٹے دیئے مگر نظر لگ گئی۔ اب تو کافی عرصے سے میری باجی کی خوشیوں کو نظر لگی ہوئی ہے۔ ایک کے بعد ایک تکلیف مسلسل دعا اور عبادت میں رہتی ہیں۔ بیماری آجاتی ہے لیکن جس طرح طویل بیماری میں ضیا صاحب کی فیملی نے ان کے ایک ایک پل کا حساب رکھا' خدمت و محبت کی انتہا کی' ایسا بہت کم خاندانوں میں ہوتا ہے۔ عدنان بھی آخری وقت تک اپنے والد کی خدمت میں'

Marfat.com

تیمارداری میں خالق حقیقی سے جا ملا۔ سعادت مندی کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے؟ یہ دل بڑی عجیب چیز ہے۔ تواتر سے دھڑکتا ہے لیکن اس کی سطح پر جمع ہونے والے سیاہ دھبے کوئی نہیں شمار کر سکتا۔ یہ بلاٹنگ پیپر کی طرح غموں کو جذب کرتا ہے تا آنکہ اس کے تمام مسام بند ہو جائیں' یہ دھڑکتا رہتا ہے۔

لیکن عدنان کے سلسلے میں صریحاً اجل "چھل" کر گئی ہے کیونکہ زندگی کا یہ مقام بڑا پیارا ہوتا ہے' جب انسان دو لڑیوں کے بیچ کی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ ایک طرف ماں باپ کے شفیق سائے' دوسری طرف گھر آنگن کی کیاری میں ننھی کلیاں اور باوفا بیوی ہو' انسان کا دل یہی چاہتا ہے کہ اس کے بچے اس کے والدین سے کھیلیں اور وہ کہیں دور بیٹھا تماشا کرے۔ جب بڑے موجود ہوں تو کوئی کیسے بڑا بنے۔ بس بچہ بنے رہنے کو دل کرتا ہے۔ مجھے انتہائی دکھ ہوتا ہے میری باجی یاسمین کے صرف تین بچے تھے دو رہ گئے ہیں۔ پہلا بیٹا ماں کی کمزوری ہوتا ہے۔ عورت اس کے دم سے اہمیت اور حیثیت محسوس کرتی ہے۔ باجی کو ویسے بھی عدنان سے شاید زیادہ محبت تھی۔ گزشتہ دنوں انہوں نے عدنان کے نام ایک تنبیہی کالم لکھا تھا' جس میں ایک شفیق ماں کی طرح اسے اس کے بیٹے "نوفل" کو وقت دینے کو کہا تھا۔ ساتھ ہی عدنان کے بچپن کی باتیں لکھتے ہوئے ضیا صاحب کی قید کے زمانے میں ننھے عدنان کی نعرے بازی کا بھی لکھا جو وہ والد کی رہائی کیلئے کر رہا تھا۔

ماں کی آنکھوں کی پتلیوں میں تو ہر لمحہ بچوں کی سینکڑوں ہزاروں تصاویر منعکس ہوتی رہتی ہے۔ یہ وہ کیمرے ہیں جن کی ڈیوٹی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ہر لمحہ زیست کو Capture کریں۔ ماؤں کی آنکھیں بچوں کا پیچھا کرتی رہتی ہیں۔ ممتا سے بڑا بوجھ کوئی نہیں۔ ممتا سے بڑا عذاب کوئی نہیں۔ بہت رلاتی ہے۔ ممتا بہت ستاتی ہے۔ ممتا

Marfat.com

لحظہ لحظہ ہر جھونکے سے بچا کر اپنے سے اونچا کر کے کہیں جو اطمینان کا سانس لیتی ہے تو کیا پتہ کہ چلنے کی تیاری ہو چکی ہے۔ ازل کا گھڑیال رک بھی چکا۔ ابد کی توثیق ہو بھی چکی۔ کہار آ بھی چکے۔ ڈولی اٹھ بھی چکی۔ اتنا نوجوان دولہا' ماں کا کلیجہ' دلہن کا دل کس قدر شکستہ خاطر ہے' آہوں کی ہمجولی موت کس قدر بے رحم ہے' سفاک ہے۔

ٹھہریئے! مجھے عدنان کا ایک اور روپ یاد آیا۔ بشریٰ رحمان کے بیٹے کی شادی تھی۔ جب ڈھول بجانے والے نوجوانوں کی ٹولی کے ساتھ آگے بڑھے تو گلے میں دوپٹے ڈالے رقص کرتے تیز دھن پر بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ ان کے آگے سب کو لیڈ کرتا ہوا گورا چٹا نوجوان ہاتھوں میں زرد دوپٹہ لہراتا جو سب سے خوبصورت رقص کر رہا تھا وہ عدنان اویس شاہد تھا۔ میری آنکھوں میں اس وقت بھی ہنستا' مسکراتا' گاتا' جھومتا ہوا لڑکا ہے' جسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ وہ اب ایک انگریزی روزنامے کا ایڈیٹر ہے۔ وہ تو مست تھا۔ دوستوں میں خوش تھا۔ کاش یہ آنکھیں اسے ایسا ہی دیکھتیں۔ اب جس طریقے سے وہ واپس وطن آ رہا ہے یہ تو کوئی طریقہ نہیں۔ ایسے تو گھر نہیں آتے۔ یہ تو دھوکہ ہے' چھل ہے' فریب ہے' ننھے ننھے بچے گھبرا جائیں گے' یہ کیا کیا......؟

شعیب بن عزیز نے بھی کیا خوب کہا ہے:

کوئی روکے کہیں دستِ اجل کو
ہمارے لوگ مرتے جا رہے ہیں

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ہجر کی راتیں

شیریں حیدر

''ماں اور بیٹے کا رشتہ شاید دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے' باقی سب ایویں ہے۔'' یہ جملہ ضیا صاحب نے اپنے چھوٹے بیٹے امتنان شاہد کے بارے میں لکھے گئے ایک کالم میں رقم کیا تھا۔ واقعی حقیقت ہے کہ حقیقی اور خونی رشتے ہی سچائیاں ہیں اور بعض مستثنیات کے علاوہ حقیقی رشتے ہی دنیا کے خوبصورت ترین رشتے ہیں۔ ایک ماں کی حیثیت سے میں یہ بھی جانتی ہوں کہ دنیا کی تمام مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ماں کا اولاد سے تعلق ایک ہی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اپنے بچے سے محروم ہونا ایک ماں کیلئے ناقابل تلافی نقصان ہے' خواہ وہ بچہ ابھی پیدا ہی نہ ہوا ہو اور جو بچہ پیدا ہوا ہو' ماں کی گود میں اس نے پرورش پائی ہو' اس کی نظروں کے سامنے جوان ہوا' ماں نے اس کیلئے دلہن لانے کے خواب دیکھے اور پھر ان خوابوں کی تعبیر بھی۔ اس کی پیاری سی دلہن کو گھر میں بستے دیکھا اور اس بیٹے کی اولاد کے دادا' دادی بن کر زندگی کے ایک نئے رخ سے آشنا ہوئے۔ وہ بیٹا جو ابھی ایک جانفزا پھول بن کر کھلا تھا' باپ کا دست راست' فقط 37 برس کی عمر پا سکا۔ جسے باپ اپنا رفیق سفر بنا کر غالباً اس لئے

Marfat.com

یکم فروری 2006ء

Marfat.com

دسمبر 2004ء میں اپنی شادی کی سالگرہ کے موقع پر۔

Marfat.com

لے گیا ہو گا کہ احساس تنہائی نہ رہے۔ معلوم ہی نہ تھا کہ اصل میں عدنان شاہد کو اس مقام' اس وقت بلکہ اس لمحہ موت تک خود چل کر پہنچنا تھا۔ اتنی جوانی میں دل کا ایسا جان لیوا حملہ' کیسے زمین اور آسمان شق ہو گئے ہوں گے ایک ماں کیلئے۔

ضیا صاحب اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں کہ اخبار نکالنے کے بعد ان کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں اور ان کی ان کے گھر والوں سے ملاقاتیں بھی ختم ہونے لگیں تو انہوں نے اس مسئلے کا حل یہ نکالا کہ لاہور سے باہر جانا ہوتا تو اکثر گھر کے کسی فرد کو ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ''راستے میں ملاقات رہے۔ لاہور سے باہر بھی گپ شپ کا موقع مل جائے۔'' اور حسب عادت وہ ملک سے باہر جاتے ہوئے عدنان کو ہمراہ لے گئے ہوں گے کہ اس سے ملاقات رہے' مگر یہ تو وہ کبھی بھی نہ سوچ سکتے ہوں گے کہ یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہو گی۔ ضیاصاحب کیلئے یہ صدمہ کسی کوہ گراں سے کیا کم ہو گا' ان کا جوان بیٹا جو اپنی ذمہ داریاں بھی بڑے احسن طریقے سے سنبھالے ہوئے تھا' ان کا دست راست تھا۔ اس کی جگہ کوئی لے سکتا ہے بھلا؟ نہ اس کی جگہ باپ کیلئے کوئی لے سکتا ہے' نہ ماں کیلئے' نہ بھائی کیلئے' نہ بہن کیلئے اور نہ ہی بیوی اور بچوں کیلئے۔

آج عدنان شاہد کے بچوں کا بھی شاید وہی حال ہو' جو ضیاصاحب نے اپنے ایک کالم میں اپنے والد جان محمد صاحب کی وفات کے حوالے سے لکھا تھا' جب ان کی عمر فقط گیارہ ماہ اور چند دن تھی اور ان کے ذہن میں اس کا بڑا دھندلا سا خاکہ ہے۔ لکھتے ہیں ''شاید میت کو دفنانے کے بعد آخری مہمان نے بھی رخصت ہونے سے پہلے اس بچے کے سر پر ہاتھ ضرور پھیرا ہو گا' جو خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا ہو گا۔ یہ لوگوں کے چہرے غمگین کیوں ہیں' وہ مضبوط بازو جو اس کا سہارا تھے'

Marfat.com

کہاں چلے گئے 'اب جو ہاتھ اسے چھوتے ہیں ان میں وہ گرمی' وہ شفقت کیوں نہیں۔ محبت کی وہ ''ریڈی ایشن'' کہاں گم ہوگئی' جسے صرف محسوس کیا جاسکتا ہے' بیان نہیں کیا جاسکتا۔''

کس قدر مشکل ہے اس صدمے کو سہنا' ہر رشتے کیلئے۔ اگرچہ خود ضیا صاحب اپنے ایک کالم میں کہتے ہیں کہ ''کسی حادثے پہ کسی کے غم یا دکھ کا تعلق اس بات سے ہے کہ اس کا حادثے سے ناتا کیا ہے'' لیکن بسا اوقات ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ہر شخص جس کا ذرا سا بھی ناتا یا تعلق رہا ہو' وہ غم کو محسوس کرسکے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ماں اس طرح رنجیدہ نہیں ہوسکتی' جس طرح آج یاسمین شاہد ہے' حمیرا اویس جیسی کیفیت کسی کی ہوسکتی ہے' نہ امتنان اور نوشین جیسی۔ اس کے باپ جیسا محروم آج کون ہوسکتا ہے اور یتیم تو فقط اس کے تین بچے ہوئے ہیں۔

کہنے اور سننے کو ایک عدنان شاہد دنیا سے چلا گیا ہے لیکن دراصل وہ ایک شخص ایک شخص نہیں ہوتا بلکہ ایک شخص ایک پورا دائرہ ہوتا ہے۔ وہ ایک بیٹا تھا' بھائی تھا' باپ تھا' شوہر تھا' ماموں تھا' تایا تھا' باس تھا' رفیق تھا' ساتھی تھا اور جانے کتنوں کا سچا دوست' ہمدرد اور غمگسار تھا۔ ایک شخص کا جانا ایک نقصان نہیں ہوتا' بہت سے لوگوں کا نقصان ہے۔ وہ ایک اخبار کا بوجھ خود اٹھائے ہوئے تھا۔ ایک ذمہ داری اس نے نبھائی ہے۔

ضیا صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے بہت سے پیاروں کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا ہے یا اپنی آنکھوں کے سامنے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کے کالم پڑھیں تو ہر ہر موقع پر ان کے جذبات کی عکس بندی ہوتی ہے۔ وہ اپنے بڑے بھائی بقا محمد کی وفات پر لکھتے ہیں ''وہ جب تک زندہ رہے کڑکتی دھوپ میں میرے سر پر گھنا سایہ کئے رکھا۔ ان کی شفقتیں ملتان سے لاہور تک یوں پھیلی رہتی تھیں کہ میں تو

Marfat.com

کیا میرے ساتھ جو تھا' وہ بھی ان سے فیض یاب ہوتا تھا۔"

اپنے دوسرے بھائی ڈاکٹر مزمل کی وفات پر لکھتے ہیں "میری امی گھر کے اس حصے میں رہتی ہیں' جسے ڈاکٹر مزمل نے اپنے لئے بنایا تھا۔ ہر صبح میں انہیں سلام کرنے کیلئے اس طرف ایک چکر لگاتا ہوں اور چونکہ میں اس سلسلے میں ایک بہادر آدمی نہیں ہوں' لہذا مزمل بھائی کا خالی خالی گھر دیکھ کر میرا دل اور خالی ہو جاتا ہے' اس لئے میں جلدی سے جلدی واپس آنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

اپنے ایک اور کالم میں ضیا صاحب زندگی کو ایک میراتھان ریس سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں "زندگی کی ریس کہاں ختم ہوئی اور موت کی سرحد کہاں شروع ہوئی' اس کا بھید تو پہنچے ہوؤں کو' بزرگوں کو' رشیوں کو' منیوں کو نہ مل سکا' پھر اس بھید کو جان کر کریں بھی کیا کیونکہ ایک بات طے ہے کہ کسی بھی قبرستان کے قریب سے گزرتے ہوئے زبانی تو ہم مان جائیں گے لیکن دل سے ہم میں سے شاید ہی کوئی اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ ایک دن ہمیں بھی مرنا ہے اور ہم جو جیتے جاگتے' اکڑتے پھرتے ہیں۔ اگر واقعی اس بات پر ایمان لے آئیں تو دنیا کا نقشہ ہی نہ بدل جائے۔"

اپنے ایک اور کالم میں وہ لکھتے ہیں کہ "درد نے مجھے اپنے شکنجے میں لے لیا۔ درد نیچے بہت نیچے سے اٹھ رہا تھا۔ اندر سے اس کی لہریں میرے پورے کندھے اور گردن کو توڑ رہی تھیں۔ چند لمحوں کے اندر میرا پورا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ سینے میں درد ہے۔" مزید لکھتے ہیں "بستر پر لیٹے لیٹے میں نے آنکھیں کھولیں تو سینے میں درد نہیں تھا۔ البتہ ایک خلا سا تھا جیسے آندھی آنے کے بعد یک بیک سناٹا طاری ہو جائے' جیسے تمیز ختم ہونے

Marfat.com

کے بعد صرف خالی کرسیاں پڑی ہوں۔ میرے دوست نے میری کھلی آنکھیں دیکھ کر کچھ پوچھا لیکن الفاظ سنائی نہیں دے رہے تھے۔ میں نے اشارے سے کچھ کہنا چاہا لیکن اچانک یہ خوفناک احساس ہوا کہ میں ہاتھ نہیں ہلا سکتا اور وہ مکھی جو میرے چہرے پر بیٹھی تھی اور آنکھوں کی طرف بڑھ رہی تھی اسے بھی نہیں اڑا سکتا۔ میرا جسم مکمل طور پر جیسے سن ہو چکا تھا۔" اور "میں مکمل طور پر جاگ رہا تھا مگر آنکھیں نہیں کھول سکتا تھا۔ میرا دماغ کام کر رہا تھا مگر جسم بالکل ساکت تھا۔ خیالات کے ایک ہجوم نے جیسے مجھ پر حملہ بول دیا۔ کیا میں مرنے والا ہوں؟ کیا اوپر سے بلاوا آ گیا ہے؟ لبیک اللھم لبیک۔"

آج ایک بے بس باپ' وہ دھیمے دھیمے لہجے میں بولنے والا انسان جو حق کی آواز کو بلند کرنے کا عزم لے کر اپنا سفر طے کر رہا ہے' کیسے اپنے دل کے نالے اور چیخیں دبا رہا ہوگا۔ وہ کیسے کرب کے عالم میں ہوگا۔ جسم کا کوئی عضو کٹ جائے تو درد ہوتا ہے' مگر جگر گوشہ نہ رہے تو کرب ہوتا ہے بلکہ اس کیفیت کیلئے تو الفاظ ہی دریافت نہیں ہوئے ہوں گے۔ محرم الحرام کا مہینہ جس میں ایک عالم غم حسینؓ مناتا ہے' اس مہینے سے ان کا اتنا بڑا دکھ وابستہ ہو جائے گا اور عدنان شاہد کی ماں' جو نظروں سے اپنے بیٹے کی بلائیں اتارتی ہوگی' اپنے بچوں کی صحت اور سلامتی کیلئے صبح و شام دعائیں مانگتی ہوگی' آج اس کے وجود پر گویا مستقل شب غم طاری ہو گئی ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی انہیں تسلی نہیں دے سکتا۔ انہیں اس غم کے ساتھ ہی جینا ہے' اس غم کی شدت کبھی کم نہیں ہوتی' کبھی ایسی رات کی صبح نہیں ہوتی۔

"O God" نامی اپنے کالم میں لکھے ہوئے ضیا صاحب کے الفاظ مجھے یوں لگتا ہے کہ شاید اس وقت ان کے جذبات بہترین ترجمان ہوں گے "ہم کیا اور ہماری بساط

Marfat.com

کیا"۔ "کئی سال پہلے میں تھا' میری بیوی یاسمین تھی' میری بیٹی نوشین تھی' میرے بیٹے عدنان اور امتنان تھے۔ ہم روتے جاتے تھے اور طواف کرتے جاتے تھے"۔ "جسم جو مٹی کا بنا ہوا ہے برداشت نہیں کر پا رہا' سانس ہے کہ آسانی سے نہیں آ رہی۔ رونگٹے ہیں کہ پورے کے پورے کھڑے ہو گئے ہیں"۔ "او ملتزم والے! او چوکھٹ والے' او سیاہ گھر والے' حوصلہ بھی تو دے کہ برداشت کر سکیں کہ ذرا دکھ ملتا ہے تو تیرے گھر کی چوکھٹ پکڑ کر دعا مانگنے والے بھی تو ہی بھیجتا ہے۔ اتنی ہمت تو دے کہ پہاڑوں کو چیرنے والی جو قوت وہاں سے چل کر ہمارے ناتواں جسموں اور کمزور دلوں میں آ رہی ہے' اسے برداشت کر سکیں۔"

دُعا ہے کہ ربّ العالمین ان کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی قوت دے۔ انسان کتنا بھی مضبوط ہو جائے' اس کا یہ روپ دوسروں کیلئے ہوتا ہے اولاد کیلئے باپ' باپ ہی ہوتا ہے۔ باہر سے چٹان کی طرح سخت باپ کا دل بھی اولاد کیلئے بھربھری مٹی کی طرح ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ عدنان شاہد کے باپ کے لگ بھگ سات سال قبل لکھے اس کالم سے کریں جس میں ایک باپ لکھ رہا ہے "میرا بڑا بیٹا عدنان اکنامکس میں ایم اے کر رہا تھا' گورنمنٹ کالج لاہور کا اچھا طالب علم تھا' سی ایس ایس کرنا چاہتا تھا' مگر مجھے بہت سے کاموں میں چوبیس گھنٹے ایک کارکن کی ضرورت تھی' لہٰذا میں نے اسے اپنے کام میں گھسیٹ لیا۔ اس کیلئے شعوری طور پر کسی خاص تاریخ کو میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ بس اس نے مجھے دن رات کام میں جتے دیکھا تو خود ہی میرا ہاتھ بٹانے لگا اور پھر رفتہ رفتہ وہ میری دفتری ضرورت بن گیا۔ پچھلے دنوں جب میں حسب معمول دفتری کاموں کے سلسلے میں اسے کچھ سمجھا رہا تھا اور وہ جواب میں دلائل دے رہا تھا' اچانک مجھے وہ کچھ کمزور کمزور پیلا پیلا سا لگا۔ دفتر میں وہ مجھے ہمیشہ ضیا صاحب کہتا اور میں بھی اسے نام کے ساتھ

Marfat.com

صاحب کہہ کر پکارتا ہوں لیکن اس روز اچانک ایک چیف ایڈیٹر اور چیف ایگزیکٹو کے اندر سے ایک محسوس کرنے والا باپ نکل آیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا جو میرے ہاتھ سے بھی کمزور اور زرد سا لگ رہا تھا۔ میں نے اسے کہا "کھانا وقت پر کھایا کرو اور نیند پوری کیا کرو' ورنہ بیمار پڑ جاؤ گے۔" آج عدنان دنیا سے ہمیشہ کیلئے چلا گیا ہے اور اس کا باپ اس وقت صرف باپ ہی ہوگا۔

اپنے والدین کی آنکھوں کے تارے عدنان' تم تو آسمان کا ایک تارا بن گئے ہو۔ پہنچ سے دور' زندگی کے ہر بوجھ سے نجات پا گئے ہو۔ تمہاری آمد کی منتظر نگاہیں پتھرا گئی ہوں گی۔ شاید انشاء جی نے انہی کے جذبات کی ترجمانی کیلئے یہ نظم کہی ہو گی:

خوب ہمارا ساتھ نبھایا' بیچ بھنور کے چھوڑا ہات
ہم کو ڈبو کر خود ساحل پر جا نکلے ہو' اچھی بات!
شام سے لے کر پو پھٹنے تک کتنی رتیں بدلتی ہیں
آس کی کلیاں یاس کی پت جھڑ صبح کے اشکوں کی برسات
اپنا کام تو سمجھانا ہے اے دل رشتے جوڑ کہ توڑ
ہجر کی راتیں لاکھوں کروڑوں' وصل کے لمحے پانچ کہ سات
انشاء صاحب صبح ہوئی ہے' اٹھو بھی اب کوچ کرو
اس منزل پر قافلے والے رکتے ہیں بس رات کی رات

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

رُکے آنسو

محمد صغیر قمر

جب یہ سطور پڑھی جا رہی ہوں گی وہ تمام تر اعمال کے ساتھ اپنے ربّ کے سامنے حاضر ہو گا۔ یہ اس دنیا کی ریت ہے' یہ اس عارضی ناپائیدار مگر ہر آن اپنی طرف کھینچتی زندگی کا انجام ہے۔ کوئی بہت دیر سے اس انجام کو پہنچتا ہے کوئی جلد۔ بہر حال سب کی منزل یہی ہے' سب کا انجام ایک ہے۔ اپنی اپنی باری کے سب منتظر ہیں اس زندگی میں کتنے لمحے ایسے آتے ہیں جب انسان اپنی جان سے پیارے دوستوں' عزیزوں کو لحد میں اتارتا ہے لیکن اپنے بارے میں کچھ نہیں سوچتا۔ بہت دیر نہیں گزرتی کہ خود لحد میں اتر رہا ہوتا ہے اور اس کے لواحقین کچھ نہیں سوچتے۔ ایک ڈھارس تلاش کرنا انسان کی فطرت ہے۔ اپنے انجام کا نہیں سوچتا' وہ سوچتا ہے تو صرف یہ کہ مرنے والے کی موت آئی تھی مر گیا۔ پھر جواز تلاش کرتے ہوئے کہتا ہے...... بلڈ پریشر تھا' شوگر کا مریض تھا' حرماں نصیب کو کینسر ہو گیا' گاڑی بہت تیز چلاتا تھا' ایکسیڈنٹ تو ہونا تھا' سوچ کر انسان خوش ہوتا رہتا کہ یہ سب اس کے اندر نہیں ہے۔

Marfat.com

آج جب وہ منوں مٹی تلے پڑا سو رہا ہے تو شیخ سعدی یاد آئے۔ زندگی کی حقیقت انسان کے غرور' انسانیت کی معراج اور پستی کا انہوں نے خوب مشاہدہ کیا۔ فرماتے ہیں ایک روز جب بغداد کے نواح میں مہربان دھوپ اتری تو ایک پیرانہ سال شخص گھر سے نکلا' خمیدہ کمر کے ساتھ لاٹھی کے سہارے چلتے دیکھ کر کچھ نوجوان پہلے تو ہنسے' پھر ان میں سے ایک نے دوسروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا فصل پک چکی ہے۔ اب اسے کٹ جانا چاہئے۔ بوڑھے بابا نے یہ بات سنی تو لاٹھی زمین میں گاڑھ کر کھڑا ہو گیا' کہنے لگا...... ''ہاں فصل پک چکی ہے' اب تو اس نے کٹنا ہی کٹنا ہے لیکن جوانو! میں جس راستے سے آرہا ہوں' میں نے دیکھا کسان کچی فصل بھی کاٹ رہا تھا۔''

جب اسے تہہ خاک سلایا جارہا تھا بے اختیار یہ حکایت یاد آئی۔ 37 برس کیا زندگی ہوتی ہے لیکن جس کے لیے اس جہان کا ربّ فیصلہ کرلے اسے کون ٹال سکتا ہے۔ برادرم عدنان شاہد سے کئی برسوں کا تعلق اور رابطہ تھا جو ختم ہوا' کہانی اختتام پذیر۔ یہ پانچ سات برس پرانی بات ہے۔ جس کی ایک تیز فلم ذہن میں چلتی ہے۔ ''خبریں'' سے تعلق اول روز سے قائم ہوا تھا۔ یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ جناب ضیا صاحب نے کبھی غیر حاضری کو قبول نہیں کیا۔ ان کی رہنمائی' ہمت افزائی اور مسلسل رابطے نے ''خبریں'' کے ساتھ طویل تعلق قائم رکھا۔ کسی نے کہا تھا کہ ضیا صاحب اپنے سٹاف کے لیے سخت گیر ہیں' سستی برداشت نہیں کرتے' ایسا ہی کالم نگاروں کے ساتھ بھی کر سکتے ہیں۔ حالات کے جبر' وقت کی کمی' سستی یا کبھی کسی اور وجہ سے کالم لیٹ ہو جاتا تو وہ فون کر کے ہمیشہ ایک ہی بات کرتے' ایک ہی لہجہ ہوتا ''میں نے کہا آپ کا کالم نہیں آرہا۔''

Marfat.com

2000، میں بسنت کے موقع پر اہل خانہ کے ساتھ۔

Marfat.com

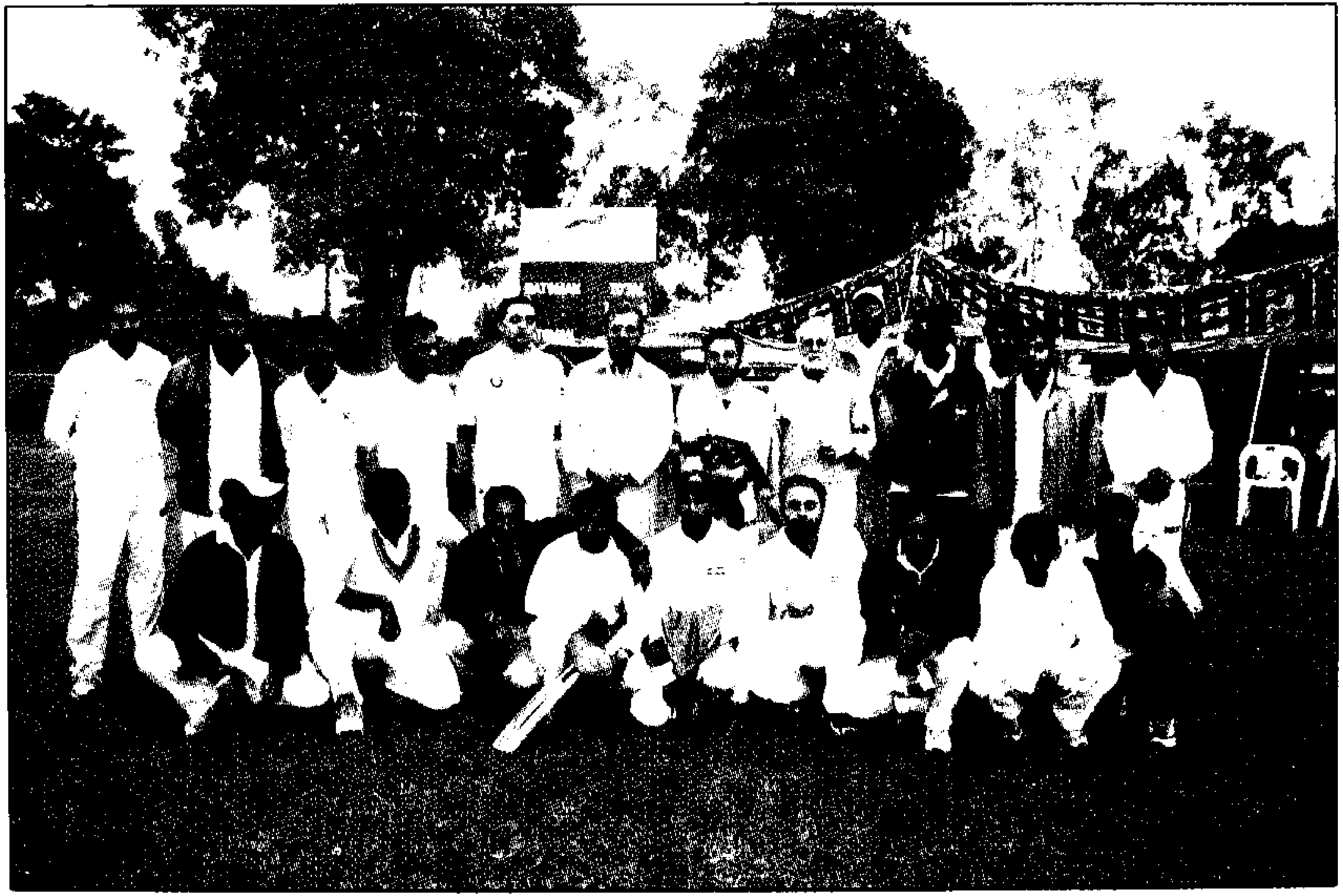

''خبریں'' اور ''پوسٹ'' کی ٹیموں کے مابین 2005ء میں ہونے والے کرکٹ میچ کے بعد گروپ فوٹو جس میں ضیا شاہد' عدنان شاہد' امتنان شاہد اور راشد رحمٰن نظر آ رہے ہیں

Marfat.com

شاید اسی طرح کے کچھ ایام آن لگے تھے کہ ایک روز اسلام آباد دفتر سے فون آگیا' میرے کان اس طرح کے الفاظ سننے کو تیار تھے۔

"میں نے کہا' آپ کا کالم نہیں آرہا۔" دوسری طرف سے ضیا صاحب کی آواز نہیں تھی۔

"میں عدنان شاہد بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا بڑی خوشی ہوئی آپ سے بات کر کے۔ کہنے لگے مجھے تو خوشی نہیں ہوئی۔ کچھ ثانیے تو میں شش و پنج میں رہا...... سوچا اباجی سے بھی شاید سخت ہوں گے۔ پھر وہ گویا ہوئے "سر! چیف صاحب کا آرڈر ہے کہ آپ کا کالم نہیں آرہا۔ آج ہی بھجوائیں۔" میں نے بے تکلف ہونے کے بجائے عرض کیا "جی ضرور بھیجوں گا۔"

"آپ سے کچھ اور بھی کہنا ہے" بات کا سلسلہ پھر بحال ہو گیا۔ آپ سری نگر میں کسی ایسے آدمی کا انتظام کرادیں' جو ہمارے لیے رپورٹنگ کر سکے۔" ضرور کرادوں گا۔" بات شاید ختم ہو جاتی لیکن انہوں نے ایک قہقہے کے ساتھ نئی بات شروع کر دی "میرے سامنے میرے ایک دوست بیٹھے ہیں' وہ کہہ رہے ہیں آپ کا نام صغیر قمر کے بجائے "کشمیر قمر" ہونا چاہیے۔ آپ برا نہ منایئے گا۔" اصل میں آپ کشمیر پر بہت لکھتے ہیں اس لیے۔" میں نے دل ہی دل میں اس زندہ دلی کی داد دی اور صرف اتنا کہا کوئی بات نہیں آپ جس نام سے پکاریں۔" وہ سنجیدہ ہو گئے' کہنے لگے ...... "لو جی پھر آپ کالم بھیجیں' آئندہ سے اسی نام سے پکاروں گا۔" اس کے بعد پھر جب کالم تو بھیج دیتا شائع نہ ہوتا۔ ایک روز ضیا صاحب کا فون آیا' ذرا بزرگانہ سختی سے پوچھا "آپ کالم کیوں نہیں بھیج رہے؟"

عرض کیا' پانچ سات کالم آپ کو بھیجے' مگر شائع نہیں ہوئے۔

Marfat.com

''کس نے شائع نہیں کیے؟''جواب طلبی شروع ہو چکی تھی۔

میرے علم میں ہر گز نہیں تھا کہ کون شائع نہیں کرتا اور کیوں نہیں کرتا۔

''وہ جی میں تو عدنان صاحب کو بھیج دیتا ہوں۔'' ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔

''او کے میں بات کرتا ہوں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ نہیں معلوم انہوں نے عدنان سے کیا کہا۔ چند گھنٹوں بعد عدنان کا پھر فون آ گیا۔

''کیا حال ہے کشمیر قمر صاحب؟ آپ نے چیف صاحب سے میری شکایت کر دی۔''

میں کچھ وضاحت کرنا چاہتا تھا اس سے قبل ہی وہ پھر بولے ''کوئی بات نہیں کبھی کبھی جھاڑ پھونک'' ہونی چاہئے۔ امید ہے آپ کو اب ''آرام'' ہو گا۔

میں نے کہا کہ چیف صاحب نے خود فون کیا تھا اور ہمارے درمیان اس طرح کی بات چیت ہوئی ہے ''آپ کیوں وضاحت کرتے ہیں' بس آپ ''گرما گرم'' کالم بھیجیں۔''

''چیف صاحب'' کی اصطلاح شاید انہوں نے خود اختیار کی تھی یا پہلے سے خبریں میں چل رہی تھی' بہر حال باپ کو چیف کہنا ابتداء میں بہت ہی عجیب لگتا تھا۔ بعد میں عدنان کی پیشہ ورانہ مہارت اور محنت نظر آئی تو پھر یہ اچھا لگنے لگا۔ برادرم عدنان کی شخصیت' فن' لگن' اخلاص' تحرک' تعلقات اور زندگی کے ہر رنگ بارے بہت کچھ لکھا جائے گا۔ ہر فرد کا اپنا تجربہ اپنا تعلق ہے لیکن اس بات سے کیا اختلاف ہے کہ 37 برس کے اس نوجوان کے جانے سے زندگی کی حقیقت کے کتنے باب کھل گئے۔ ایک محاذ پر سرگرم ترین مورچہ خالی ہو گیا' ایک جری سپاہی اٹھ گیا۔ کوئی اس کی جگہ نہیں لیسکتا' کوئی اس کا مورچہ سنبھال نہیں سکتا۔

Marfat.com

انسانی زندگی کا سب سے بڑا المیہ کہ انسان چپکے سے دنیا چھوڑ جاتا ہے۔ یہ اس کا اختیار نہیں، جب وہ اپنی مرضی سے اس دنیا میں آتا نہیں تو پھر اپنی مرضی سے جائے گا کیوں؟ جو نہیں جانا چاہتے وہ بھی ایک روز چلے جائیں گے۔ یہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام رہ جائے گا۔ برادرم عدنان شاہد کی یادیں زندہ رہیں گی، ان کی باتیں اور تذکرے باقی رہیں گے۔ ہم سب اس منزل کے راہی ہیں۔ اپنی شان و شوکت، اپنا جاہ و جلال، اپنا تفاخر سمیٹ کر ایک روز تہہ خاک جا سوئیں گے۔ کوئی اس سے بھاگ نہیں سکتا۔

"صاحب کلام" نے موت کی وادیوں میں اترنے والی شخصیات کے آخری دنوں کے تذکرے لکھے ہیں۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آخری لمحات کا تذکرہ ملاحظہ فرمایئے۔ جب وہ بستر مرگ پر تھے۔ وقت قریب آ رہا تھا۔

"حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا...... حضرت محمدؐ کو کتنے کپڑوں کا کفن دیا گیا تھا؟ عرض کیا کہ تین کپڑوں کا ارشاد فرمایا۔ میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں۔ دو یہ چادریں، جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں اور ایک کپڑا بنالیا جائے۔

حضرت عائشہؓ نے دردمندانہ کہا...... "ابا جان ہم اس قدر غریب نہیں ہیں کہ نیا کفن بھی نہ خرید سکیں۔" ارشاد ہوا: "بیٹی! نئے کپڑوں کی مردوں کی نسبت زندوں کو زیادہ ضرورت ہے۔ میرے لیے یہی پھٹا پرانا کپڑا ٹھیک ہے۔"

موت کی ساعتیں لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ اس ڈوبتے ہوئے چاند کے سرہانے بیٹھی تھیں اور آنسو بہا رہی تھیں، غم آلود اور حسرت انگیز خیالات آنسوؤں کے ساتھ ساتھ دماغ کی پہنائی سے اتر رہے تھے اور زبان سے بہہ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ شعر پڑھا: "بہت سی نورانی صورتیں ہیں جن سے بادل بھی پانی مانگتے ہیں، وہ یتیموں کے فریادرس تھے اور بیواؤں کے پشت

Marfat.com

پناہ تھے۔"

یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا "میری بیٹی! یہ رسول اللہؐ کی شان تھی۔"

حضرت عائشہؓ نے دوسرا شعر پڑھا: "قسم ہے تیری عمر کی جب موت کی ہچکی لگ جاتی ہے تو پھر کوئی زر و مال کام نہیں آتا۔"

ارشاد فرمایا یہ نہیں' اس طرح کہو: "موت کی بے ہوشی کا صحیح وقت آ گیا ہے' یہ وہ ساعت ہے جس سے تم بھاگتے تھے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نزع کے وقت میں اپنے باپ کے سرہانے گئی تو یہ شعر پڑھا: "جس کے آنسو ہمیشہ رُکے رہیں ایک دن وہ بھی بہہ جائیں گے۔ ہر سوار کی ایک منزل ہوتی ہے اور ہر پہننے والے کو ایک کپڑا دیا جاتا ہے۔"

فرمایا "بیٹی! اس طرح نہیں' حق بات اسی طرح ہے جس طرح خدا تعالیٰ نے فرمائی ہے:

"موت کی بے ہوشی کا وقت آ گیا ہے' یہ وہی وقت ہے جس سے تم بھاگتے تھے۔"

ہم سب جان لیں' عدنان سے محبت کرنے والے اور رونے والے کہ ہر سوار کی ایک منزل ہوتی ہے' ہر پہننے والے کو ایک کپڑا دیا جاتا ہے اور وہ آنسو جو رُکے رہتے ہیں ایک روز بہہ جاتے ہیں۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

لے او یار حوالے ربّ دے......!!

منیر احمد بلوچ

خبریں گروپ آف نیوز پیپر کے زیر اہتمام شائع ہونے والے انگریزی اخبار "دی پوسٹ" کی تیاریوں کے سلسلے میں عدنان شاہد دن رات ایک کیے ہوئے تھے تو بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے ان کے گھر آنے اور جانے کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ ان دنوں جب مرحوم عدنان شاہد گھر آتے (مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتا ہے) تو معصوم بچے اپنے باپ کی والہانہ محبت کا تصور اپنی آنکھوں میں سمائے سو جاتے اور جب عدنان جاگتے تو بچے سکول جا چکے ہوتے۔ باپ اور بچوں کی یہ تنہائی ننھے پوتے پوتیوں کی دادی ماں سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ جوں جوں خبریں گروپ آف نیوز پیپرز کے انگریزی اخبار "دی پوسٹ" کی اشاعت کا دن قریب آتا جا رہا تھا' عدنان شاہد کی مصروفیات اور بھی بڑھتی جا رہی تھیں۔ دادی ماں نے "نوفل کی تنہائی" پر خبریں میں کالم لکھ کر باپ کی اس طرف توجہ دلائی' تو بچوں کی دادی ماں کے لکھے ہوئے کالم پر باپ نے اپنی رہائش خبریں ٹاور میں منتقل کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں' تاکہ ایک ایڈیٹر کی ہمہ وقتی مصروفیات بھی جاری رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بچے بھی اپنے باپ کی دلکش

Marfat.com

مسکراہٹ اور والہانہ شفقت سے جب چاہیں ہمکنار ہوتے رہیں' اس طرح ایک ماں نے اپنے بچے سے جدائی برداشت کرتے ہوئے اپنے پوتے پوتیوں کی تنہائی دور کر کے باپ اور اولاد کیلئے راحت کا سماں پیدا کر دیا۔

جب نوفل' فجر اور حفصہ کے معصوم چہروں پر خوشیاں بکھرنے لگیں تو دادی ماں کی ممتا کو تسکین ملنے لگی لیکن کاتب تقدیر نے تو کچھ اور ہی رقم کر رکھا تھا......اور کسے پتہ تھا کہ مشیت ایزدی نوفل کو اپنے باپ سے ہمیشہ کیلئے جدا کرنے والی ہے۔ کسے پتہ تھا کہ 15 جنوری کو لاہور ایئر پورٹ سے نوفل' فجر اور حفصہ کی شروع ہونے والی یہ عارضی جدائی ایک لمبی اور نہ ختم ہونے والی جدائی میں تبدیل ہونے والی ہے۔ پاکستان میں 10 فروری کی صبح کا آغاز ابھی ہوا ہی چاہتا تھا تو عدنان شاہد لندن سے لاہور آنے کے بجائے آکسفورڈ سٹریٹ لندن سے ایسی جگہ پرواز کر گیا' جس کی منزل کا کوئی نشاں نہیں' کوئی انتہا نہیں اور ننھے نوفل کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تنہا اور......! اور ممتا کو لمبی اور کبھی نہ ختم ہونے والی جدائی دے گیا۔ جب ایک لمحے کیلئے اس وقت کا خیال کرتا ہوں جب عدنان کی موت کی اطلاع ان کے والدین کو ملی ہوگی تو ان پر کیا گزری ہوگی۔ دیار غیر میں جوان لاشہ انہوں نے کیسے دیکھا ہوگا۔

میرا تصور دھندلا جاتا ہے' زمین اور آسمان گھومنے لگتے ہیں اور تصورات کی کوئی حد نہیں رہتی' کوئی تصویر نہیں رہتی۔ مجھے ممتا اور شفقت پدری اس طرح کانپتے نظر آتے ہیں' جس طرح مضبوط درختوں پر خزاں رسیدہ پتے کانپتے ہیں اور جب میں نے ضیا صاحب کو دیکھا تو مجھے ایسے لگا کہ وہ اپنے "نوفل" کے دکھ میں اس قدر روئے ہیں کہ ان کے جسم میں موجود خون کا ایک ایک قطرہ آنسو بن کر بہہ چکا ہے۔ اچانک مل جانے والے دکھ کتنے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

Marfat.com

کہتے ہیں کہ ہجر کا دکھ بہت گہرا ہوتا ہے۔ مضبوط سے مضبوط انسان کو روگ لگا دیتا ہے اور جب یہ ہجر کسی ایسی انمول ہستی کے بچھڑنے کا ہو' جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا' تب یہ ہجر انسان کے اندر درد کی صورت سرایت کر جاتا ہے۔ اس درد کی کسک عمر بھر انسان کو ہر لمحہ' ہر پل گیلی لکڑی کی طرح سلگاتی رہتی ہے اور جب ان یادوں سے اس سلگتی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہی یادیں دل کے طاق پر جلتے چراغ کی طرح زندگی کو جینے کا راستہ دکھاتی ہیں' مگر ہجر کا دکھ پھر بھی انسان کے تعاقب میں رہتا ہے' درد سے دل سدا ابھرا رہتا ہے' جس طرح اولاد کیلئے ماں باپ ایک انمول ہستی ہیں اسی طرح ماں اور باپ کے دل کی رونق ان کی اولاد ہوتی ہے' گھر کا گلشن ان کی مسکراہٹوں اور کلکاریوں سے ہی اچھا لگتا ہے' ان کے بدن کی خوشبو کے سامنے دنیا بھر کے خوشبو دینے والے پھولوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

ہم زمین کے باسیوں کے دکھ بھی عجیب ہوتے ہیں' شکوے کی اجازت بھی چھین لی جاتی ہے' صرف آنکھیں ہیں کہ کبھی موسلادھار اور کبھی رم جھم برستی رہتی ہیں لیکن آنکھوں کے آسمان سے اترنے والی بارش سے دکھ کی شدت کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جاتی ہے۔ ڈرتے ڈرتے اللہ سے فریاد کناں ہوں "اے زمین و آسمان کے ربّ یقیناً تیرا ہر کام حکمت سے معمور ہے لیکن دل پوچھتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔" میں دیکھ رہا ہوں کہ نوفل' فجر سہمے سہمے کھڑے ہیں۔ ان کی معصوم آنکھوں میں دکھوں کی برسات کون چنے گا۔ حفصہ کی آنکھیں خشک کیوں ہیں' ابھی ان معصوموں کے اپنے پاپا کے ساتھ چند سال ہی تو گزرے تھے۔ جانے والوں کو یہ معلوم کیوں نہیں ہوتا کہ ان کے جانے کے بعد ان کے آنگن پر کیا قیامت اترتی ہے اور یہ قیامت کتنی خاموشی سے چپکے سے ان کے آنگن میں اتری ہے۔ رگ و پے میں اترتی یہ

Marfat.com

خاموشی کب سے ان کا مقدر تھی۔ تقدیر کسے کہتے ہیں' ہمارے مقدر کس لوح پر رقم ہوتے ہیں۔ ہمارے محدود علم سے یہ ادراک ممکن ہی کہاں ہے کہ دکھ کب اور کہاں گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

کبھی کسی نے سوچا تھا کہ لندن کی آکسفورڈ سٹریٹ کے ایک دفتر کی سیڑھیوں پر عدنان شاہد کا سفر زندگی ختم ہو جائے گا اور دو جہانوں کے درمیان بچھی مسافت کا سفر شروع ہو جائے گا۔ نوفل اور فجر کی فرمائش پر نئے کھلونے اور حفصہ کیلئے گڑیا خریدنے کی حسرت دل میں لئے عدنان شاہد کائنات کی بے کراں وسعتوں میں کہیں گم ہو گیا اور حفصہ اپنے پاپا کی راہ دیکھتے دیکھتے سو جاتی ہے' اب اسے اپنی گڑیا کی نہیں صرف اپنے پاپا کا انتظار رہے گا' صرف اپنے پاپا کا۔ وہ اپنی توتلی اور معصوم زبان سے اپنے پاپا کو پکارے گی۔ ''سات سمندپار سے گڑیوں کے بازار سے' اچھی سی اک گڑیا لانا' گڑیا چاہے نہ لانا' پپا جلدی آ جانا' پپا جلدی آ جانا۔'' اور وہ تمام عمر اپنے پاپا کو پکارتی رہے گی۔ حفصہ کا پاپا عدنان شاہد سب سے الگ سب سے نرالا تھا' اس کی زبان میں چاشنی' آنکھوں میں پیار اور لبوں پر دلوں کو موہ لینے والی مسکراہٹ کون بھولے گا۔ ایسے لوگ دنیا میں کم ہوتے ہیں اور وقت کا بہتا دھارا اتنے اچھے لوگوں سے دنیا کو خالی کرتا جا رہا ہے۔ مجھے دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا ایک شخص عدنان کے بارے میں تفصیلات جاننے کے بعد بتا رہا تھا کہ عدنان جیسے لوگ جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگتے ہیں تو آسمان سے فرشتے اترتے ہیں قطار اندر قطار اور ان کی زبان پر یہی ورد ہوتا ہے کہ......

''اے اطمینان والی روح...... تو اپنے ربّ کی طرف لوٹ چل' اس طرح کہ تو اس سے راضی' وہ تجھ سے راضی...... پس میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا......اور

Marfat.com

"دی پوسٹ" کی پہلی سالگرہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے۔

Marfat.com

1997ء کی ایک یادگار تصویر۔

''میں'' کرکٹ ٹیم کے میچ کے دوران کپتانی کے فرائض انجام دیتے ہوئے میچ کی صورتحال دیکھ رہے ہیں

Marfat.com

میری جنت میں چلی جا۔"

عدنان شاہد وقت کی قید سے آزاد ہو گیا' وہ ہم سب سے جدا ہو گیا' عدنان کو منوں مٹی تلے لحد میں اتارتے ہوئے ضیا شاہد اور امتنان شاہد کی خاموشی لیکن دلوں سے اٹھتی ہوک دلوں کو دہلا رہی تھی اور ان کی درد بھری ہوک سے یہی پکار سنائی دیتی تھی

"لے او یار حوالے ربّ دے تے لمبی پئی جدائی ہو'
روز قیامت میل ہوسی تے ہور امید نہ کائی ہو۔"

پورے وقار کے ساتھ عدنان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ سب کی آنکھوں میں سمندر اتر آئے اور اس نے زمین کا غلاف اوڑھ کر آخرت کو گھر کر لیا۔ 16 فروری 2007ء کی شام بہت سے لوگوں کیلئے گویا شام غریباں بن گئی۔ عدنان شاہد کی جواں اور ناگہانی موت نے ایک لمحے کیلئے جسم کو سن کر دیا ہے۔ عدنان کو اس کی آخری منزل کی طرف لے جاتے ہوئے میں ہر لمحہ یہی سوچتا رہا کہ "بے روح عمارتوں کے درمیان گھومتے ہوئے ہمیں یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ زمین ہمارا ٹھکانہ نہیں' اس زمین کی رنگینیوں میں کھو کر اپنی عمر رواں کے سارے اوراق ہم کیوں بے ترتیب کرتے جا رہے ہیں۔ اس قدر بے ترتیب کہ جب کبھی انہیں سمیٹنے کا وقت آئے گا تو ہم اسے سمیٹ نہ سکیں گے۔ ہمیں یہ کیوں یاد نہیں رہتا کہ "زمین ہماری گزرگاہ ہے' ہمارا مسکن نہیں۔"

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

تمہاری خوشبو

ظہور احمد دھریجہ

ملتان آرٹس کونسل میں ''خبریں'' کا سرائیکی مشاعرہ عروج پر ہے' سرائیکی شاعر اپنے اپنے انداز سے رنگ بکھیر رہے ہیں۔ محمود کوٹ مظفر گڑھ کے نوخیز شاعر شاہد بھٹہ پر سوز اور مترنم آواز میں ''سرائیکی دکھڑا'' پیش کرتے ہیں' اپنے والد ضیا شاہد کے پہلو میں بیٹھے ہوئے امتنان شاہد سے نہیں رہا جاتا اور وہ سٹیج پر جا کر اپنے گلے کا فریدی رومال شاہد بھٹہ کے گلے میں ڈال کر اسے داد دیتے ہیں۔ اس طرح تمام سامعین کی توجہ امتنان شاہد کی طرف ہو گئی' جناب ضیا شاہد کے ہمدردانہ جذبے سے تو ہم پہلے سے واقف تھے مگر ان کے بیٹوں کے محسوسات سے ہمیں واقفیت نہ تھی۔ ''خبریں'' آفس لاہور میں اپنے دوست عبدالرزاق شاہین سے کہا میں امتنان شاہد سے ملنا چاہتا ہوں اور سرائیکی شاعری کو والہانہ انداز میں پسند کرنے پر مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ شاہین نے کہا امتنان صاحب تو نہیں ہیں' عدنان صاحب تشریف فرما ہیں۔ عدنان صاحب سے ملنے گیا تو واقفیت نہ ہونے کے باوجود واقفوں کی طرح ملے اور خیر خیریت پوچھنے کے بعد حوصلہ افزائی کے لئے اس طرح گویا ہوئے کہ ''جنوبی پنجاب کی محرومی کے حوالے سے آپ کے مضامین میری نظروں سے گزرتے ہیں' آپ اپنے علاقے

Marfat.com

کی بہتر خدمت کر رہے ہیں' اس کے بعد چند لمحوں کے خاموشی اختیار کی' پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر اپنے منہ پر رکھا اور شہادت کی انگلی کے ساتھ دوسرے ہاتھ کی انگلی جوڑ کر ناک تک لے گئے اور بولے "یہ جو بہاولنگر ہے' کیا یہ بھی جنوبی پنجاب میں آتا ہے؟" بالکل! میرے جواب پر انہوں نے کہا کہ بہاولنگر کے مسائل پر کوئی نہیں لکھ رہا' ہو سکے تو اس بارے لکھیں۔

میرے پانچ چھ مضامین بہاولنگر' دریائے ستلج اور امروکہ بٹھنڈہ ریلوے ٹریک بارے شائع ہوئے' پچھلے سال "خبریں" کے سرائیکی مشاعرے میں جناب ضیا شاہد اپنے خطاب میں ان کالموں کا بطور خاص ذکر کیا اور مجھے شاباش دی' لیکن یہ مضامین جس شخص کی خواہش پر لکھ گئے' اسے کیسے لگے؟ آج یہ بتانے والا کوئی نہیں' عدنان صاحب سے پہلی ملاقات کتنی حسین اور خوبصورت تھی' اگر یہ آخری نہ بنتی۔ آج مختصر ملاقات کا سین ذہن کی سکرین پر بار بار گھومتا ہے تو کلیجہ منہ کو آ رہا ہے اور دل میں خیال آتا ہے کہ اے کاش! میں عدنان شاہد سے نہ ملا ہوتا۔

عدنان نے پردیس جا کر اپنے دیس والوں کو کیوں رُلا دیا؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا کیا کہا جائے' کیا بولا جائے اور کیا لکھا جائے؟ سب لفظ بے معنی لگتے ہیں' لفظوں کے تمام مفہوم بے جان اور بے توقیر ہو چکے ہیں' اتنے بڑے صدمے کو الفاظ میں کیسے بیان کیا جائے؟ عدنان کی جوانی' نوفل' فجر اور حفصہ کی یتیمی' حمیرا بھابھی کے فراق' والدہ یاسمین کے جگر گوشے کی جدائی' والد کے سر پر غموں کے پہاڑ' مسیحائی کے شعبے میں اکلوتی بہن ڈاکٹر نوشین کی بے چارگی' تھے تو نہیں مگر جانیوالے اکلوتے بھائی امتنان کے آنسو یا پھر خود عدنان شاہد کی بے وقت موت پر دوسروں کے ساتھ ساتھ سرائیکی شاعروں دلنور نورپوری اور لاہور سے ریاض باکھری نے بھی منظوم نذرانہ عقیدت لکھ کر بھیجا ہے اور بھی بہت سے شعراء کرام لکھ رہے ہیں۔ یہ بات عدنان شاہد سے سرائیکی وسیب کی طرف سے محبتوں کا اظہار ہے۔

Marfat.com

شاید بزرگوں کا یہ کہا درست ہے کہ خدا اپنے پیاروں کو اپنے پاس جلدی بلا لیتا ہے۔

سندھ کے شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے بیت کو ادب عالیہ میں اہم مقام حاصل ہے' ان کا ایک بیت سندھ میں زبان زدِ عام ہے' اس بیت کا ترجمہ یہ ہے کہ "سارے آدمی اچھے نہیں ہوتے' جس طرح تمام پرندے ہنس نہیں ہوتے' بہار کی خوشبو تو کسی شخص کے باطن سے ہی آتی ہے۔" اسی طرح عدنان تو خوشبوئیں بکھیرنے والا ایک حساس انسان تھا' وہ تو روٹھوں کو منانے والا تھا مگر خود روٹھ گیا۔ بقول سجاد جہانیہ وہ تو اپنے ابو تک کو یہی کہتا تھا "غصہ نہ کیا کریں" مگر ان کی اپنی "ناراضگی" ہمیں سمجھ نہیں آئی۔

یہ درست ہے کہ جینا جھوٹ اور مرنا سچ ہے اور خالق کائنات کے کروڑہا ذائقوں میں سے موت کا ذائقہ ہر ذی روح نے چکھنا ہے' عالم کی بے ثباتی بارے کائنات کے ہر دانشمند نے بات کی ہے' اسی طرح سرائیکی کے عظیم شاعر خواجہ غلام فریدؒ نے بھی خوب فرمایا:

جگ وہم ' خیال تے خواب اے

ہر صورت نقش بر آب اے

ایک اور جگہ "جیون دے ڈینہہ ڈھائی ودیار' سٹ گھت فخر وڈائی ودیار" کا ارشاد فرمایا کر ہمیں دنیا کی بے ثباتی بارے بتایا اور تکبر غرور سے منع فرمایا۔ یہ سب بجا مگر جن کے پیارے بچھڑ جائیں' ان کے لئے تو دُکھوں کے پل بھی سالوں کی طرح گزرتے ہیں' بات ہو رہی ہے بچھڑنے اور بچھڑ جانے والوں کی اور ان لوگوں کی جو خود تو خاموشی سے اگلے جہان چلے جاتے ہیں مگر یہاں رہنے والوں کو جیتے جی مار جاتے ہیں اور ان کی جدائی کا تیر جسے لگتا ہے وہ نہ جی سکتا ہے اور نہ مر سکتا ہے۔ یہی کیفیت ہم سب کے سامنے ہے۔

عدنان شاہد کی وفات پر صدر پرویز مشرف اور وزیراعظم شوکت عزیز نے درست کہا کہ مرحوم نے مختصر سی عمر میں ملک و قوم کے لئے بیش بہا خدمات سرانجام دیں اور ان کی

Marfat.com

صحافتی خدمات کو یاد رکھا جائے گا۔ وہ شریف النفس اور ذہین انسان تھے' عدنان شاہد بہت اچھے صحافی اور بہترین قلم کار تھے مگر اس سے زیادہ اہم اور خاص بات یہ ہے کہ وہ بہت اچھے انسان تھے' آج وہ ہم میں موجود نہیں' مگر ہم ان کی اچھی باتوں کو یاد کر رہے ہیں اور ان کی یادیں خوشبو کی طرح ہمارے ساتھ ہیں اور ساتھ رہیں گی' اسی طرح سرائیکی شاعر قیس فریدی نے بھی اسی مفہوم میں کہا کہ "تمہاری خوشبو خوشبو یادوں کو ہوا بن کر تلاش کر لوں گا اور میں اکیلے بیٹھ کر بھی تمہیں سوچتا ہوں اور تو کہاں چھپ گیا؟ میں تو آنکھیں بند کر کے بھی تمہیں دیکھ لوں گا۔"

کلھیں بہہ تے سوچاں تیکوں
اَکھیں نوٹ تے ڈیکھاں تیکوں
خوشبو خوشبو تیڈیاں جھوکاں
وانگ ہوا دے گولاں تیکوں

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

الوداع عدنان شاہد

سجاد جہانیہ

پتہ نہیں وہ عالی حوصلہ لوگوں کو پہاڑ ایسے صدمات سے اس لئے دوچار کرتا ہے کہ ان کی برداشت اور ہمت کا امتحان مقصود ہوتا ہے یا پھر وہ حوصلوں کی رفعتیں ہی ان لوگوں کو عطا فرماتا ہے کہ جن کی لوح زیست میں اس نے آزمائش در آزمائش کے نقش ثبت کر دیئے ہوتے ہیں۔ اس کے علم کو' دانائی کو اور حکمت کو نہ آج تک کوئی پہنچ سکا ہے اور نہ ہی آئندہ رسائی پائے گا۔ وہ جو اپنے نبیؐ برحق کے ساتھ کلام میں اپنی اشرف ترین مخلوق کے نام فرماتا ہے کہ "انسان جس کو خیر سمجھ کر مانگتا ہے وہی اس کیلئے گمراہی ہے اور جسے وہ اپنے تئیں برا گردانتا ہے' اسی میں اس کیلئے بھلائی ہوتی ہے۔" بے شک انسان کی سوچ کی' دانائی کی' فہم کی' فراست کی اور عقل کی رسائی وہیں تک ہے جہاں تک کا اس نے اذن بخش رکھا ہے اور حکمت الٰہی کو اپنے احاطہ عقل میں لانے سے ہم مجبور و معذور ہیں۔

یہ جن کا نام ضیا شاہد ہے' ان کی زندگی بھی کچھ ایسے حالات سے عبارت ہے کہ جن کی توجیہہ تلاش کرنے میں انسانی ذہن عاجز و لاچار ہے۔ گیارہ ماہ کی عمر تھی جب

Marfat.com

والد کا سایہ سر پر نہ رہا۔ یہ عمر صدمے کی کیفیات سے بے نیاز ہوتی ہے مگر آئندہ کی ساری عمر اس کمی کو' اس دکھ کو اور اس زیاں کو ضیا شاہد نے اپنی پور پور میں تمام تر شدتوں کے ساتھ محسوس کیا ہے۔ پھر ایک طویل سفر ہے جو محنت کے' مشقت کے اور محرومیوں کے مضامین رکھتا ہے۔ اس جدوجہد میں جہاں قدرت نے کامیابیوں کے دران کیلئے وا کئے وہاں پے در پے صدمات بھی زندگی کے ساتھ رہے۔ والد کے بعد جو دوسرا ابڑا دکھ ان کی زندگی میں آیا وہ بڑے بھائی ڈاکٹر بقا محمد کے دست عاطفت سے محرومی کا ہے۔ والد کا لمس تو شیر خوارگی میں ہی چھن گیا' ان کے بعد یہی بقا محمد ہی تھے جو خود ابھی صغیر سن تھے مگر چھوٹے بہن بھائیوں کیلئے باپ کی سی شفقت رکھتے تھے۔ وہ بھی ایک دن یکایک اپنے کالج میں نئے داخل ہونے والے طلباء کا انٹرویو کرتے ہوئے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ ان دنوں ضیا شاہد روزنامہ جنگ میں کام کیا کرتے تھے۔ پھر اپنا ادارہ ''خبریں'' شروع کرنے کا قصد کیا تو دوسرے بڑے بھائی مزمل مہدی نے دعاؤں کے ساتھ مالی اعانت بھی کی۔ وہ سعودی عرب میں تھے۔ ایک دن اچانک وہ بھی ضیا شاہد کو تنہا چھوڑ گئے۔ نیا ادارہ شروع کرنے اور اسے کامیابی کی طرف جاتے دیکھنے کی خوشی بھائی کی جدائی کے غم میں گڈمڈ ہوگئی۔ ابھی کوئی چار ایک برس پہلے وہ ہستی کہ جس کی قدم بوسیوں کے طفیل قدرت نے ضیا شاہد کو عروج بخشا' وہ بھی چلی گئیں۔ والدہ حشمت بیگم خود تو قرآن پاک اور احادیث رسول مقبول پڑھنے کی حد تک خواندہ تھیں مگر انہوں نے شوہر کی وفات کے باوجود اپنے چاروں بچوں کی بھرپور تعلیم و تربیت کی۔

اور ابھی جو ایک ہی دو روز پیشتر صدمہ گزرا ہے وہ تو سب پر حاوی ہے۔ اولاد کی محبت کیا ہوتی ہے اور اسے اپنے ہاتھوں آغوش لحد میں رکھنے کا تصور ہی

Marfat.com

کس قدر جان کاہ اور لرزا دینے والا ہے' اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں رب عظیم و کریم نے اس نعمت سے سر فراز فرما رکھا ہے۔ یہ کیسا عجیب سانحہ ہے کہ وہ جس نے آپ کے آنگن میں آنکھ کھولی' آپ کو والد یا والدہ کے عظیم رتبے پر سر فراز کیا۔ آپ کی خوشی اور پریشانی اس کے ہنسنے یا رونے سے براہ راست منسلک رہی۔ گود وں کھلایا اور پاؤں پاؤں چلنا سکھایا۔ اپنی ضروریات پس پشت ڈال کر اس کی آسائشات پورا کرنے کے عمل نے آپ کو یک گونہ سکون اور خوشی سے آشنا کیا۔ پھر وہ تناور درخت بن گیا اور آپ کو ہاتھ تھام کر سہارا دینے لائق ہو گیا تو یکا یک یہ منظر بھی آپ نے دیکھا کہ موت کی زردی چہرے پر لئے آپ کے سامنے دراز ہے۔ بلا شبہ یہ بڑی آزمائش ہے اور کڑا امتحان۔

میں یہ جملے لکھ رہا ہوں تو عدنان اولیس شاہد کا مسکراتا چہرہ اور بیضوی شیشوں والے چشمے کی اوٹ سے ذہانت ٹپکاتی آنکھیں میرے سامنے ہیں۔ سرخ و سپید رنگت اور فراخ پیشانی اتنی جلد اور اچانک زردی اوڑھ لیں گی' یقین ہی نہیں آتا' کیسے اعتبار آئے کہ وہ جو ماہ گزشتہ کی درمیانی تاریخوں میں فرزند رشید کا فرض نبھانے کو بیمار والد اور شفیق والدہ کے ہمراہ دیار غیر روانہ ہوا تھا' ایک لکڑی کے تابوت میں لیٹ کر واپس لوٹے گا۔

مجھے 1992ء یاد آتا ہے جب خبریں کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ میں بی اے کا امتحان دیتے ہی لاہور آ گیا تھا میں بھی ابتدائی کارکنوں میں شامل تھا۔ عدنان بھی اس وقت زیر تعلیم تھے۔ تب ہی کالج کے بعد عدنان نے دفتر آنا شروع کر دیا تھا۔ ضیا صاحب جوان دنوں بھرپور صحت کے حامل تھے اور روزانہ 18 سے 20 گھنٹے خود کام کرتے تھے۔ ان کا رویہ عدنان سے بھی ایسا ہی تھا جیسا باقی کارکنوں سے' ویسے ہی اس کو ڈانٹ پڑتی' ہمارے ساتھ بیٹھ کر وہ کام کرتا اور دفتر میں ضیا صاحب کو اس نے کبھی

Marfat.com

کسان ٹائم ایوارڈز 2005ء میں وزیراعظم شوکت عزیز کا خیر مقدم کرتے ہوئے۔

کسان ٹائم ایوارڈز کی سالانہ تقریب 2005ء میں گورنر پنجاب خالد مقبول کا استقبال کرتے ہوئے۔

Marfat.com

اپنی رہائش گاہ پر پنجاب کے وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی کا استقبال کر رہے ہیں۔

ایک تقریب میں سابق صدر فاروق لغاری کے ہمراہ۔

Marfat.com

ابو کہہ کر نہیں پکارا' ہمیشہ ضیا صاحب یا چیف صاحب کہا کرتا' جیسا کہ باقی لوگ کہتے تھے۔ پروفیشنل ازم شاید اسی کا نام ہے اور پروفیشنل اپروچ بھی اسے ہی کہتے ہیں کہ اگر اولاد کو کسی قابل بنانا ہے تو اسے حالات کی چکی میں پوری طرح پسنے دو۔

پھر کالج سے فارغ ہوتے ہی اس میانہ قد محنتی سے نوجوان پر ایک دم بہت سارا بوجھ لاد دیا گیا۔ ''خبریں'' کا آغاز تھا' مسائل کا انبوہ تھا' وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ ایک عالم تھا کہ جو مخالفت پر اور دشمنی پر اتر آیا تھا۔ حکومتی بندشیں تھیں' روزانہ ایک کٹھن امتحان تھا کہ جس سے گزرنا پڑتا' روز ایک ہی دھڑکا ہوتا کہ پتہ نہیں کل اخبار چھپ بھی سکے گا یا نہیں' تب یہی نوعمر عدنان تھا جو کاغذ کی دستیابی کیلئے' فلموں کی تلاش میں' سیاہی کی جستجو لئے رات گئے تک پھرکی کی طرح گھومتا اور اخبار کی اشاعت ممکن بناتا۔ پھر دوسرے روز یہی مشق' تھکن تو اس کے قریب تک نہ پھٹکتی۔

مسلسل اور بلا تکان کام کرنے کی عادت اس نے ضیا صاحب سے وراثت میں پائی تھی لیکن ضیا صاحب کے برعکس وہ غصے یا جھنجھلاہٹ کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ 8 سال تک وہ ''خبریں'' کا ایڈیٹر رہا اور ''خبریں'' کے تمام کارکن گواہ ہیں کہ ڈانٹ ڈپٹ کرنا اس کی عادت میں شامل ہی نہ تھا۔ وہ باس لگتا ہی نہیں تھا۔ یہاں ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ ضیا صاحب کا غصہ مشہور تھا۔ چنانچہ عدنان نے ایک چارٹ لیا اور اس پر بڑے جلی الفاظ میں NO لکھ کر ضیا صاحب کے کمرے میں لگا دیا۔ یہ ''خبریں'' کے پرانے دفتر پنچ محل روڈ کے زمانے کی بات ہے۔ اس نے کہا کہ ضیا صاحب! اب آپ نے غصہ نہیں کرنا' جو کام ہونا ہوتا ہے اپنے وقت پر ہی ہوتا ہے' غصے سے یا ڈانٹ سے کام بننے کے بجائے بگڑتے ہیں۔ اس لئے اب آپ نے غصہ کر کے اپنی صحت کو تباہ نہیں کرنا۔ میں یہ NO کا چارٹ آپ کی نشست کے سامنے آویزاں کر رہا ہوں۔ آپ کو

Marfat.com

جب بھی غصہ آئے اس کی طرف دیکھ لیا کریں' آپ کو اپنا عہد یاد آ جائے گا۔ اس واقعہ پر ضیا صاحب نے ایک کالم بھی لکھا تھا۔ یہ NO کا چارٹ بھی پرانے دفتر سے نئی عمارت میں منتقل ہو چکا ہے اور آج بھی ضیا صاحب کے کمرے میں ان کی نشست کے سامنے کی دیوار میں بائیں طرف چسپاں ہے۔ اب عدنان ضیا صاحب کے کمرے کا سبزی مائل گرے رنگ کا دروازہ کھول کر تو کبھی داخل نہ ہو گا لیکن یہ چارٹ اس کی ہمہ وقت موجودگی کی شہادت دیتا رہے گا۔

موت سے مفر تو ممکن نہیں اور سب انسان ایک قطار میں اس خدائے بزرگ و برتر کے حضور حاضری کو اپنی اپنی جگہ ایستادہ ہیں لیکن جو دستور ہے اور قطار کا جو نظم ہم نے اپنی دانست کے مطابق بنا رکھا ہے' اس میں تو پیر لوگ باب حاضری کے قریب تر سمجھے جاتے ہیں لیکن قدرت کے اپنے کارخانے ہیں کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ قطار میں پیچھے دور کہیں کھڑے شخص کو آواز دے دی جاتی ہے۔ عدنان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ وہ تو ابھی جوانی کی سرحدوں کے بہت اندر تھا' قطار میں بہت دور کھڑا تھا لیکن اسے بارگاہ عزوجل میں طلبی کا اذن مل گیا جب کہ انسان خود کو قطار میں بہت دور تصور کرنے کے فریب میں مبتلا ہو اور اپنے کسی آس پاس والے کو آواز پڑ جائے تو سوچنے کی اور سمجھنے کی ساری قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ عدنان میرا ہم سن تھا۔ ضیا صاحب اور ان کی فیملی سے ایک دیرینہ اور نیاز مندی کا رشتہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ عدنان کو کیسے الوداع کہہ دوں۔ اس متحرک نوجوان کو کس طرح موت کی بندشوں میں ساکت و جامد تصور کر لوں۔

دنیا کے کارخانے چلتے رہیں گے۔ بس اب ہو گا یہ کہ وہ جو "خبریں" ٹاور کی سب سے اوپری منزل ہے' جہاں پانچ افراد کی چہکاروں سے زندگی اٹھکیلیاں بھرا

Marfat.com

کرتی تھی، اب کبھی خوشیوں کی چکاچوند نہ دیکھے گی۔ ننھا نوفل اور پھولوں جیسی فجر اور حفصہ، اب بھی شاید اس منزل کے اندر بھاگیں دوڑیں گے مگر اس منزل کی دیواریں اب ان کے معصوم لبوں سے ادا ہونے والے "بابا" کے الفاظ سننے سے محروم رہیں گی۔ پتہ نہیں یہ ننھی جانیں کتنا عرصہ کسی تکلیف میں یا خوشی کے موقع پر باپ کی شفقت کو لاعلمی میں پکارا کریں گی لیکن ان کا ہاتھ تھامنے والا اور سر پر پیار کا ہاتھ رکھنے کو والد دستیاب نہ ہوگا۔ ہماری بہن حمیرا اویس کو بھی دلیلوں سے بھرپور لیکچر سننے کو نہیں ملیں گے۔ آنٹی یاسمین کو بھی اپنی ممتا نچھاور کرنے کو تیسرا مادی وجود میسر نہ ہوگا۔ امتنان کو اب عدنان کی دوستیوں اور اس کے پراجیکٹس کا بار بھی اٹھانا ہوگا۔ ڈاکٹر نوشین اب دو بھائیوں کی اکلوتی بہن کے بجائے اکلوتے بھائی کی اکلوتی بہن رہ جائے گی اور شاید کبھی ایسا بھی ہو کہ عالم خود فراموشی میں ضیا صاحب اپنا فون اٹھائیں اور پی اے سے کہیں عدنان سے کہو میرے ساتھ ایکسٹینشن پر بات کرے۔ بلاشبہ یہ بڑی آزمائش ہے اور کڑا امتحان۔

ضیا صاحب ان دنوں اپنی یادداشتیں قلم بند کر رہے تھے۔ اس کتاب کا پہلا جملہ یہ ہے کہ "میری عمر گیارہ ماہ تھی جب اچانک میرے والد کا انتقال ہو گیا۔" یہ اچانک ان کی زندگی میں بری طرح شامل ہے۔ دوسرا اچانک ڈاکٹر بقا محمد، تیسرا مزمل مہدی اور چوتھا اب عدنان شاہد کی صورت میں در آیا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں اور رب کائنات کے حضور درخواست گزار ہیں کہ اس خاندان کی زندگی میں آئندہ کوئی اچانک نہ آئے۔ آمین

الوداع عدنان شاہد الوداع! اللہ تم پر اپنی رحمتوں اور نوازشات کی برسات کرے۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

"فرقہ جلدیہ" کا درویش

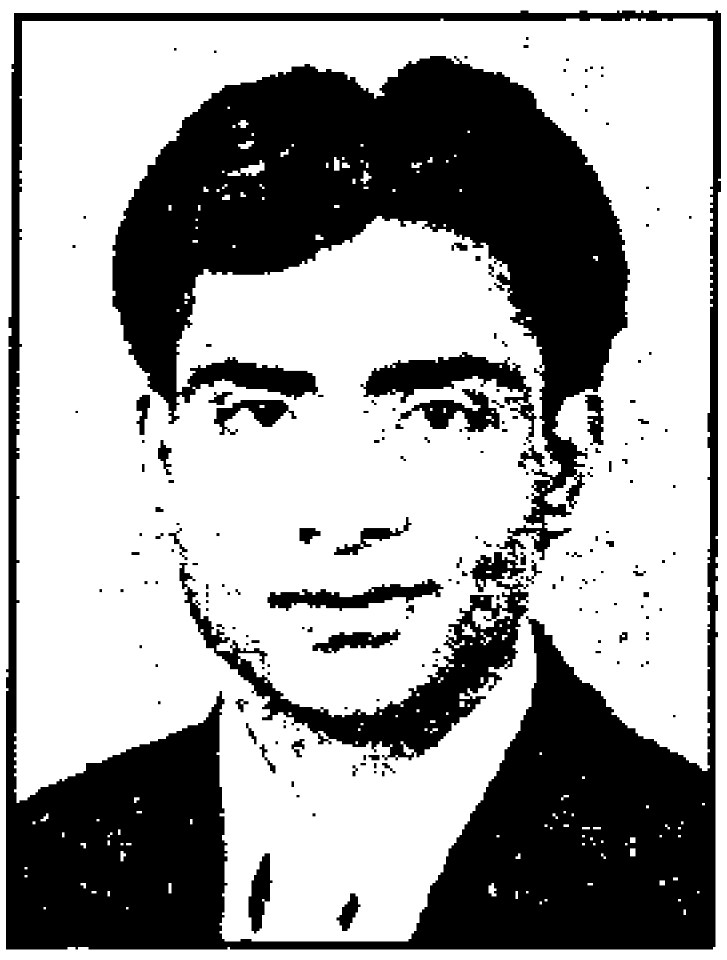

طارق حمید

اور ہوتا بھی یہی ہے...... ہمیشہ...... کہ محبت اپنی گہرائی سے بے خبر ہی رہتی ہے تا آنکہ فراق کی گھڑی' جدائی کی ساعت اور وچھوڑے کا لمحہ آجائے۔

وہ فقط میرا ہی دلدار نہ تھا...... اسے لحد میں اتارنے والے سینکڑوں چہروں سے محبت و حسرت عیاں تھی اور التجائیں بھی۔

"ابھی ہم سے دور نہ جا"

"اتنی جلدی ہم سے جدا نہ ہو"

"دیکھ تیری دل پذیر مسکراہٹ سے تو امید کی شمعیں روشن ہوتی تھیں' انہیں ہمیشہ کے لئے گل نہ کر"

"تیری بے داغ جوانی' تیری اٹھان نے ہمیں کیسے کیسے خواب دیکھنا سکھائے' انہیں مت بکھیر......!"

"تو ہمارے درمیان اجنبی تھا نہ مہمان' پھر یہ بیگانگی کیسی' جوگیوں' درویشوں اور پنچھیوں کی طرح یہ بنا بتائے رخت سفر باندھ لینے کا کیا مطلب؟"

"ہم نے تجھے بہت چاہا' بہت پیار کیا مگر ہماری محبت بے زباں رہ گئی کہ اسے اظہار

Marfat.com

کیلئے الفاظ نہ مل پائے......اور...... آج......دیکھ آنسو بھی تو محبت ہی کے پیامبر ہوتے ہیں!!میں کہہ نہیں سکتا کہ اس روز بادل زیادہ برسے کہ آنکھیں۔ لیکن......انا للہ وانا الیہ راجعون......!!یقیناً ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ......قطرے کو سمندر اور "جزو" کو اپنے "کل" سے ملنا ہے......یہ ذائقہ ہر ذی روح کو چکھنا ہے۔ سو ہماری محبتیں اور چاہتیں اسے روک پائیں اور نہ ہی ہماری ضرورتیں اور خواہشیں اس مرد درویش کی راہ میں حائل ہو سکیں۔ قطرہ سمندر اور "جزو" اپنے "کل" سے مل گیا۔

موت ایک تلخ حقیقت ہے۔ یہ میں نے محض سن رکھا تھا لیکن عدنان کی وفات حسرت آیات کی تلخی حلق میں محسوس ہوئی۔ یقین تو خیر اب بھی نہیں آتا' وہ جو اتنا زندہ آدمی تھا کہ اس کی موجودگی میں یاس و نومیدی کی جگہ نہ بچتی چہ جائیکہ......موت ......!عدنان مرحوم سے میری شناسائی' رفاقت اور دوستی کم و بیش گیارہ برس پر محیط رہی۔ ماضی کے ملگجے اندھیروں میں کھوئے ان گیارہ برسوں کی بیشمار یادیں یوں ابھرتی' ڈوبتی ہیں گویا ستاروں کی ٹمٹماہٹ۔

عدنان مرحوم فرشتہ نہیں تھے اور نہ ہی میں ایسا ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ اول تو "فرشتے سے بہتر ہے انسان ہونا" اور دوسری بات یہ کہ عدنان شاہد ایسے لوگوں کو فرشتہ ثابت کرنے کی سعی شروع کر دی جائے تو پھر انسانیت کے دامن میں کیا سرمایہ افتخار بچے گا۔ لہٰذا وہ انسان تھے درد دل کے واسطے پیدا ہوئے......ورنہ طاعت کے لئے کروبیاں کچھ کم نہ تھے۔

میں بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ عدنان شاہد ایسے لوگوں میں سے تھے جن سے مل کر زندگی سے عشق ہو جاتا ہے۔ میں کبھی کبیدہ خاطر ہوتا تو کسی بہانے ان کے پاس پہنچ جاتا گویا اپنی خستگی کی داد پانے کہ وہ ہستی خوش جمال و خوش خصال ہی نہ تھی

Marfat.com

اپنی خوش بیانی میں مسیحائی کا ہنر بھی رکھتی تھی۔ ان کے کمرے سے نکلتا تو ساری یبوست کافور ہو چکی ہوتی۔ ایک مرتبہ ایسا نہ ہوا تو انہوں نے وجہ پوچھی۔ میں نے والد صاحب پر فالج کے حملے کی بابت بتایا۔ دوسرے روز دفتر پہنچا تو استقبالیہ پر پیغام ملا کہ ایڈیٹر صاحب نے فوری طور پر یاد کیا ہے۔ میں ان کے کمرے میں گیا تو کاغذ میرے سامنے رکھتے ہوئے گویا ہوئے۔ دو دن کی چھٹی کی درخواست لکھیں اور میگزین کا جو کام رہ گیا ہے میرے پاس لائیں۔ درخواست لکھ کر میں قدرے حیرانی سے مضامین کے مسودے لیکر ان کے کمرے میں پہنچا تو فون پر کسی ڈاکٹر سے بات کر رہے تھے۔ تب مجھ پر وہ عقدہ کھلا جس نے مجھے حیران کر رکھا تھا۔ انہوں نے لاہور کے ایک بہترین نیورالوجسٹ سے بات کر کے میرے والد صاحب کے لئے وقت لیا تھا۔ مجھے چھٹی دی تھی۔ میرا کام خود انہوں نے کیا اور شاید ڈاکٹر کی فیس بھی خود ہی ادا کی تھی کہ ڈاکٹر نے یہ فیس مجھ سے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیا ایسے لوگوں سے مل کر زندگی پیاری پیاری نہیں لگنے لگتی۔

والدین کی اطاعت در حقیقت احکام الٰہی کی بجا آوری ہے۔ خدا جانے یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت کہ جس نے اس پیارے انسان کو آداب فرزندی میں درجہ کمال تک پہنچا رکھا تھا۔ گیارہ برسوں کی شناسائی میں کوئی ایک واقعہ میں نے نہیں دیکھا کہ انہوں نے ضیا صاحب کے حکم سے سر تابی کی ہو۔ حکم کی بات تو ایک رہی وہ تو ان باتوں سے بھی دور رہنے کی کوشش کرتے جو چیف صاحب کو ناپسند ہوتیں۔ ہاں چیف صاحب کے نزدیک ایک ناپسندیدہ فعل سے وہ بارہا کوشش کے باوجود بھی خود کو محفوظ نہ رکھ پائے تھے۔ وہ فعل تھا سگریٹ نوشی۔ ایک مرتبہ سنڈے میگزین کے بارے میں' میں ان سے ہدایت لے رہا تھا۔ ہم دونوں کے ہاتھ میں سگریٹ تھے اور لبوں پر قہقہے کہ اچانک ان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور چیف صاحب...... ! چیف صاحب کے چہرے

Marfat.com

پر ناگواری کا تاثر دیکھ کر ہم نے ایک عرصہ تک سگریٹ نوشی ترک کرنے کی کوشش کی لیکن "چھٹتی نہیں ہے منہ کو کافر لگی ہوئی"۔

عدنان مرحوم سے میری قربت کی اصل وجہ کرکٹ تھی اور کتابیں۔ میرے ان اشغال کو انہوں نے جلا بخشی۔ غبار خاطر' نسخہ ہائے وفا' لبیک' آوز دوست اور جانے کتنی کتابیں میں نے ان سے لیکر پڑھیں۔ اور کرکٹ میں ہم دونوں ایک ہی ٹیم میں ہوتے تھے۔ "بابا الیون" میں۔ کوئی بھی میچ ہوتا تو اس کے ختم ہونے پر گراؤنڈ سے باہر آتے ہوئے' ایک دلکش آواز آتی "اوئے آخر بابے ای کم آندے نیں۔" یہ آواز اس بابے کی ہوتی' جس کی جوانی میں' بزرگی کے آثار بدرجہ اتم موجود تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول مبارک ہے کہ رحمت ہے وہ جوانی جس میں بزرگی کے آثار ہوں اور لعنت ہے وہ بڑھاپا جس میں جوانی کے......!"

"خبریں" نے 2002ء میں آل پاکستان میڈیا ٹورنامنٹ میں فتح پائی تو اس ٹیم کے تمام ارکان نے' جن میں سے چند ایک اب "خبریں" سے منسلک نہیں' اس کامیابی کا کریڈٹ اسی شخص کو دیا جو واقعی اس کا حقدار تھا۔ میں تو شاید صرف نام کا کپتان تھا۔ ٹیم کو کھلانے کی ساری منصوبہ بندی تو میچ شروع ہونے سے قبل اور وقفوں کے درمیان وہی کرتے تھے۔ دوران میچ جب کبھی میں کریز پر موجود ہوتا اور پانی کا وقفہ ہوتا تو عدنان مرحوم سگریٹ سلگا کر پانی لانے والے کھلاڑی کے ہاتھ بھجواتے۔ ایک میچ میں امپائر معترض ہوا تو بولے "سر! ہمارا کپتان پانی کے بغیر تو شاید سات دن نکال لے گا' سگریٹ کے بغیر سات منٹ بھی نہیں۔" گیارہ برس کی کھیل کے میدان کی یہ رفاقت اور پھر وہ آخری میچ......! میچ سے چند روز قبل مجھے بلا کر اپنا نیا بیٹ دے کر بولے یار اسے ذرا کھول دو۔ "عدنان صاحب' یہ بہت مہنگا ہے کہیں edge نہ لگ جائے۔" میری بات پر بولے "بھائی دنیا کی کوئی مادی شے تو کیا یہ ساری کی ساری دنیا کسی انسان

Marfat.com

سے قیمتی نہیں ہو سکتی اور پھر کوئی سامان تو کیا انسان اور کل کو اس جہان نے بھی فنا ہو جانا ہے۔" یہ بات کرتے ہوئے وہ کہیں کھو سے گئے، جیسے کہیں دور کسی غیر مرئی شے کو دیکھ رہے ہوں۔ اتوار کے روز میچ ہوا اور اس میں بھی "بابے" ہی کام آئے۔ وہ دن اور آج کا دن جبکہ کرکٹ کا ورلڈ کپ ہنگامہ بپا کیے ہوئے ہے ہم سب کی زبان پر کرکٹ کا نام تک نہیں آیا۔ کھیلیں بھی تو کیسے کہ عدنان صاحب! میرے بھائی، میرے دوست، میرے کپتان کھیل تو آپ ختم کر گئے اور کپتان کے بغیر بھی بھلا کوئی ٹیم ہوتی ہے؟

مجھے درویشوں سے بڑی عقیدت ہے، وہ ملامتی ہی کیوں نہ ہوں۔ ہاں سوٹڈ بوٹڈ درویشوں سے تو مجھے عشق ہے، وہ درویش کہ بقول ساغر صدیقی جن کی آستینوں میں آفتاب ہوتے ہیں اندھیروں کو تلف کرنے کیلئے۔ درویش کہتے کسے ہیں۔ وہ جو اطاعت، محبت اور سخاوت کا پیکر ہو۔ عدنان مرحوم کو والدین کی اطاعت میں، میں نے درجہ کمال پر پایا۔ انہوں نے بس ایک حکم نہ مانا...... جب وہ لندن کے ہسپتال میں آنکھیں موندے پڑے تھے اور ضیا صاحب، جو اس وقت چیف صاحب نہیں تھے ان سے کہہ رہے تھے "عدنان...... بیٹے اٹھو...... آنکھیں کھولو...... لیکن شاید تب بھی مرحوم کہہ رہے ہوں کہ "تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے"

جہاں تک محبت کی بات ہے تو شاید وہ شخص دنیا میں آیا ہی پیارا لگنے کیلئے تھا۔ مبداء فیاض سے انہیں یہ نعمت جی کھول کر عطا ہوئی۔ اور انہوں نے یہ خزانہ بلا تخصیص لٹایا۔ ثبوت ہزاروں آنکھوں کے وہ کروڑوں آنسو ہیں جو میں نے خبریں گروپ کے ایگزیکٹوز سے لیکر نائب قاصدوں تک کی آنکھوں میں دیکھے، اور میں نہیں کہہ سکتا کہ بادل زیادہ برسے کہ آنکھیں، جواب تک برستی ہیں۔

رمضان المبارک کا دوسرا عشرہ تھا۔ میں کسی کام کے سلسلے میں ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے چائے کی پیالی تھی اور ہاتھ میں سگریٹ۔ یہ کیا؟ میرے تاسف پر

Marfat.com

بولے "افطاری"! دو بجے افطاری؟ میرے استفسار پر وہ گویا ہوئے، یار میں دو دن سے بیمار ہوں' ویسے بھی میرا اور خالد چودھری صاحب کا تعلق "فرقہ جلدیہ" سے ہے۔ یہ فرقہ ملامتیہ کی کوئی شاخ ہے؟ میرے سوال پر گویا ہوئے "جی ہاں، ویسے میرا مسلک بھی نیا راہ طریقت بھی نئی۔" اب سوچتا ہوں کہ "انا الحق" کا نعرہ مستانہ لگانے والے حسین بن منصور حلاج سے انہیں اتنی عقیدت کیوں تھی۔ یہ راز تو مجھ پر بعد میں منکشف ہوا کہ وہ واقعی فرقہ جلدیہ کے ملامتی صوفی ہی تھے۔ جلدی جلدی وہ سب کام کر گئے جو برسوں کے متقاضی ہوتے ہیں۔ انہوں نے تو جانے میں بھی جلدی کی۔

عدنان صاحب! بخدا میں آپ کے بارے میں مطمئن ہوں۔ منقول ہے کہ سرکار دو عالم، شاہ بنی آدم، نبی محتشم ﷺ کے سامنے سے جنازہ گزرا جس کے ساتھ چلتے لوگوں میں سے کچھ بولے "نہایت اچھا آدمی تھا یقیناً جنت پائے گا۔" میرے آقا و مولیٰ کی لسان رحمت سے الفاظ نکلے "واجبت"۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا "یارسول اللہ کیا واجب ہوا۔" فرمایا' جنت! یاد رکھو انسان کے بارے میں جو دوسرے انسانوں کی رائے ہوتی ہے وہ اللہ رب العزت کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اور عدنان صاحب! آپ کی بات تو جہاں بھی ہوئی سب نے وہی الفاظ کہے جن پر "واجبت" کی گواہی موجود ہے۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

زندگی ایک امانت

ریما خان

زندگی کیا ہے؟ ایک انمول تحفہ جو خدا نے انسان کو دیا' مگر امانت کے طور پر۔ وہ مالک ہے' جب چاہے اور جس طرح چاہے' اپنی یہ امانت واپس لے سکتا ہے۔

انسان کس قدر بے بس ہے۔ قدرت نے اس کو اشرف المخلوقات بنایا۔ زمین و آسمان کے اندر چھپے رازوں کو سمجھنے کی عقل عطا کی اور انسان اپنی عقل کے ذریعے واقعی وہ کچھ کر رہا ہے' جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن سب کچھ کر کے بھی انسان یہ نہیں جان پایا' نہیں جان سکتا کہ کس وقت اور کس گھڑی اس کا بلاوا آ جائے۔ کب موت آ کر زندگی کو اپنی آغوش میں لے لے۔ یہاں خدا کی قدرت نظر آتی ہے کہ اس نے انسان کو ہر طرح کی نعمت عطا کی' مگر بے بس انسان یہ جاننے سے اب بھی قاصر ہے کہ وہ اس دنیا میں کتنے عرصے کا مہمان ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ موت برحق ہے اور ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے' مگر کبھی کبھی موت پر اس وقت حیرت ہوتی ہے جب یہ کسی ایسی زندگی کو اپنی آغوش میں لے لے' جس کے بارے میں موت کا تصور دور دور تک نہ ہو۔ ایک صحتمند انسان خوش خوش زندگی کرتا جوانی کی

Marfat.com

دہلیز پر بڑی شان سے کھڑا ہو اور یکدم موت دروازے پر دستک دے کر اس شخص کی زندگی کے اجالوں کو موت کے اندھیروں میں بدل دے تو دیکھنے اور سوچنے والے حیران و پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدنان شاہد صحافت کی دنیا میں ایک روشن ستارہ تھے۔ بہت کم عرصے میں انہوں نے اپنی محنت اور لگن سے اپنا ایک منفرد مقام بنایا۔ عزت' دولت' تعلیم' عقل' وجاہت' آداب' رواداری' خداترسی' حسن سلوک اور بے مثال اخلاق والا یہ نوجوان جو اچانک ہم سب کو جدائی کا دکھ دے کر اس جہان فانی سے کوچ کر گیا' کی رحلت پر ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ماں باپ کی خدمت کے جذبے سے سرشار یہ نوجوان آخری سفر میں بھی اپنے والدین کی تیمارداری کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا۔

ایک اچھا صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ عدنان شاہد ایک اچھا بیٹا' باپ' شوہر' بھائی' دوست اور سب سے بڑھ کر ایک اچھا انسان تھا۔ اس کی اچانک موت پر ہر اپنا پرایا ان کے والدین کے غم میں برابر کا شریک تھا۔ لوگ تو چلے جاتے ہیں مگر ان کا بلند اور بے داغ کردار ان کو زندہ رکھتا ہے۔ آج ہر کوئی عدنان شاہد کو یاد کر کے دکھی ہے اور اس کی کمی کو بہت شدت سے محسوس کر رہا ہے تو یہ اس کے ایک اچھا انسان ہونے کا ثبوت ہے۔

ماں باپ کا غم تو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی' مگر میں عدنان شاہد کی اہلیہ کی ہمت کی بھی داد دیتی ہوں' جنہیں نوجوانی میں بیوگی کا سا المناک دکھ مل گیا' مگر وہ اپنے بچوں کو صبر اور ہمت کی تلقین کر رہی ہیں۔ تسلیم و رضا کے اس منظر کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ اتنے بڑے صدمے کے باوجود اپنے رب کریم کی مرضی کے سامنے سربسجود ہیں۔ امتنان صاحب کی حالت دیکھ کر بھی دل بہت دکھی ہوا۔ ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں اور آج وہ اپنے بھائی کے بغیر اکیلے رہ گئے' مگر جس طرح انہوں نے اپنے تمام گھر والوں کو سنبھالا' یہ

Marfat.com

بھی ان ہی کی ہمت تھی۔

میری عدنان شاہد سے "خبریں" کے دفتر میں ہی ملاقات ہوئی۔ ہمیشہ بردباری کا مظاہرہ کیا۔ احترام اور دھیمے لہجے سے ہمیشہ مخاطب کیا۔ عدنان شاہد دوسروں کو عزت دے کر اپنی عزت محسوس کرتے تھے۔ آج ان کی کمی ان کے گھر والوں کے ساتھ ساتھ ہر اس شخص کو محسوس ہو رہی ہے' جو اُن سے محض ایک بار ملاقات کر چکا ہو کیونکہ ایک ملاقات کے بعد ہی ہر کوئی ان کے اخلاق کے گن گاتا نظر آتا تھا۔ اتنے بڑے صدمے اور دکھ میں ہم سب ضیا صاحب اور ان کی فیملی کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

میرے خیال میں عدنان شاہد اس دنیا سے جاکر بھی یہاں سے نہیں گئے۔ یہ 37 سالہ نوجوان جسمانی لحاظ سے تو آج ہم میں موجود نہیں ہے' مگر میں یقین سے کہتی ہوں کہ ایک اچھے انسان کی حیثیت سے اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا اور ایسے لوگ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں' جن کا نام ان کے جانے کے بعد بھی زندہ رہے۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

آہ! عدنان شاہد

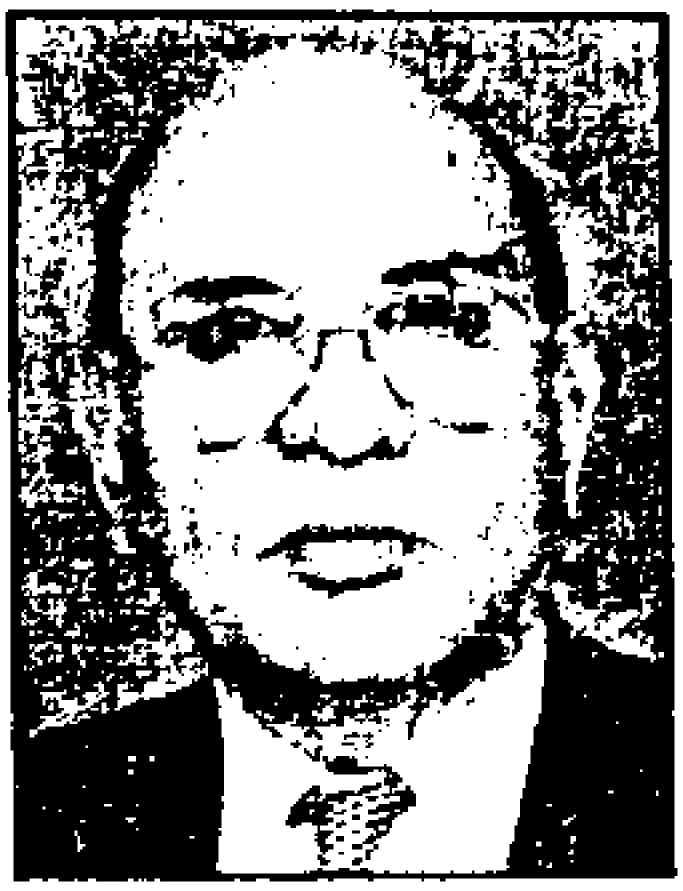

شریف فاروق

زمانہ ہوا ایک شعر نظروں سے گزرا تھا اور یہ شعر یوں ہے:

کیا نزع کی تکلیفوں کا مزہ جب موت نہ آئے جوانی میں
کیا لطف جنازہ اٹھنے کا ہر گام پہ جب ماتم نہ ہو!

ایک زمانے تک اس شعر کے تنوع نے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالے رکھا۔ 10 فروری کی صبح کو جب عزیزی عدنان شاہد کی اچانک المناک موت کا سانحہ رونما ہوا تو یہ شعر اپنی معنویت کھو بیٹھا کیونکہ یہ موت اگرچہ ایک جواں سال فرزند کی موت تھی، جس نے دیار غیر میں اپنے والد اور والدہ کے قدموں میں، پلک جھپکنے میں جان جان آفرین کے حضور پیش کر دی...... یہ موت اتنی المناک تھی کہ جوانی کے حوالے سے تمام ترالمیہ تلمیحات اپنا اثر کھو بیٹھیں اور غم واندوہ نے پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا۔

...... (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حقیقت یہ ہے کہ یہ اس قدر المناک اور اچانک موت تھی کہ اس کی تفصیل میں جایا ہی نہیں جا سکتا۔ عدنان شاہد گیا تو اپنے والد کی تیمارداری کے لیے تھا لیکن

Marfat.com

وہاں وہ خود ناگہانی موت کا شکار ہو گیا۔ یہ ناگہانی موت ایسی تھی کہ ناگہانی کا لفظ بھی منطبق نہیں ہوتا...... اس کے بلند حوصلہ و عزم کے مالک والد اور شفیق و رقیق القلب والدہ پر کیا گزری ہو گی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا' سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سمیت عدنان مرحوم کی بیوہ اور بچوں اور چھوٹے بھائی امتنان شاہد کو یہ صدمہ جھیلنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔

جہاں تک عدنان شاہد کا تعلق ہے اس سے صرف ایک بار ملاقات اور گفتگو کا موقع ملا' اسے نہایت خلیق اور نرم گفتار پایا۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو بالاصرار دروازے تک چھوڑنے کے لیے آیا...... وہ اپنے انگریزی اخبار ''دی پوسٹ'' کا ایڈیٹر تھا' اسے انگریزی زبان پر بڑا عبور حاصل تھا۔ وسیع مطالعہ اور گہرے صحافتی تجربے کے باعث وہ اخبار کو کامیابی سے چلا رہا تھا' اس کے مضامین بھی بڑے عمیق اور ہمہ گیر ہوتے تھے یہی صلاحیت اس کی اہلیہ کے حصے میں بھی آئی تو کچھ ایسے لگتا ہے کہ اس کی شرافت اور ذہانت کو نظر لگ گئی' جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے اچانک اپنے پاس بلا لیا لیکن اللہ تعالیٰ نے جس حالت میں اسے اپنے پاس بلایا اس پر اللہ تعالیٰ سے گلہ تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اپنی مصلحتوں سے واقف ہے لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ سے گلہ کرنا بھی کوئی ناجائز نہیں ہوتا کیونکہ اس سے ''گلہ'' نہ کیا جائے تو کس سے کیا جائے۔

برادر عزیز ضیا شاہد' ان کی اہلیہ محترمہ اور خاندان کے دوسرے افراد پر جو افتاد پڑی ہے ہم اس کی قیامت خیزیوں سے خوب باخبر ہیں لیکن صبر اور شکر کے سوا کچھ چارہ نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے...... آمین!

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ایک اچھا انسان

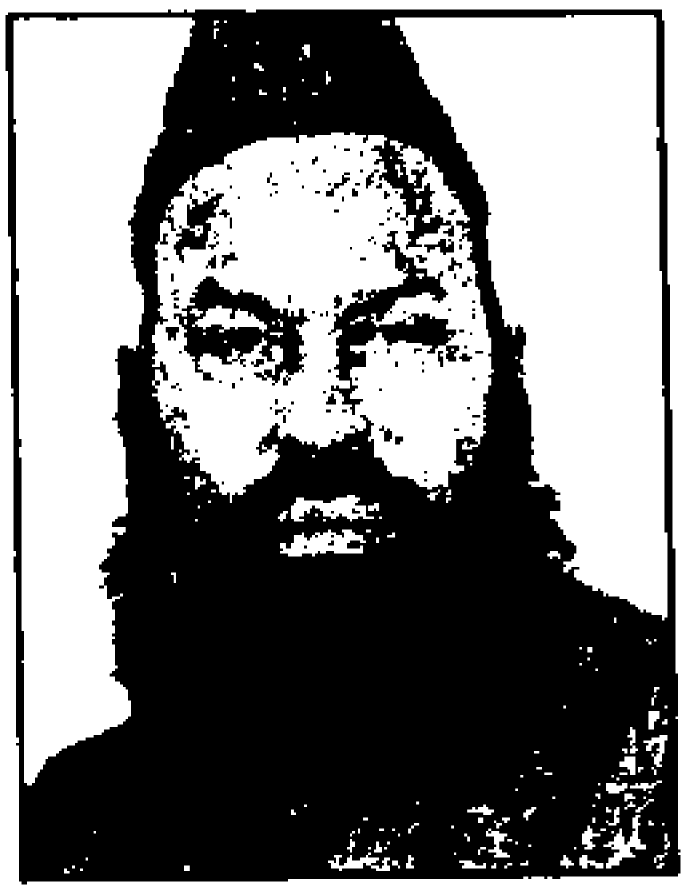

اسحاق چودھری

عدنان شاہد مرحوم ایک اچھے دوست، اچھے رفیق، بہترین ساتھی اور تعاون کرنے والے ایڈیٹر تھے۔ انہوں نے افسر اور ورکر کے درمیان دوری ختم کر کے بہترین مثال قائم کی۔ کارکنوں سے جب بھی ملتے سلام میں ہمیشہ پہل کرتے، چہرے پر شگفتگی اور مسکراہٹ رہتی اور دفتر کی سیڑھیاں اترتے وقت ورکر کو پہلے اترنے کی دعوت دیتے، بہت ہی اچھے انسان تھے۔ انہیں کوئی تکلیف، کوئی شکوہ کوئی شکایت بھی نہیں تھی، پتہ نہیں کیوں روٹھ گئے اور اپنی خوشگوار یادیں اور انمٹ نقش پا چھوڑ گئے تاکہ ہمیں ان کے مشن کو آگے بڑھانے میں کوئی مشکل یا دقت پیش نہ آئے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کے نقش پا پر دھول نہ جمنے دیں۔

ہر مسلمان دعا کرتا ہے کہ اسے عزت کی موت نصیب ہو، قبر کیلئے اچھی جگہ ملے، چلتا پھرتا اس دنیا سے رخصت ہو، کسی پر بوجھ نہ بنے، اس کے جنازے کو کندھا دینے والوں کا ہجوم ہو اور اس کے اپنے اسے لحد میں اتاریں، اس کا چہرہ تبدیل نہ ہو۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ پتا نہیں عدنان وہ کون سا عمل کرتے تھے کہ رب ذوالجلال نے اس کی تمام دعائیں قبول فرمالیں۔ وہ چلتے پھرتے اور مسکراتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ایک

Marfat.com

لمحہ کیلئے بھی کسی پر بوجھ نہ بنے کسی سے ایک گھونٹ پانی نہیں پیا، جنازے کو کندھا دینے والوں کا جم غفیر تھا۔

اس کا چہرہ مرنے والوں کا چہرہ نہیں تھا' مسکراہٹ کھیل رہی تھی' دیکھنے والے کو یہی تاثر ملتا تھا کہ عدنان سو رہا ہے 'ڈسٹرب مت کرنا جاگ جائے گا۔ گھر سے قبرستان تک انسانی سروں کا سمندر تھا۔ ہر شخص عدنان شاہد کے جانے پر دکھی تھا۔ اسے بے حد پیار کرنے والوں نے اسے لحد میں اتارا۔ آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے۔

یقیناً وہ عمل اس کی انسان دوستی، ایمانداری، اچھی سوچ، مثبت فکر اور دوسروں سے محبت تھا کیونکہ یہی عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ یہ ایک راستہ ہے جس پر چلنے والے دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح پاتے ہیں اور سرخرو ہوتے ہیں۔ ٹی وی پر عدنان کے انتقال کی خبر بہی خواہوں، دوستوں اور چاہنے والوں پر بجلی بن کر گری، کوئی یقین کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔ یہ انہونی بات تھی چونکہ دنیا میں آنا جانا نظام قدرت ہے، اس لیے دفتر میں ٹیلی فون کر کے لوگ کنفرم کر رہے تھے اور ہر شخص کی زبان پر مرحوم کیلئے تعریفی کلمات تھے۔

جو لوگ حج یا عمرہ کیلئے بیت اللہ جا چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خانہ کعبہ کے گرد طواف کا سلسلہ چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ ایک طواف کے 7 چکر ہوتے ہیں جس کے چکر پورے ہو جاتے ہیں وہ باہر نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ نیا آجاتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو دنیا گھومتی محسوس ہوتی ہے یہی نظام ہے جو چکر لگا لیتا ہے وہ دنیا سے چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ نئی روح دنیا میں بھیج دی جاتی ہے جو لوگ خانہ کعبہ کے قریب ہو کر چکر لگاتے ہیں وہ بہت جلد طواف مکمل کر لیتے ہیں انہیں فائدہ ہوتا ہے کہ وہ غلاف کعبہ کو چومتے ہیں، دیواروں سے چمٹ جاتے ہیں، حطیم میں نوافل ادا کرتے ہیں، میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہو کر گناہوں کی معافی مانگ لیتے ہیں، اللہ

Marfat.com

نومبر 2002ء میں اس وقت کے وزیر خزانہ شوکت عزیز کے ہمراہ۔

Marfat.com

ملک معراج خالد کے ساتھ ایک تقریب میں۔

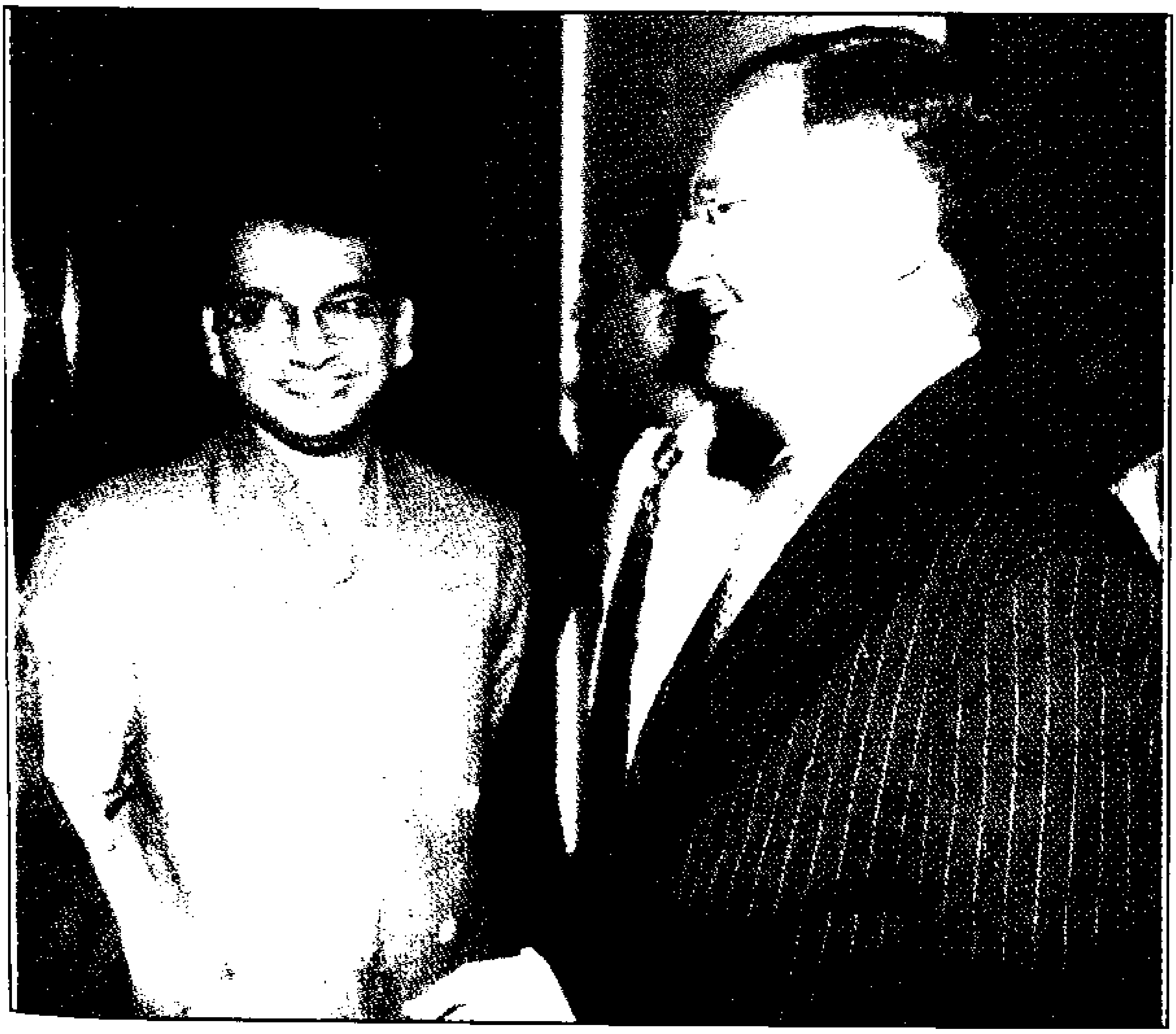

سابق وزیر اطلاعات نثار میمن کے ساتھ ایک تقریب میں۔

Marfat.com

تعالیٰ کی چوکھٹ کو چوم لیتے ہیں۔ حجر اسود کو چوم لیتے ہیں اور انہیں جو سکون، سرور اور اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ وہی لوگ جانتے ہیں جو لوگ ذراہٹ کر بھیڑ سے دور طواف کرتے ہیں ان کا زیادہ وقت لگتا ہے وہ دور سے ہی اشاروں سے اللہ کی چوکھٹ اور حجر اسود کو چومتے ہیں۔ عدنان شاہد نے بھی قریب سے طواف کیا اور 7 چکر جلد ختم کر کے چلے گئے۔ طواف کے دوران جو لوگ دوسروں کو دھکے دیتے ہیں، دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش میں انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں، ان کا حق مارتے ہیں، انہیں گرانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے جانے کے بعد دوسرے یہی کہتے ہیں کہ وہ اچھا نہیں تھا۔ دوسروں کی ٹانگ کھینچتا تھا۔ طاقت کے بل بوتے پر دوسروں کو گراتا تھا، دوسروں کا حق مارتا تھا، وہ برا آدمی تھا۔ گویہ فقرے کوئی زبان پر نہ لائے لیکن دل میں ضرور کہتا ہے۔

عدنان نے طواف کے دوران کسی کو پریشان نہ کیا حالانکہ نوجوان تھا، باہمت تھا' دوسروں کا حق مار سکتا تھا۔ دھکے دے سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ نہایت عاجزی سے آگے بڑھتا گیا، کسی کو پریشانی سے دوچار نہیں کیا نہ کسی کو گرانے کی کوشش کی جب گیا تو سب کی زبان پر ایک ہی فقرہ عدنان اچھا انسان تھا، ضیا شاہد کا بیبا بیٹا تھا۔

جب اس کے چکر مکمل ہوگئے اور اس کی عاجزی کے ساتھ مانگی گئی دعائیں قبول ہوگئیں تو چشم تصور نے دیکھا اور کانوں نے سنا، ندا آئی، عدنان شاہد کی دعائیں قبول ہوگئیں آپ کا اعمال نامہ سبز کر دیا گیا۔ اب اس میں کوئی دھبہ نہیں رہا۔ دنیا میں واپس جا کر کیا کرو گے، دنیا دکھوں اور مصیبتوں کا گھر ہے، الجھ جاؤ گے، ہمارے پاس آ کر دیکھو تمہارے لیے کیا کچھ بنایا گیا ہے تم مخلوق کی مدد کرتے تھے اس کا بہت بڑا صلہ دیا گیا ہے۔ دیکھو گے تو دنیا کا آرام اور آسائش بھول جاؤ گے، آجاؤ، عدنان سوچ میں پڑ گیا، یہ ایک ایسا موڑ تھا جہاں سے دو سڑکیں نکلتی تھیں۔ ایک دنیا کی طرف اور دوسری

Marfat.com

آخرت کی طرف جاتی ہے۔ عدنان کیلئے فیصلہ کرنا قدرے مشکل ہو گیا۔ اپنے بچوں سے بہت والہانہ محبت کرتا تھا فوراً بول اٹھا حضور میرے بچے' ندا آئی تم بچوں کی فکر نہ کرو، حمیرا بڑے حوصلے والی خاتون ہے۔ اسے ہمت اور طاقت عطا کی جائے گی' وسائل دیئے جائیں گے' حکمت' تدبر' تحمل، بردباری اور تندرستی سے نوازا جائے گا، وہ تمہارے بچوں کی بہترین پرورش کرے گی۔ نوفل تمہارے نقش قدم پر چلے گا' بس تم آ جاؤ، عدنان باپ تھا فوراً کہا میرے واپس نہ جانے سے انہیں پدرانہ شفقت نہ مل سکے گی۔ ندا آئی، عدنان اس کی بھی فکر نہ کرو ہم نے تمہارے بچوں کو شفیق اور محبت کرنے والا چچا عطا کیا ہے وہ تمہارے بچوں کے ساتھ اپنوں سے زیادہ پیار کرے گا، روزانہ چومے گا اور کبھی انہیں اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دے گا۔ اپنے سینے سے لگا کر رکھے گا۔ ان کا دکھ اپنا دکھ سمجھے گا اور ان کی خوشی کیلئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔ تمہارے بچوں کے سر پر ہاتھ امتنان کا ہو گا مگر وہ گرمی تمہاری محسوس کریں گے اور انہیں وہی سکون واطمینان اور وہی سکھ محسوس ہو گا جو تمہارے ہاتھ سے ہوتا تھا۔

عدنان کو اپنے چھوٹے بھائی امتنان سے بڑا پیار تھا۔ اسے ذرا اپ سیٹ دیکھتا تو پریشان ہو جاتا اور اسے خوش دیکھ کر کھل اٹھتا، کرکٹ میچوں میں باؤلروں کو ایک طرف لے جا کر کہتا کہ امتنان کو احتیاط سے بال کرانا کہیں اسے چوٹ نہ لگ جائے۔ عدنان نے کہا حضور میرے جانے سے امتنان تنہا رہ جائے گا۔ (اس کی کنڈ نگی ہو جائے گی)۔ ندا آئی، عدنان اس کی فکر چھوڑ دو، مضبوطی کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا ہے۔ آزمائشوں سے لڑنا اور امتحانوں سے نبرد آزما ہوتا ہوا کندن بن کر نکلا ہے۔ تمہاری بہن ڈاکٹر نوشین سلجھی ہوئی اور بڑی سمجھدار خاتون ہیں، دور اندیش ہیں۔ معاملات پر گہری نظر رکھتی ہیں، زندگی کے کئی نشیب و فراز دیکھ چکی ہیں۔ امتنان کی پشت پر اب تمہارے

Marfat.com

ہاتھ کی جگہ ڈاکٹر نوشین کا ہاتھ ہوگا وہ اسے تمہاری کمی محسوس نہیں ہونے دیں گی۔ بس تم آجاؤ اور یہاں ہمیشہ عیش و آرام سے رہو، یہاں کبھی کوئی غم کوئی اندیشہ تمہارے قریب سے بھی نہ گزرے گا۔

عدنان نے کہا اے خالق کائنات آپ کی یہ رضا ہے تو میری کیا مجال کہ انکار کروں ہمیں الوداعی سلام کہہ کر چل دیئے اور اپنی قابل تقلید مثالیں چھوڑ گئے۔

جانے والے چلے جاتے ہیں واپس نہیں آتے، ان کی یادیں باقی رہ جاتی ہیں ان کی شیریں گفتگو، ان کے قہقہے ان کی مسکراہٹیں یاد آتی ہیں اور تڑپا جاتی ہیں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ مرحوم کی یادیں ہمیشہ زندہ رہیں، ان کا مسکراتا چہرہ ہمیشہ ہمارے سامنے رہے تو ہمیں خبریں گروپ کو ایک مضبوط درخت بنانے کیلئے، اس کی جڑوں کی حفاظت کرنا ہوگی۔ اس کی آبیاری کرنا ہوگی۔ دی پوسٹ اور گروپ کے دوسرے اخبار خبریں، نیا اخبار، خبراں اور خبرون کو ترقی سے ہمکنار کرنا ہوگا۔ خبریں گروپ کو ملک کا سب سے بڑا ادارہ بنانا ہوگا اور پہلے سے زیادہ محنت کرنا ہوگی۔ ادارے کی حفاظت کیلئے چوکنا رہنا ہوگا، خبریں گروپ ترقی کرے گا تو عدنان کی روح خوش ہوگی، اگر ہم نے اپنے فرائض میں کوتاہی برتی اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے تو مرحوم کی روح کو چین نہیں آئے گا وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپے گی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند کرے اور ہمیں اس کے نقش قدم پر چلتے رہنے' محنت سے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

نوجوان ایڈیٹر کی ناگہانی جدائی

محمد حسین ملک

برادرم ضیا شاہد سے شناسائی تو یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے ان دنوں سے ہے جب میں روزنامہ کوہستان لاہور میں رپورٹر تھا اور برادرم ضیا شاہد ایم اے اردو میں ہم سے ایک کلاس آگے یعنی فائنل ایئر میں تھے۔ ہم سب نے کالج چھوڑا تو ضیا شاہد بھی میدان صحافت میں جھنڈے گاڑ چکے تھے۔ ضیا شاہد کو اس "مشن" کی پاداش میں کیا کیا مصیبتیں جھیلنی پڑیں اور اسلام آباد' ملتان' کراچی اور لاہور کے کن کن اخبارات اور رسائل سے وابستہ ہونا پڑا' اس کا تعلق تو صحافت سے ان کی "لگن" کے "دوام" اور صبر و تحمل کے لامتناہی تسلسل سے ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں ہم جیسے خادموں کی طرح سمجھوتے کی زندگی کبھی گوارا نہیں تھی۔ انہوں نے اپنا پل پل "سیکنڈ" کی سوئیوں کے ساتھ گزارا اور صحافت کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔

اس گھرانے کے افراد اور بچوں سے میرا کافی رابطہ رہا لیکن عزیزی عدنان شاہد نے مجھے سب سے زیادہ متاثر اس وقت کیا جب مجھے 1998ء میں بطور خاص اس وقت کے

Marfat.com

وزیراعظم میاں نواز شریف نے سارک کانفرنس کے موقع پر ڈھاکہ جانے کیلئے صحافیوں کی ایک ٹیم کو لیکر کانفرنس شروع ہونے سے ایک دوروز پہلے ہی کورتج کیلئے بھجوایا۔ وہاں میں نے اس ٹیم کو جن میں روزنامہ خبریں کی طرف سے عزیزی عدنان بھی شامل تھے تمام اہم وزراء اور کاروباری تنظیموں سے ملوایا' ہم جب ڈھاکہ چیمبر آف کامرس کی بریفنگ میں گئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس نوجوان صحافی نے چیمبر آف کامرس کے عہدیداروں کے خوب "لتے" لیے اور ان کی ایسی درگت بنائی کہ وہ اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ بول سکے۔ عدنان شاہد نے ہندوستان کے پانچ بارڈروں سے سڑک کے ذریعے بنگلہ دیش کی تجارت کو موضوع بنا کر انہیں بتایا کہ آپ محض اس لیے دو اڑھائی گنا نرخوں پر ضرورت کی اشیاء ہندوستان سے لے رہے ہیں کہ پاکستان سے تجارتی مال تاخیر سے پہنچتا ہے حالانکہ یہی مال 1971ء سے قبل سارے کا سارا مغربی پاکستان سے آتا تھا۔ آج تجارت پر جاسوس ایجنسی "را" نے ایسا قبضہ کر رکھا ہے کہ جب بھی پاکستان اپنی سستی اشیاء وہاں سپلائی کرنا چاہتا ہے یہ ایجنسی مارواڑی ہندو تاجروں کو آگے کر کے یکدم نرخ گرا دیتے ہیں تاکہ پاکستانی مال سپلائی نہ کیا جا سکے۔ آپ کے 16 کروڑ لوگوں کو دونوں ہاتھوں سے ہندوستان لوٹ رہا ہے لیکن آپ محض کمیشن کھانے کے شوق میں اور اپنی چند کوٹھیاں بنانے کے شوق میں اپنی پوری قوم اور پورے معاشرے کا نقصان کر رہے ہیں۔

اس ساری بات چیت کا اس قدر چرچا ہوا کہ وہاں پر موجود بنگلہ دیشی اخبارات کے نمائندوں نے اسے خوب کورتج دی اور پھر ایسا بھی ہوا کہ بنگلہ دیش کو تجارت کیلئے ہم سے بھی رجوع کرنا پڑا۔ آج گوجرانوالہ' سیالکوٹ اور وزیرآباد سمیت کراچی کی بھی بہت سے مصنوعات بنگلہ دیش سپلائی کی جا رہی ہیں اور بھارت اس ضمن میں تنقید

Marfat.com

کا سامنا نہیں کر سکتا کیونکہ گزشتہ 30‘35 برس میں وہ بنگالی قوم کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ چکا ہے۔ عدنان شاہد نے اپنے اخبار میں بھی کالموں کے ذریعے ڈھاکہ کانفرنس کی کوریج کی اور اس ضمن میں اپنے اخبارات میں اداریئے بھی لکھے۔ یہ ایک ایسی قومی خدمت تھی کہ جو ایک نوجوان صحافی نے تمام کوائف اور اعداد و شمار اکٹھے کر کے کی۔ یہاں بھی متعدد مذاکروں اور اخبار کے فورم میں مجھے شرکت کا موقع ملتا رہا اور میں نے اس نوجوان کو ہر دم تازہ اور دلیل کے ساتھ اپنے خیالات دوسروں تک پہنچاتے دیکھا۔ خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ وہ اس نیک صفت نوجوان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے لواحقین‘ عزیز اقارب‘ بہی خواہوں اور دوستوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

Marfat.com

عدنان شاہد: خارزار صحافت کا گلاب

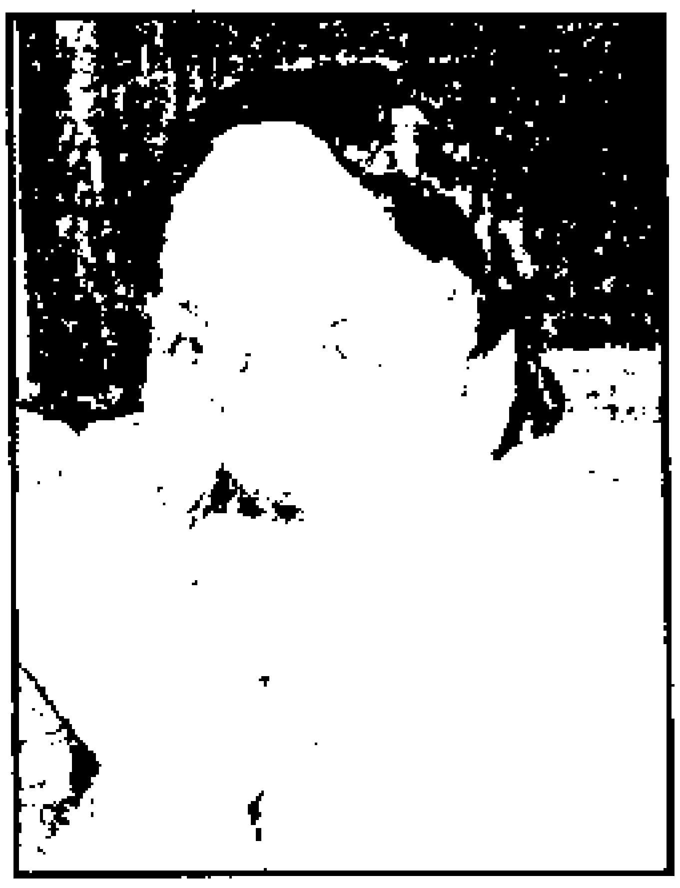

ادیب جاودانی

جناب ضیا شاہد سے میرا دیرینہ تعلق ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ انتھک جدوجہد کے ذریعے میدان صحافت میں اپنا مقام پیدا کرنے میں مصروف تھے۔ ایک روز میں ان سے ملاقات کیلئے جیل روڈ پر ان کی رہائش گاہ پر گیا تو وہاں عدنان سے میری پہلی ملاقات ہوئی جو اس وقت چھوٹا سا بچہ تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک اور اخلاق نے مجھے بہت متاثر کیا۔ ہفتہ کے روز جب لندن میں اس کے اچانک انتقال کی خبر ملی تو گویا ایک لمحے کو سکتہ طاری ہو گیا اور عدنان کا ایک کھلنڈرے بچے سے ایڈیٹر پوسٹ تک کا سارا سفر میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ جو وہ صرف 37 برس کے مختصر وقت میں پورا کر کے نئی منزل کو روانہ ہو گیا' جہاں اگرچہ ہم سب کو جانا ہے۔ لیکن قدرت نجانے کچھ لوگوں کو وقت سے پہلے اپنے پاس کیوں بلا لیتی ہے اور یہ لوگ بھی پہلے اپنی محبتوں سے ارد گرد چاہنے والوں کا جمگھٹا لگاتے ہیں اور پھر اچانک ہاتھ جھاڑ کر اکیلے چل دیتے ہیں۔

عدنان شاہد عہد شباب کی پہلی سیڑھیوں میں ایسے نوجوان کے طور پر سامنے نظر آتا ہے جو گلے میں گٹار ڈالے زندگی کے تفکرات سے آزاد اپنی ہی دھن میں مگن ہو۔

Marfat.com

انہی دنوں ضیا شاہد نے اپنے ذاتی اخبار ''خبریں'' کی بنیاد رکھی اور اس پر شاندار عمارت اٹھانے میں لگ گئے۔ اس کٹھن کام میں کھلنڈرا نوجوان بھی باپ کے ساتھ شانہ بشانہ مصروف عمل رہا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ کبھی نیوز پرنٹ کیلئے بھاگ دوڑ کر رہا ہے' کبھی پرنٹنگ مشینوں کے معاملات دیکھ رہا ہے اور کبھی سرکولیشن کے مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں لگا ہوا ہے۔ دفتری امور کی انجام دہی کے دوران عدنان نے کبھی باپ کو ابو کہہ کر نہیں پکارا بالکل دیگر سٹاف کی طرح ہمیشہ چیف صاحب کہہ کر ہی مخاطب کرتا رہا۔ گویا پروفیشنلزم کی سیڑھی پر یہ اس کا پہلا قدم تھا۔ اس کے بعد بحیثیت ایڈیٹر خبریں عدنان نے کئی سال تک خدمات انجام دیں۔ وہ کچھ عرصہ ملتان اور اسلام آباد میں بھی مقیم رہا۔ اس دوران تجزیہ نگاری کے میدان میں بھی اس کے جوہر کھل کر سامنے آئے جو اس کی ذہانت اور پیشہ ورانہ مہارت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

عدنان نے کچھ چیزیں باپ سے وراثت میں پائی تھیں جن میں سے ایک کچھ کر گزرنے کی آرزو تھی۔ اس کے ذہن میں اپنا اخبار نکالنے کا خیال سمایا اور اس نے ''دی پوسٹ'' کی تیاری شروع کر دی۔ اردو صحافت کی درسگاہ تو اس کے گھر میں موجود تھی تاہم انگریزی جرنلزم کے اسرار و رموز سیکھنے کیلئے اس نے خصوصی طور پر امریکہ کا سفر کیا اور وہاں واشنگٹن پوسٹ اور دیگر معتبر اخبارات میں باقاعدہ تربیت حاصل کی۔ امریکہ سے واپسی پر ایک ملاقات میں عدنان سے میں نے پوچھا کہ نیا اخبار نکالنے کے حوالے سے یہ ٹریننگ کس قدر مددگار ثابت ہوگی تو اس نے نہایت اعتماد سے جواب دیا کہ میں نے اس ٹریننگ کے دوران بہت کچھ سیکھا ہے اور مجھے امید ہے کہ میں اخبار چلا لوں گا۔ اس کے بعد اس نے ''دی پوسٹ'' نکال کر اور چلا کر اپنا دعویٰ سچ کر دکھایا۔ اے پی این ایس اور سی پی این ای کے کئی اجلاسوں میں بھی میری عدنان سے ملاقاتیں رہیں اور ہر مرتبہ اسے انتہائی ملنسار' مؤدب اور بزرگ صحافیوں کا احترام کرنے والا

Marfat.com

پایا۔ صحافت کے خارزار میں' میں نے عدنان جیسی گلاب صفت شخصیات بہت کم دیکھی ہیں۔ عدنان کے سٹاف نے انتہائی غصے کے عالم میں بھی کبھی اس کے منہ سے کوئی ہلکا لفظ کبھی بھی نہیں سنا تھا۔

جواں سال بیٹے کی بے وقت موت یقیناً ضیا شاہد اور یاسمین بھابی کیلئے صدمہ جانکاہ ہے۔ امتنان شاہد اپنے بازو' حمیرا محبت کرنیوالے شوہر اور تین کمسن بچے شفقت پدری سے محروم ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ شعبہ صحافت کیلئے بھی یہ ایک بڑا نقصان ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کے درجات بلند کرے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ دے جبکہ اس کے لواحقین اور ہزاروں چاہنے والوں کو صبر جمیل عطا کرے۔ (آمین)

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

عدنان شاہد کی بے وقت موت

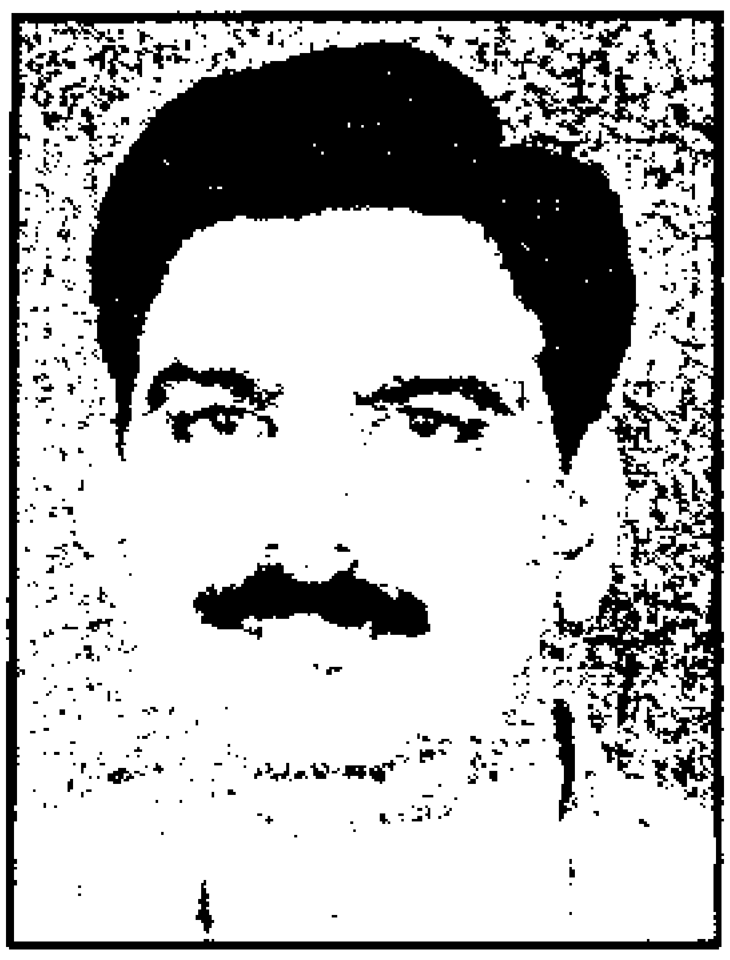

محسن گورایہ

ہفتہ کی صبح ابھی میں بستر میں تھا کہ روزنامہ لیڈر اور روزنامہ مقابلہ کے چیف ایڈیٹر علی احمد ڈھلوں کا فون آیا میں اپنے موبائل فون پر صبح صبح اس نمبر کا دیکھ کر ایک دفعہ چونک گیا اور میرے دل سے نکلا کہ خدا خیر کرے کیونکہ رات کو دیر تک جاگنے والے ہم صحافی ایک دوسرے کو صبح صبح کم ہی فون کرتے ہیں۔ علی احمد ڈھلوں کی غمگین سی آواز آئی اور کہا کہ یار ایک افسوسناک خبر ہے عدنان شاہد کا انتقال ہو گیا۔ میں نے کہا کیا کہہ رہے ہو اس نے دوبارہ کہا کہ رات گئے لندن میں عدنان شاہد کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کے ایوننگ کیلئے روزنامہ خبریں سے خبر بھجوائی گئی ہے جس سے مجھے پتہ چلا ہے۔ اس کا فون بند ہو گیا تو مجھے یقین نہیں آ رہا تھا اور میرے ذہن کے پردے عدنان شاہد اور ضیا شاہد صاحب کی فیملی کے ارکان کی تصاویر اور ''خبریں'' میں گزارا ہوا اپنا عرصہ اور ان کے ساتھ تعلق ایک فلم کی طرح چلنے لگا۔ علی احمد ڈھلوں کی بات پر مجھے پہلی دفعہ یقین نہیں آ رہا تھا میں سوچ رہا تھا کہ ایک ہنستا مسکراتا نوجوان اتنی جلدی کیسے جا سکتا ہے۔ میں نے فوری طور پر ''خبریں''

Marfat.com

کے سینئر رپورٹر مزمل سہروردی کو فون کیا تو اس نے کہا ہاں یار عدنان صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ پھر اس نے بتایا کہ ضیا صاحب امریکہ میں اپنے چیک اپ کیلئے گئے تھے تو عدنان صاحب بھی ساتھ تھے اب انہوں نے چند روز میں واپس آنا تھا مگر انہیں ہارٹ اٹیک ہو گیا جس کے سبب وہ فوت ہو گئے۔

میں نے علی احمد ڈھلوں اور مزمل سہروردی کے ساتھ ''خبریں'' کے تقریباً آغاز سے ہی وہاں کام شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے ہم سب کا ضیا صاحب اور ان کی فیملی کے ساتھ ایک خاندانی تعلق قائم ہو گیا تھا۔ عدنان شاہد سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے ابلاغیات کرنے کے بعد پاکستان اخبار میں ایک ٹرینی رپورٹر کے طور پر اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ ضیا شاہد صاحب ہمارے چیف ایڈیٹر تھے۔ وہاں کبھی کبھی عدنان شاہد اپنے والد محترم سے ملنے آتے تو ہم سے بھی ان کی سلام دعا ہو جاتی اس کے بعد جب میں نے ''خبریں'' اخبار جوائن کیا تو پھر ان کے ساتھ ایک پیار اور محبت بھرا خاندانی تعلق شروع ہو گیا۔ ''خبریں'' میں ابتدائی پانچ سال تک کام کرنے والے لوگ جانتے ہیں کہ وہ بڑا کٹھن اور مشکل دور تھا۔ کچھ ہی عرصہ کام کرنے کے بعد ضیا صاحب نے مجھے خبریں کا چیف رپورٹر بنا دیا اور یوں خبریں اخبار کا کوئی مالی یا انتظامی مسئلہ ہوتا تھا یا پھر ضیا صاحب کی کوئی خاندانی تقریب تو مجھے وہ ہر معاملے میں باخبر رکھتے تھے۔ یہ ان کا مجھ پر اعتماد تھا شفقت تھی جو میرے ''خبریں'' چھوڑنے کے بعد بھی قائم رہی۔ ان چار پانچ سالوں میں ہوتا یہ تھا کہ خبریں کی اہم پوسٹوں پر بیٹھا ہر شخص ''خبریں'' کیلئے کچھ نہ کچھ کر رہا ہوتا تھا۔ مالی طور پر حالات مثالی نہیں تھے ہر کسی کی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اخبار چلتا رہے اور یہ چلتا رہے گا تو اچھا دور بھی ضرور آئے گا۔

Marfat.com

میں نے ضیا صاحب کے ساتھ کام کر کے ان چار پانچ سالوں میں جتنا کچھ سیکھا ہے میری صحافتی زندگی میں وہی میرا سرمایہ ہے۔ میں نے محنت کرنا انہی سے سیکھا ان دنوں میرا ان کے ساتھ جتنا وقت گزرتا تھا شاید ہی کسی دوسرے شخص کا گزرتا ہو۔ اخبار کے معاملات یہ تھے کہ پورے دفتر میں صرف ایک گاڑی ہوتی تھی اور وہ بظاہر ضیا شاہد صاحب کی تھی مگر اسے استعمال ہر کوئی کرتا تھا اور اس پر اکثر رات گئے 12 بجے کے بعد ضیا صاحب خود مجھے میرے گھر چھوڑ کر اپنے گھر جاتے اور اگلے روز صبح 11 کی میٹنگ کیلئے مجھ سے پہلے ہی دفتر میں پہنچے ہوتے تھے۔ وہاں مجھے عدنان شاہد کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا وہ ہر وقت کمپیوٹروں کے نیٹ ورک' پرنٹنگ مشینوں کے معاملات اور تقریباً تمام غیر صحافیانہ امور کو دیکھتے تھے۔

وہ ایک متحرک نوجوان کے طور پر ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف نظر آتے۔ مجھے یاد نہیں آتا ہے کہ وہ کسی وقت مزے سے آرام کر رہے نظر آئے ہوں۔ کبھی کاغذ کا مسئلہ ہے تو کبھی سرکولیشن کی قباحتیں وہ کسی نہ کسی مسئلے میں الجھے ہی رہتے تھے۔ خبریں کے اس دور میں جہاں مشکلات ہی مشکلات تھیں وہاں ضیا صاحب نے ہر دوسرے مہینے اپنے گھر پر یا کسی تفریحی مقام پر پکنک کا کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کیا ہوتا تھا۔ اس طرح تمام کارکن ایک خاندان کے طور پر اکٹھے ہوتے اور ان تقریبات میں عدنان شاہد کی گلوکاری اور اس کا گٹار ایک لازمی جزو ہوتا تھا۔ ہم سب کھانے کے بعد بڑے اہتمام سے چائے پیتے ہوئے عدنان شاہد گٹار پر گانے سن رہے ہوتے۔ اکثر ہوتا یہ کہ ہم ان سے ''پرانی جین اور گٹار'' سنتے۔ 1996ء میں میں خبریں سے علیحدہ ہو گیا اور میں نے نوائے وقت اور پھر ایکسپریس جوائن کر لیا۔ مگر ضیا شاہد صاحب ان کی اہلیہ بھابھی یاسمین' عدنان شاہد اور امتنان شاہد کے ساتھ ایک خاندانی محبت اور عزت کا رشتہ ہمیشہ قائم رہا۔ ضیا شاہد صاحب نے اپنی کسی بھی خوشی میں ہمیں ضرور یاد رکھا اور

Marfat.com

ہم نے بھی ان کی عزت ہمیشہ چیف صاحب کے طور پر ہی کی۔

کچھ عرصہ پہلے صدر مشرف نے بھارت کا دورہ کیا تو میں بھی ان کے دورے کی کوریج کیلئے وہاں گیا تو وہاں عدنان شاہد صاحب کے ساتھ گزرے تین روز مجھے شاید کبھی نہ بھولیں۔ عدنان شاہد' عظیم نذیر' سرمد بشیر' کامران گورایہ اور میں وہاں تین دن اکٹھے گھومتے رہے۔ شاپنگ کرنی ہوتی یا دہلی پریس کلب جانا ہوتا۔ خبروں کی تیاری یا کوئی تجزیہ لکھنا ہوتا ہم سب اکٹھے ہوتے۔ دہلی کے جس ہوٹل میں ہمیں ٹھہرایا گیا وہاں پاکستانی صحافیوں کیلئے اخبارات کیلئے خبریں بھجوانے کا کوئی مؤثر انتظام موجود نہیں تھا۔ عدنان شاہد کے کمرے میں انٹرنیٹ' کمپیوٹر اور دوسرا ایسا تمام سامان موجود تھا اور پھر ہوتا یہ تھا کہ وہ اپنے تجزیوں کے ساتھ میری خبریں اور ڈائریاں بھی کبھی سکین کرکے اور کبھی کمپیوٹر پر ٹائپ کرکے دیر تک بھجواتے رہتے تھے اور پھر اکثر یہ بھی کرتے تھے کہ اپنے دفتر فون کرکے یہ ہدایت دیتے تھے کہ یار ایکسپریس میں فون کرکے چیک کرلینا کہ وہاں پر گورایہ صاحب کی خبریں پہنچی ہیں یا نہیں۔ یہ ان کی میرے ساتھ محبت کا ایک انداز تھا۔

میں نے انہیں ایک ملنسار' ہنس مکھ اور پیار کرنے والا پایا۔ وہ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ بھی بہت محبت کرتے تھے۔ ہم سب چاندنی چوک میں شاپنگ کررہے تھے تو ان کیلئے یہ کسی امتحان سے کم نہ تھا۔ ہم سب اپنی اپنی فیملیوں کیلئے کچھ نہ کچھ خرید رہے تھے مگر انہیں زیادہ ہی خریداری کرنی تھی۔ اپنی اہلیہ کیلئے ساڑھیاں خرید رہے ہیں تو ساتھ ساتھ اپنی والدہ محترمہ کیلئے دوپٹے اور سوٹ پسند کررہے ہیں۔ اسی طرح کئی گھنٹے تک وہ ضیا شاہد صاحب' اپنے بچوں' بھائی امتنان شاہد ان کی فیملی' اپنی ہمشیرہ اس کے بچوں کیلئے خریداری کیلئے بے چین نظر آرہے تھے۔

یہ وقت عدنان کے جانے کا نہیں تھا ان کی فیملی اور اخبار کیلئے تو یقیناً یہ بہت بڑا

Marfat.com

صدمہ ہے ہی مگر میں سمجھتا ہوں کہ دنیائے صحافت اور ہمارے لیے بھی یہ سانحے سے کم نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے۔ ضیا شاہد صاحب اور ان کی اہلیہ سے اس عظیم سانحے پر کیسے تعزیت کی جائے یہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔ برادرم امتنان شاہد کے کندھوں پر بہت بڑا بوجھ آن پڑا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ اس امتحان میں بھی ضرور پورا اتریں گے۔

(بشکریہ ایکسپریس)

Marfat.com

عدنان شاہد! کس بات کی جلدی تھی

نسیم شاہد

عین عالم شباب میں جب کوئی جوان رعنا موت کا شکار ہوتا ہے تو صرف اس کے والدین، بہن، بھائیوں اور رشتہ داروں پر ہی غم کے پہاڑ نہیں ٹوٹتے، دوستوں، جاننے اور نہ جاننے والوں کے دل بھی غمزدہ ہو جاتے ہیں۔ ضیا شاہد کے جواں سال صاحبزادے اور صحافت کے میدان میں اپنی جداگانہ شناخت کے عمل سے گزرنے والے عدنان شاہد کی موت بھی ایک ایسا ہی دلدوز واقعہ ہے۔ ضیا شاہد، محترمہ یاسمین شاہد، محترمہ حمیرا اویس شاہد اور امتنان شاہد پر جو قیامت ٹوٹی ہے اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتے ہیں۔ ایسی ہی اموات انسان کی بے بسی، لاچاری اور مشیت ایزدی کے سامنے بے اختیاری کے اس راز کو طشت از بام کر دیتی ہیں جس پر عام حالات میں پردہ ہی پڑا رہتا ہے۔

عدنان شاہد کی وفات سے میرے ذہن میں ماضی کے کئی ایسے لمحات فلم کے مناظر کی طرح چلنے لگے، جن میں عدنان شاہد ایک معصوم، مؤدب اور کچھ سیکھنے کے جنون میں مبتلا نوجوان کی طرح دفتر میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر دوڑتا بھاگتا نظر آیا۔ آج سے بارہ تیرہ سال پہلے اس نے ملتان میں اس وقت اپنے اخبار کے بطور ریذیڈنٹ ایڈیٹر کارڈ چھپوائے تھے جب ابھی وہ شائع ہونا شروع نہیں ہوا تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد وہ لاہور واپس چلا گیا تو اس کے وزیٹنگ کارڈ کا یہ بنڈل میرے پاس ہی

Marfat.com

رہ گیا اور اب بھی پڑا ہے۔ جس پر اس نے اپنا نام ”عدنان اویس“ لکھوایا تھا کیونکہ یہی اس کا آفیشل نام تھا مگر بعد میں اپنے عظیم باپ کی محبت میں اس نے اپنے نام کو تبدیل کر کے عدنان شاہد کر دیا۔ صحافت اس کے جینز میں موجود تھی اس لیے وہ چھوٹی عمر میں بڑے صحافیوں کی طرح سوچنے لگا تھا۔ اس وقت عدنان شاہد کی عمر 24 یا 25 سال ہو گی جب اسے ضیا شاہد نے اپنے اخبار کے بیورو آفس میں ملتان بھیج دیا۔

عدنان شاہد کو گٹار بجانے کا شوق تھا۔ اس شوق کو اس نے ملتان میں بھی برقرار رکھا تاہم دن کے وقت وہ اخبار کی مصروفیات میں دلچسپی لیتا' البتہ شام کے وقت اس کے دوست آجاتے تو ان کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتا' گٹار بجاتا' خود بھی ہنستا دوسروں کو بھی ہنساتا۔ وہ اپنے والد کو ”چیف صاحب“ کہتا تھا اور ان کی شخصیت کا اس پر اس قدر اثر تھا کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے یہ جملہ اکثر اس کی زبان سے نکل جاتا۔ ”سر جی کہیں چیف صاحب ناراض نہ ہو جائیں۔“ تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ اخبار کی کسی پالیسی کے بارے میں اپنے والد کی موجودگی میں اختلاف رائے کا اظہار کرتا اور اس کیلئے مضبوط دلیل بھی دیتا جو اس کی ذہانت او صحافتی شعبے میں آگے بڑھنے کے جذبے کو نمایاں کرتی تھی۔

وہ تقریباً ایک سال گھر سے دور ملتان میں رہا۔ اسے گھر کی یاد بہت آتی تھی۔ شاید اس لیے بھی کہ وہ دفتر ہی کے ایک کمرے میں سوتا تھا مگر وہ اپنے ”چیف صاحب“ کے حکم کی وجہ سے یہ تنہائی برداشت کرتا رہا' اس ریاضت نے اسے آگے چل کر یقیناً اس صحافتی سفر میں مدد دی ہو گی جو اس نے ایک انگریزی اخبار نکالنے کیلئے بڑی سرعت سے طے کیا اور اپنے آخری سفر پر جانے سے پہلے وہ ایک کامیاب، مکمل اور بردبار ایڈیٹر بن چکا تھا۔ ضیا شاہد نے کامیابیوں کا سفر آہستہ آہستہ طے کیا لیکن عدنان شاہد بڑی تیزی سے آگے بڑھا اب سمجھ آ رہی ہے کہ اس کے پاس وقت ہی بہت کم تھا اور اسے کم وقت میں بہت دور تک جانا تھا۔ وہ اسی دور تک جانے کی دوڑ میں اچانک اتنی دور چلا گیا کہ جہاں سے واپسی ہونی ہی نہیں ہے۔

Marfat.com

ایک تقریب میں وزیراعظم شوکت عزیز سے مصافحہ کرتے ہوئے۔

پاکستان میں امریکی سفیر میڈلین البرائٹ کا انٹرویو لیتے ہوئے۔

Marfat.com

روس کے سفیر ایڈورڈ شیو چنیکو چیف ایڈیٹر ضیا شاہد اور ایڈیٹر عدنان شاہد سے گفتگو کر رہے ہیں۔

جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل مولانا منور حسن کے ساتھ ایک تقریب میں بات چیت کرتے ہوئے۔

Marfat.com

میں جناب ضیا شاہد کو بہت قریب سے جانتا ہوں۔ پچھلے بائیس برسوں میں ان سے قربتیں بھی رہیں اور دوریاں بھی۔ وہ ایک مضبوط اعصاب کے مالک انسان ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں بہت سے سرد و گرم دیکھے ہیں وہ خود بھی پچھلے کئی ماہ سے بیماری کے خلاف لڑ رہے ہیں اور ان کا آہنی عزم ہی انہیں ایک جان لیوا بیماری سے نکال لایا ہے مگر اس کے باوجود یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اپنے جواں سال چہیتے اور ذہین بیٹے کی ناگہانی وفات ان کیلئے ایک بہت بڑا امتحان ہے۔ ایک ایسا امتحان کہ جس میں بڑے بڑے دل والے اندر سے پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ واصف علی واصف نے ایک جگہ لکھا ہے جوان اولاد کے جنازے کو کندھا دینا کسی انسان کیلئے دنیا کا سب سے بڑا دکھ ہے' مگر جو اللہ والے جو اپنے نبی کریمؐ کی زندگی کو اپنی نجات کا راستہ سمجھتے ہیں' وہ یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لیتے ہیں کہ یہ امتحان تو پیغمبر آخر الزمانؐ پر بھی آیا تھا۔ ان کے بھی آنسو نکلے تھے' مگر انہوں نے اس امتحان کو اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر قبول کر لیا تھا ہم تو اللہ کے اتنے پیارے بھی نہیں ہیں' ہمیں ایسے امتحانات کو پیروی رسولؐ میں صبر وتشکر سے قبول کر لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے پیغمبر آخر الزماںؐ کے صدقے میں عدنان شاہد کی منزلیں آسان کرے' اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور اس کی روح کو اپنی رحمت سے سرشار کرے۔ لواحقین کو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کا حوصلہ بخشے اگرچہ کوئی دوسرا کسی کے غم کو ختم نہیں کر سکتا بس صرف اپنی محبت و عقیدت کے اظہار سے غمزدہ خاندان کی ڈھارس بندھا سکتا ہے۔ جناب ضیا شاہد اور ان کے اہلخانہ کیلئے ہر طبقہ فکر کے افراد نے اپنی محبت کا نذرانہ پیش کیا ہے' زندہ معاشرے مشکل کی گھڑیوں میں ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

(بشکریہ پاکستان)

Marfat.com

مسکراتا چہرہ آنکھوں کے سامنے رہے گا

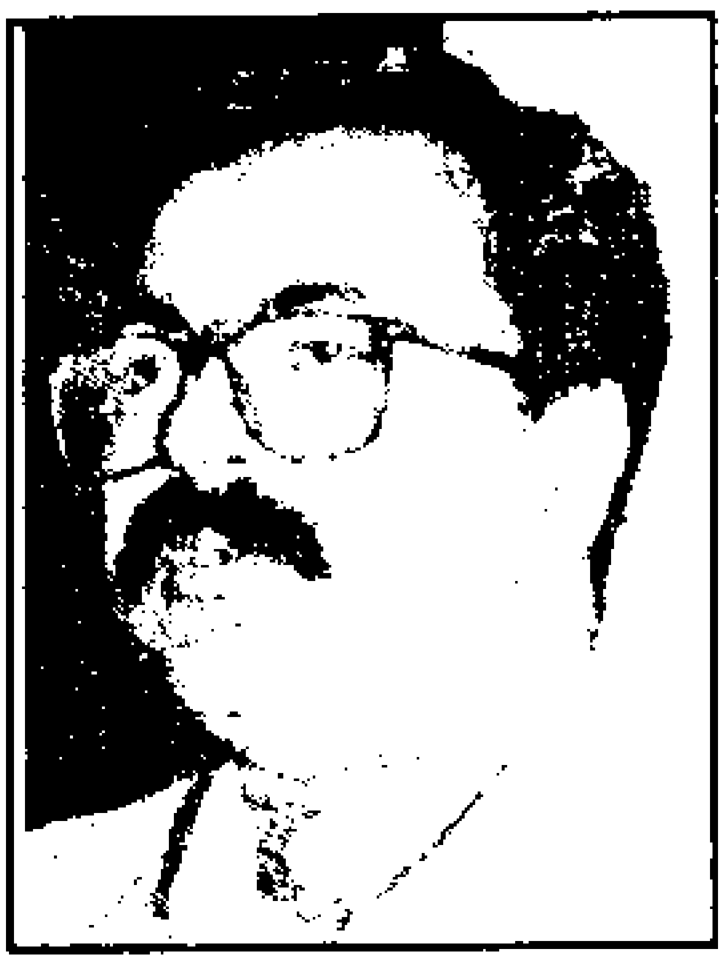

شوکت اشفاق

ہفتہ کی صبح 10 بجے معمول کے مطابق موبائل فون آن کیا تو پہلی کال نے گویا دماغ ماؤف کر دیا مجھے یہ بھی خیال نہ رہا کہ کال کرنے والا کون تھا لیکن جو خبر وہ سنا رہا تھا اس کی صحت کے بارے میں تصدیق کرنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی کہ بات کہیں سچ ہی نہ نکل آئے۔ چہرے کے تاثر کی تبدیلی اور کرب کو بیگم نے پہچانتے ہوئے معمول کے مطابق پوچھ لیا خیر تو ہے میں جواب دینے کی بجائے اٹھا اور دفتر کیلئے روانہ ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد دفتر پہنچوں اور مجھے وہاں کوئی یہ بتائے کہ سر جو اطلاع آپ کو ٹیلی فون پر دی گئی ہے وہ بالکل غلط تھی لیکن یہ میری خوش فہمی تھی کیونکہ میٹنگ میں بیٹھتے ہی چیف رپورٹر صاحب نے پہلی خبر یہی سنائی۔ اس وقت تک میں کچھ ''واپس'' ہو چکا تھا میں نے بڑے سکون سے کہا کہ نہیں نہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ عدنان شاہد اپنے والد محترم ضیا شاہد صاحب کو لے کر امریکہ گئے ہیں۔ وہاں ان کا میڈیکل چیک اپ ہونا ہے اور اس بات کی تصدیق چند روز قبل جناب عمر مجیب شامی نے بھی کی تھی۔ جب وہ ایک دن کیلئے ملتان میں تھے۔

اتنی دیر میں آفس معاون ''نیا اخبار'' لے کر آ گیا جس پر عدنان شاہد کی لیڈ کی خبر

Marfat.com

کے ساتھ خوبصورت زندگی سے بھرپور تصویر بھی تھی اور مجھے یوں لگا جیسے عدنان میری طرف دیکھ کر کہہ رہا ہو شوکت صاحب آپ کے پاس ملنے کیلئے وقت بھی نہیں رہا۔ یار آپ بڑے آدمی ہو گئے ہیں' کیونکہ صرف چند سال قبل وہ مجھے ملتان ایئرپورٹ پر لاہور جاتے ہوئے چند لمحے کیلئے ملا تو جلدی کے باوجود گلے لگ گیا۔ اور یہ فقرے کہے۔ میں جواب میں کوئی تاویل نہ دے سکا اور صرف اتنا کہا کہ اب لاہور آؤں گا تو ضرور ملوں گا۔ اس کے بعد میرا متعدد مرتبہ لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ لیکن یہ خود غرضی تھی کہ اپنے الفاظ کا پاس نہ رکھ سکا۔ حالانکہ میں عدنان کے ساتھ ڈیڑھ سال تک اس کے گھر میں رہائش پذیر رہا ہوں۔

یہ 1989ء کی بات ہے میں اس وقت "جنگ" لاہور میں انچارج جنگ فورم کے طور پر کام کرتا تھا اور جناب ضیا شاہد ڈپٹی ریذیڈنٹ ایڈیٹر تھے۔ ان کی شفقت' محبت اور اپنائیت تھی جب مجھے اچھرہ میں واقع گلیکسی فلیٹس والی کرایہ کی رہائش گاہ بوجوہ فوری طور پر چھوڑنی پڑی تھی۔ تو اس وقت جناب ضیا شاہد مجھے اس خلوص سے اپنی ماڈل ٹاؤن والی رہائش گاہ میں لے گئے کہ میں روایتی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ بھی نہ کر سکا اور وہاں ڈیڑھ سال تک یاسمین بھابھی (جسے میں آج بھی ماں کا درجہ دیتا ہوں حالانکہ سب لوگ انہیں بھابی کہتے ہیں) کی شفقت' خلوص اور محبت ان کے بچوں کی طرح حاصل کرتا رہا۔ یہ عدنان ہی تھا جو "گلیکسی' سے میرا سامان اپنی گاڑی پر لوڈ کر کے اپنے گھر لے گیا یہ اٹھارہ سال پہلے کی بات ہے لیکن مجھے آج یوں محسوس ہو رہا ہے گویا کل ہی کی بات ہے۔

وہ اس وقت بی اے کا طالبعلم تھا۔ نوجوان شوخی کے ساتھ ساتھ بردبار بھی تھا۔ سمجھ دار اور باادب عدنان کی آنکھوں میں ایک خاص چمک اور پا لینے کی جستجو مجھے ہمیشہ ہی نظر آتی رہی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے والد محترم کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کا عینی شاہد تھا۔ ارادے کی پختگی اگرچہ اسے ورثے میں نہیں ملی تھی لیکن آگے چل کر اس نے اسے

Marfat.com

وراثت بنالیا تھا۔ کیونکہ جناب ضیا شاہد اسے انتظامی امور میں رکھنا چاہتے تھے لیکن اس نے اتنی سی عمر میں ''دی پوسٹ'' شائع کر کے اپنے آپ کو خود ہی اخبار نویس تسلیم کروالیا۔ حالانکہ وہ ''دی پوسٹ'' نہ بھی نکالتا تو بھی وہ ایک منجھا ہوا لکھاری اور صحافی تھا۔ کیوں نہ ہوتا وہ ان چند اخبار نویسوں میں سے تھا جو صحافت کی میز پر پیدا ہوئے۔ والد ایک بڑا اخبار نویس اور دانش ور جبکہ ماں بھی ایک بڑی لکھاری اور دانش مند خاتون ہیں۔ دونوں کی گھٹی اس میں شامل تھی اور وہ آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یقیناً اس نے اپنا کوئی ہدف قائم کر رکھا ہوگا۔ لیکن صرف اتنی سی عمر میں اس کی جدائی ہوگئی۔

یہ یقیناً ایک ایسا المیہ ہے جسے میرے سمیت اس کے ان گنت تعلق دار محسوس کر رہے ہیں اور غم زدہ ہیں۔ کوئی اپنے غم کو قلم بند کر رہا ہے کوئی زبانی بیان کر رہا ہے۔ کوئی مختلف حوالوں سے گزری ہوئی باتوں کو یاد کروا رہا ہے۔ میں نے نہ صرف عدنان بلکہ اس کے خوبصورت خاندان کے ساتھ ایک خوشگوار ماحول میں ایک عرصہ گزارا ہے۔ میرے پاس لکھنے کو ایسے حوالے ہیں کہ کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن میرے پاس اس غم کو برداشت کرنے والا وہ دل' وہ جگر نہیں ہے جو جناب ضیا شاہد اور بھابھی یاسمین کے پاس ہے۔

صرف گیارہ ماہ کی عمر میں یتیم ہونے والا اور پھر جوانی میں دو جوان بھائیوں کی موت کو گلے لگا کر مسلسل سفر کرنے والا ضیا شاہد غم سہنے کا عادی ہو چکا ہے لیکن یہ غم ایسا ہے جس کی توقع نہیں تھی کیونکہ ابھی تو عدنان کو بہت آگے جانا تھا۔ اس کو اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے لاڈ اٹھانے تھے۔ بیگم کی خوشی کے لیے کبھی کبھی معمولات بدلنے تھے لیکن وہ اچانک بالکل غیر روایتی انداز میں خاموشی سے چلا گیا۔ مہلت دی بھی نہیں اور نہ ہی مہلت لی۔ اے اللہ تعالیٰ تو یقیناً بخشنے والا ہے اور تو ہی صبر دینے والا ہے۔

(بشکریہ پاکستان)

☆☆☆

Marfat.com

وہ جو اپنا تھا......!

میاں محمد افضل

وہ جو اپنا تھا اپنوں سے اتنی دور چلا گیا' یہ اپنے اتنی جلدی کیوں چلے جاتے ہیں' وہاں جہاں سے کبھی کوئی نہیں لوٹتا' یہ بھی تقدیر کے کھیل ہیں جب تک خود اپنے ہاتھوں سے مٹی نہ ڈال دے تب تک چین نہیں آتا' صبر نہیں آتا۔ خدا کبھی کسی دشمن کو بھی وہ دن نہ دکھائے جب کسی جوان بیٹے کی میت کو باپ کو کندھا دینا پڑے۔ آج بھی ایسا پتہ نہیں کیوں لگ رہا ہے کہ ابھی رپورٹنگ روم کا دروازہ کھلے گا' ہاتھوں میں اخبار پکڑے عدنان شاہد داخل ہونگے اور کہیں گے جناب چیف رپورٹر صاحب آپ کے رپورٹر آج بھی مار کھا گئے' اتنی بڑی خبر مس کیوں ہے یہ وکٹ تو ہماری تھی۔ مجھ کو یہ پسند نہیں کہ ہماری وکٹ پر کوئی اور اخبار آ کر کھیلیں۔ چیف رپورٹر صاحب صبح مجھے کوئی ایسی خبر ملی چاہیے کہ پچاس ٹیلی فون آئیں کہ آپ کے رپورٹر نے کیا خبر دی ہے۔ بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب اتوار والے دن رپورٹنگ روم میں حسب روایت مسکراتے ہوئے عدنان شاہد کمرے میں آئے تو اس وقت رپورٹنگ میں میرے ساتھ شیخ رشید' ابراہیم لکی' عمل درآمد کے عامر علی موجود تھے۔ انہوں نے ایک واقعہ سنایا کہ میں

Marfat.com

نے آج ریگل چوک میں لین سے آگے گاڑی کھڑی کی تو ڈیوٹی پر موجود سب انسپکٹر ملک طارق نے میری گاڑی کا چالان کر کے مجھ کو ٹکٹ دے دی اور 200 روپے جرمانہ کیا میں بڑی خوشی کے ساتھ ٹکٹ لے کر آ گیا ہوں۔ عدنان شاہد نے کہا کہ سارجنٹ نے اتنے پیار سے میرے گاڑی کا چالان کیا کہ میں اس کو اس پیار کی وجہ سے یہ بھی نہ بتا سکا کہ میں ایک اخبار کا ایڈیٹر ہوں۔ میں نے فوری کنٹرول پر اطلاع کر کے عدنان شاہد کا شناختی کارڈ منگوایا مگر انہوں نے ضد کر کے کہا کہ مجھ کو جو جرمانہ ہوا ہے وہ میں ضرور ادا کروں گا' جو انہوں نے کیا۔ ایک ایڈیٹر کے بڑے پن کا واقعہ ہے کہ ایس ایس پی ٹریفک کرنل ظہیر کے ساتھ فورم میں عدنان شاہد نے کہا کہ میں ٹریفک پولیس کے جوانوں کیلئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کرنا چاہتا ہوں جو کسی نے نہ کیا ہو۔

یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ پھر طے پایا کہ ہم ایک گاڑی میں سامان لے کر چوکوں میں ڈیوٹیوں پر تعینات ٹریفک کے جوانوں کی افطاری کروائیں گے۔ ہمارے ساتھ ڈی ایس پی ہیڈ کوارٹر ناصر سیال بھی آ گئے۔ میں نے فوری فوٹو گرافر کا بندوبست کیا تو انہوں نے سختی کے ساتھ مجھے منع کر دیا کہ اس پروگرام میں ہمارے ساتھ کوئی فوٹو گرافر نہیں جائے گا۔ گڑھی شاہو چوک میں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر ہم سب نے افطاری کی۔ بطور ایڈیٹر ''خبریں'' عدنان شاہد نے سینکڑوں سٹوریوں پر اپنے رپورٹنگ سیکشن سے کام کروایا۔ بعض اوقات کوئی خبر مس ہو جاتی تو چیف صاحب کی طرف سے ایڈیٹر صاحب کو ڈانٹ پڑتی۔ ایک مرتبہ تو عدنان شاہد نے صاف صاف کہہ دیا کہ چیف صاحب میں نے یہ ایڈیٹری چھوڑ کر کوئی اور کام کر لینا ہے یہ ایڈیٹری میرے بس کی بات نہیں ہے۔ چیف صاحب مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ عدنان میدان نہیں چھوڑتے مگر عدنان شاہد میدان چھوڑ گیا۔ اس مرتبہ تو اس کو کسی نے بھی نہیں ڈانٹا' عدنان شاہد کے میدان چھوڑنے سے کتنا بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

Marfat.com

مجھے تو وہ دن بھی یاد ہے جب اتوار کے روز قذافی سٹیڈیم کے ساتھ ایل سی اے گراؤنڈ میں خبریں ٹیم کے ساتھ ایک دوستانہ میچ ہو رہا تھا۔ عدنان شاہد اور امتنان شاہد بھی کھیل رہے تھے کہ پہلے امتنان شاہد کے پاؤں کا ناخن ٹوٹ گیا اور پھر ایک بال کیچ کرتے ہوئے عدنان کی ٹھوڑی پر لگی خون کا ایک فوارہ پھوٹ نکلا۔ میں نے اس وقت جب عدنان شاہد کی ٹھوڑی سے خون نکل رہا تھا ایک ماں کو دیکھا کہ وہ ماں جو ٹھوڑی سے خون نکلنے پر اتنا رو رہی تھی اب جوان بیٹے کو تابوت میں دیکھنے کے بعد اس کی کیا حالت ہو گی۔ ماں اور اولاد کا کسی جسمانی رشتے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ ایک لازوال محبت و عشق کا نام ہے۔ یہ ایک دعا کا نام ہے اور بچوں کیلئے یہ دعا کتنی باعث رحمت ہوتی ہے۔

بعض دن اپنے ساتھ بڑی سوگواری لے کر آتے ہیں تب دل اداس ہوتا ہے اور بغیر کسی وجہ کے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ ایک ایسی ہی صبح تھی کہ "خبریں" سے ٹیلی فون آیا کہ عدنان شاہد فوت ہو گئے ہیں۔ یقین نہیں آرہا تھا دو تین جگہوں پر فون کرنے کے بعد مجھے یقین آیا۔ جانے والے کب واپس آتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ بلند حوصلے' محنت' لگن' شوق اپنے مقصد سے عشق رکھنے والے تدبیر سے تقدیر بنانے کا گر جاننے والے ضیا شاہد' امتنان شاہد' نوفل' یاسمین شاہد سمیت دیگر گھر والوں کو خدا صبر دے۔ یہ ننھا فرشتہ اپنی دادی حشمت بی بی کی آغوش میں جا سویا ہے۔ ابھی تو عدنان شاہد کے مشن باقی تھے جو وہ خلق خدا کیلئے کرنا چاہتے تھے اب یہ مشن وہ اپنے نوفل سے پورے کروائے گا۔

(بشکریہ اوصاف)

Marfat.com

ایک الوداع بھی جاوداں کرتی ہے

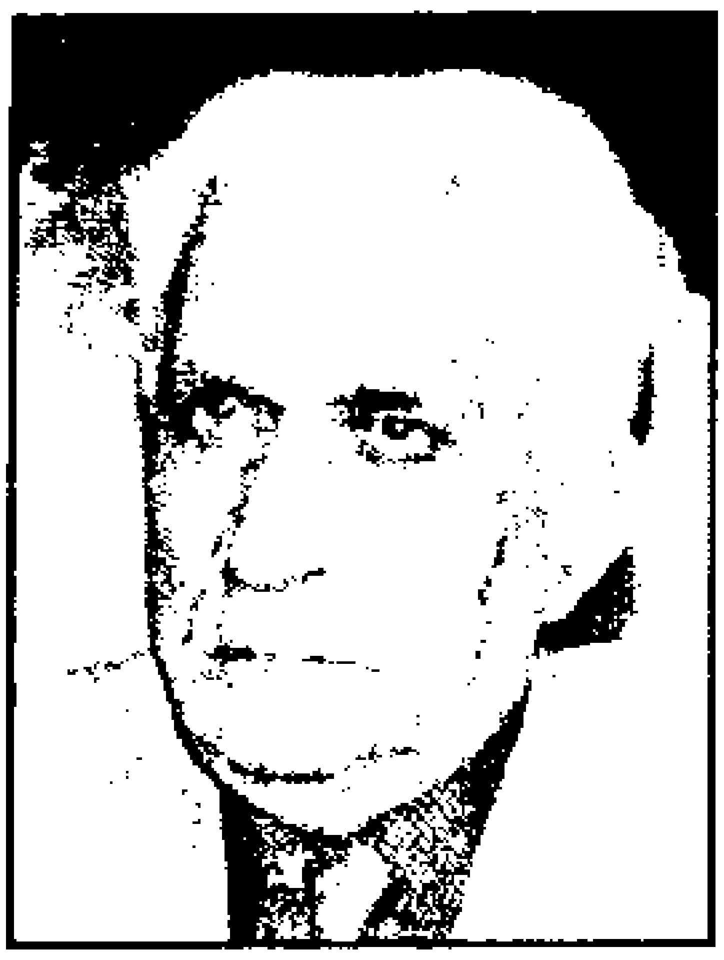

غلام اکبر

جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے میرا ہاتھ آٹھ روز سے لرز رہا تھا آج اس سے فرار کا کوئی راستہ میرے سامنے موجود نہیں۔ جب آپ یہ الفاظ پڑھ رہے ہوں گے میرے دوست اور ہمعصر ضیا شاہد کے بڑے فرزند عدنان شاہد کو سپرد خاک کیا جاچکا ہوگا۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا بھی عقیدہ ہے کہ زندگی اور موت قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے جس کی جتنی زندگی لکھی ہے اس سے ایک لمحہ بھی زیادہ جینا کسی کے بس کی بات نہیں۔ اور موت کیلئے اس نے جس کا جو وقت مقرر کیا ہے اور جو جگہ منتخب کی ہے اس میں ہزاروں دعائیں اور التجائیں بھی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتیں۔ عدنان مرحوم کی والدہ' ان کے والد اور ان کے بیوی بچوں نے کبھی خواب و خیال میں بھی اس ''اندوہناک امکان'' کے بارے میں نہیں سوچا ہوگا کہ یہ جواں سال شہزادہ یوں اس قدر اچانک اور عجلت کے ساتھ انہیں ''الوداع جاوداں'' کہہ جائے گا۔ ضیا شاہد تو یہ سوچ رہے تھے کہ کامیابیوں کے جس ''سلسلۂ تعمیر'' کو انہوں نے اس قدر جانفشانی کے ساتھ اوپر اٹھایا ہے اسے ان کے ''جواں سال'' فرزندان ''جواں عزم'' ''فلک بوس بلندیوں'' تک لے جائیں گے لیکن مشیت ایزدی کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ اپنے

Marfat.com

کہن سالہ جواں ہمت باپ کے خوابوں کو آگے بڑھانے کا کام اکیلے امتنان شاہد کے مقدر میں لکھا تھا۔

یہ ''الوداع جاوداں'' کی اصطلاح میں نے کیوں استعمال کی؟

سخن تو یہ ہے......

جاوداں ہر دم جواں پیہم رواں ہے زندگی۔

مگر مقدر نے عدنان شاہد کی ''الوداع'' کو بھی ضیا شاہد کیلئے جاوداں بنا دیا ہے۔ وہ اب دنیائے رنگ و بو میں واپس نہیں آئیں گے۔ ان کا جسد خاکی منوں مٹی تلے دب چکا ہے۔ مگر جو لوگ ہمیشہ کیلئے الوداع کہہ جاتے ہیں انہیں ہمیشہ کیلئے اپنی سوچوں' اپنے احساسات اور اپنے دل میں زندہ رکھنا خدا نے ہمارے اختیار میں ضرور دیا ہے۔ مشیت ایزدی نے ضیا شاہد سے ان کا فرزند ضرور چھین لیا ہے' ان کا یہ اختیار نہیں چھینا۔

خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے۔

اور مرحوم کے چاہنے والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

کاش کہ مجھ میں حوصلہ ہوتا کہ جا کر ضیا شاہد سے اظہار تعزیت کر پاتا۔ ایسے دکھوں میں شریک ہونے کیلئے پہاڑ جیسا جگر چاہئے۔

آخر میں اپنے ایمان کا وہ حصہ دہراؤں گا جس کے مطابق ہم سب کو جینا دو مرتبہ اور مرنا ایک بار ہے۔

عدنان شاہد نے ایک زندگی اور ایک موت کا ذائقہ چکھ لیا ہے۔

خدا کرے کہ ان کا دوسرا ''جینا'' فردوس بریں میں ہو۔

(بشکریہ الاخبار)

Marfat.com

جیتے جو کوئی دن اور.........

سلمیٰ اعوان

خبر ہی ایسی تھی' دل دہلا دینے والی' بے اختیار ہاتھ کو ماتمی انداز میں کلیجے پر لے جانے والی' عینک کے شیشوں میں جھانکتی ذہین آنکھوں اور شرارتی لبوں پر نرم اور مدھم سی مسکراہٹ' اس کے دلکش خدوخال سبھی خبر کے ساتھ ایک سوالیہ نشان تھے کہ آنٹی بھلا میرے جانے کے یہ دن تھے؟ ہم جیسی حساس اور جذباتی ماؤں کے دل بھلا کیسے نہ پھٹتے اور آنکھیں آنسوؤں سے لبالب کیسے نہ بھرتیں۔

میں اپنے کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک کے بعد ایک منظر تھا۔ باپ اور ماں کو تھوڑی دیر میں آنے کا کہتے ہوئے وہ گیا ہوگا۔ سارے کام نمٹا کر اس نے پل بھر کیلئے بھی یہ نہیں سوچا ہوگا کہ ابھی تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ اپنے سارے خوابوں سمیت وہاں چلا جائے گا' جہاں جانے کی ابھی اس کی عمر تھوڑی تھی۔ میرے اللہ! ماں باپ نے اس خبر کو کیسے سنا ہوگا۔ وطن میں انتظار کرتی بیوی' جس سے ممکن ہے اس چند لمحے قبل ہی بات کی ہو' اس کا کیا حال ہوا ہوگا اور وہ معصوم بچے جو اس کی آمد کے ساتھ ساتھ اپنی ڈھیروں فرمائش کردہ چیزوں کے بھی منتظر ہوں گے۔ قیامت شاید یہی ہے جو اس خاندان پر ٹوٹ پڑی۔

Marfat.com

بشریٰ رحمان کے بیٹے کی مہندی تھی۔ لڑکے بھنگڑا ڈال رہے تھے۔ ایک بے حد تیکھے نقوش والا لڑکا سب میں نمایاں تھا۔ یہ کون ہے؟ میں نے اپنے ساتھ بیٹھی صوفیہ بیدار سے پوچھا۔ ارے ضیا شاہد صاحب کے صاحبزادے عدنان شاہد ہیں۔

ماشاءاللہ ہیرو ہے پورا۔ تھوڑا سا قد سے مار کھا گیا ہے۔ سیما نے بے اختیار کہا۔

تھوڑا سا تجسس مجھے لڑ لگنے والی کے بارے میں ہوا۔ دیکھوں تو ذرا جوڑی لگتی کیسی ہے۔ میں نے خود سے کہا اور صوفیہ ہی کی نشاندہی پر حمیرا کو بھی دیکھا۔ ساڑھی میں لپٹا ہوا وجود جاذب نظر تھا۔ کچھ بعد دیر بعد موبائل پر گھر سے پیغام تھا' جسے سننے کیلئے میں اٹھ گئی اور جب میں مجمع میں واپس آ رہی تھی' میں نے عدنان کو دیکھا۔

تم ضیا شاہد صاحب کے بیٹے ہو۔ اس نے رک کر استفہامیہ کیفیت سے مجھے دیکھا جیسے پوچھتا ہو کہ آپ کون ہیں؟ پھر سعادت مندی سے کہا "جی! میں ان کا بیٹا ہوں۔"

"میں ضیا شاہد صاحب کی تحریروں کی بہت مداح ہوں۔" اس جملے کے ساتھ میرا اگلا جملہ کچھ اس طرح کا تھا کہ جس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ میری ابتدائی تحریروں میں ان کی سوچ کی اپروچ اور انداز بیان سے متاثر ہونے کا عکس ہے۔ جانے لفظوں کی ادائیگی میں کیا گڑبڑ ہوئی کہ مفہوم کچھ یوں ہو گیا کہ جیسے میں تو بچپن سے انہیں پڑھ کر متاثر ہوں' زندگی کی حرارت اور شوخی و شرارت سے بھرا ایک قہقہہ فضا میں بکھرا۔ بے اختیار میں بھی ہنسی۔ میری ہنسی میں ہلکی سی خفت کے ساتھ ساتھ وضاحت بھی تھی۔

سنو! میں ان کی ہم عمر ہوں۔ سال دو سال ان سے بڑی ہو سکتی ہوں یہ اور بات ہے کہ تمہارے والد تو لکھنا سیکھ کر ہی اس دنیا میں آئے اور ہم جیسوں نے تو ایڑیاں گوڈے رگڑ کر لکھنا سیکھا۔

وہ ہنسا اور بولا "چلیئے آنٹی چھوڑیئے یہ باتیں' پھر اس نے میرا انٹرویو کر ڈالا اور ساتھ ہی دعوت بھی دے ڈالی کہ خبریں سنڈے میگزین کیلئے کوئی سفر نامہ' ناول یا افسانہ بھیجوں۔

Marfat.com

میں ٹھہری ازلی سست الوجود، کبھی اس کے دفتر جا ہی نہ سکی۔ یہ اور بات ہے کہ جب بھی کسی کام کے سلسلے میں میرا گزر "خبریں" کے دفتر کے سامنے سے ہوا۔ وہ مجھے یاد آیا' اپنی وجاہت اور قہقہے کے ساتھ' اپنی ملنساری اور میٹھے سے لہجے میں بات کرنے کے ساتھ۔

ضیا صاحب کے ساتھ میری ملاقاتیں دو تین سے زیادہ نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ درمیان میں لفظوں کا رشتہ بہت مضبوط تھا۔ ضیا صاحب نے زندگی کی جدوجہد میں اپنی محنت' ذہانت اور ہمت کے بل بوتے پر جو رنگ بھرے' ان کا ثمر انہوں نے زندگی میں پایا۔ چھوٹی چھوٹی منزلیں طے کرتے صحافت کو نئے رنگ' نئے انداز دیتے' وہ اپنے اخبار تک پہنچے۔ حد درجہ محنتی اور لائق اولاد جب دست راست بن جائے' مشکلات میں تن کر ساتھ کھڑی ہو جائے تو خوش نصیبی میں کوئی شک نہیں رہتا' پر انسانوں کی آزمائشیں ان کی جان' مال اور اولاد سے ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

آج کتنے دن ہو گئے ہیں' وہ بچہ جس سے میرا کوئی خونی ناطہ نہیں' کوئی قرابت' رشتہ داری نہیں' میری آنکھوں سے پرے نہیں ہو رہا اور میری طرح جانے کتنی ہزاروں ماؤں کی آنکھوں میں ہے۔ وہ ماں باپ جن کی آنکھوں نے اس کی پور پور کو بڑھتے ہوئے دیکھا' ان کے سامنے سے وہ چلا اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکے۔ ہم انسان کس قدر مجبور اور بے بس ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اعتراف ہے۔ ہم مانتے ہیں۔ ہم تہہ دل سے اس کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم تیرے گناہگار بندے تیری آزمائشوں کے ہرگز قابل نہیں' ہم پر رحم کر' بوڑھے والدین کو جوان اولاد سے جدائی کا دکھ نہ دے۔ اے اللہ! اس خاندان پر تیرا رحم اور کرم ہو اور ہم سب پر بھی جو جوان بچوں کی مائیں ہیں۔

عدنان میرے بچے' میں اور مجھ جیسی لاکھوں مائیں تیرے لیے اور تیرے جیسے سب بچوں کیلئے دعا گو ہیں کہ خدا تم سب کو اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے اور پیچھے رہ جانے والے خاندانوں کے دلوں میں جو گھاؤ پڑ گئے ہیں' انہیں مندمل کرے۔ (آمین)

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ذرا جو تم ٹھہر جاتے' کوئی تدبیر کر لیتے

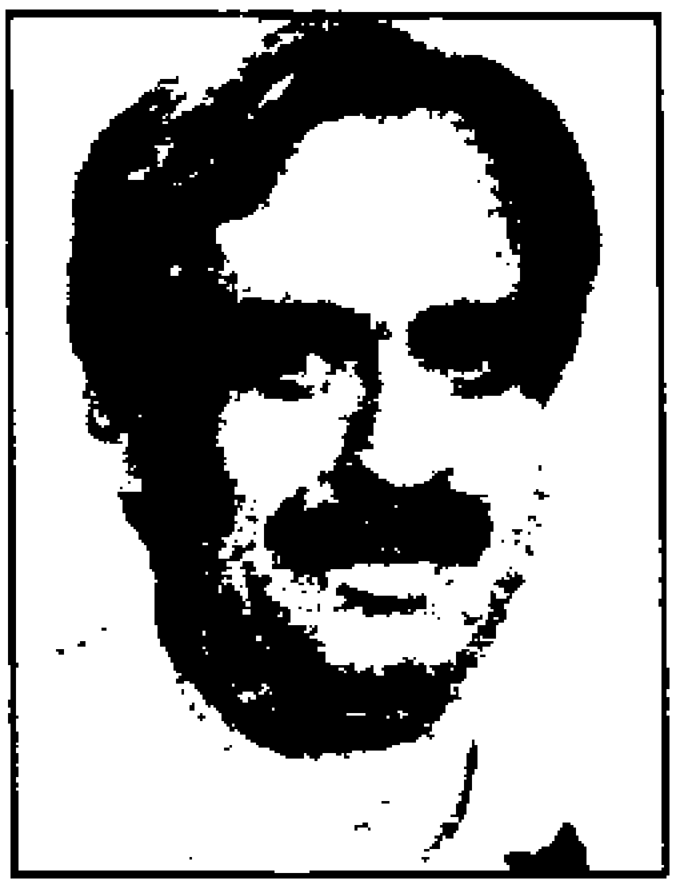

امیر نواز نیازی

ہفتہ کے روز شہر لاہور بلکہ تمام ملک خوشگوار بارش کی رحمتوں کی بھرمار اور یلغار میں تھا' سردی بھی جاتے جاتے دوبارہ لوٹ آئی' تو ہمارے جیسے بے کار لوگ عام طور پر گھروں میں دبکے موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے لیکن ہم نہ جانے کیوں حسب عادت اندر ہی اندر سے کچھ بے چین و بے قرار تھے کہ ویسے بھی یہ ہمارے مزاج کا حصہ بن چکا ہے' بلکہ ملکی حالات اور ہمارے گردوپیش نے ہی ہمیں ایسا بنا دیا ہے کہ ہر خوشی کے موقع پر ہم ان دیکھے وسوسوں میں گرفتار رہتے ہیں۔ گویا بقول میر نیازی (تھوڑی سی تحریف کے ساتھ)

عادت سی بنا لی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس "حال" میں بھی رہنا' اکتائے ہوئے رہنا

چنانچہ اخبارات کے مطالعہ سے فارغ ہو کر اس اضطراری اور اضطرابی کیفیت میں ہم نے ٹیلیویژن لگا دیا اور ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لیے ایک سے دوسرا چینل لگاتے چلے گئے لیکن کہیں پہ نظر نہ ٹھہر سکی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے ہم کسی خاص خبر یا وقوعہ کی تلاش میں ہوں۔ کہ اچانک ایک چینل پر خبروں کی چلتی ہوئی پٹی پر عدنان

Marfat.com

شاہد کی تصویر نمایاں ہوئی تو دل دہل کے رہ گیا' زبان سے نکلا "اللہ خیر" تفصیل پڑھی تو معلوم ہوا عدنان شاہد لندن میں حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ خبر جس قدر دل خراش تھی' اسی قدر ناگہانی بھی تھی کہ ایسی بیماری ان لوگوں کے حصہ میں آتی ہے جو زندگی بھر کی بہاریں لگاتار' قطار اندر قطار دیکھ چکے ہوتے ہیں۔ عدنان شاہد تو ابھی نوید بہار کی ابتدائی منزلوں پر ہی تھے کہ یوں اچانک دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ تو زبان پر بے ساختہ ایک دوست سید افضل شاہ مرحوم کا یہ شعر جاری ہو گیا

کوئے جاناں اک قدم تھا' موت نے جب آلیا
شمع تک پہنچا ہی تھا' کہ جل گیا پروانہ آج

عدنان شاہد' دنیائے صحافت کے بڑے نام ضیاشاہد کے بڑے فرزند تھے اور ضیاشاہد سے ہمارا تعلق اس وقت استوار ہوا جب وہ روزنامہ نوائے وقت میں ہفتہ وار میگزین کے انچارج تھے۔ یہ مئی 1981ء کا ایک دن تھا' ہم اپنی ایک تحریر برائے اشاعت لیے ان کے دفتر میں پہنچے۔ انہوں نے بغیر اپنا کوئی تاثر ظاہر کیے سرسری طور پر اسے پڑھا اور اپنی میز کی دراز میں رکھ لیا۔ وہ ہمیں ایک سنجیدہ اور بہت ہی ریزرو قسم کی شخصیت کے مالک نظر آئے۔ چنانچہ ان کے اس انداز سے ہم اندازہ نہ لگا سکے کہ مضمون قابل اشاعت ہے بھی کہ نہیں اور وہ چھپے گا بھی کہ نہیں۔ لیکن اس کے کچھ دنوں بعد ہم نے اس تحریر کو اخبار کے ہفتہ وار میگزین میں نمایاں طور پر چھپا پایا تو بہت خوش ہوئے اور شکریہ ادا کرنے دوبارہ ان کے دفتر گئے تو انہوں نے ہماری تحریر کی تعریف کی اور آئندہ بھی لکھنے کی ہدایت کی۔ یوں ہم ان کے میگزین میں باقاعدہ لکھنے لگے اور ایک طرح سے ان سے تعلق خاطر استوار ہوتا چلا گیا۔ وہ ان دنوں ملتان روڈ پر رہا کرتے تھے اور ہم وہاں بھی گاہے بگاہے ان سے ملنے کیلئے آتے جاتے رہے۔ عدنان شاہد ان دنوں سکول پڑھا کرتے تھے اور سکول یونیفارم میں ملبوس آتے جاتے اس سے

Marfat.com

بھی ملاقات ہو جاتی تھی اور موقع ملتا تو ہم انہیں پیار بھی کر لیتے۔ یہ بھی اتفاق کی بات تھی کہ ان دنوں میرے دونوں بیٹے بھی کریسنٹ ماڈل سکول میں پڑھ رہے تھے اور یوں وہ عدنان شاہد کے ہم مکتب بھی تھے اور عدنان شاہد اور میرے بیٹوں میں یہ قدر مشترک ان سے ہمارے لگاؤ کی ایک یہ وجہ بھی تھی۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ عدنان شاہد ایک جوان رعنا کا روپ دھار چکے تھے' انہیں مل کر بہت خوشی ہوئی اور انہیں اخبار کے ہر شعبہ میں کام کرتے اور تربیت حاصل کرتے دیکھ کر دل نے کہا کہ ایک روز ضرور وہ ایک بڑا صحافی بنے گا اور اسی محنت اور لگن کے سہارے انہوں نے اپنے اخبار کے ایڈیٹر کا رتبہ حاصل کر لیا اور کمال محنت سے اخبار کو اوج کمال تک پہنچایا۔ وہ ہمہ وقت بہتر سے بہتر کرنے کی لگن میں مصروف نظر آئے اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ ایک فعال صحافی سے لے کر بہترین منتظم کی صورت میں ادارے کی پہچان بن گئے اور ایک چیلنج سمجھ کر اسی ادارے سے POST کے نام سے انگریزی اخبار کا اجراء کیا اور اس کے ایڈیٹر بنے۔ تو دنیائے صحافت میں "ننھے کندھوں پر بڑا دماغ" قرار پائے۔

اخبار کے دفتر میں آتے جاتے یا کسی محفل میں جب بھی ہماری ملاقات ہوئی ہم نے انہیں سراپا پیار و انکسار پایا۔ سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کی۔ کبھی دفتر میں ملنے کا موقع ملا تو چائے پیے بغیر اٹھنے نہیں دیا۔ حالات کچھ بھی ہوں کبھی ان کے چہرے پر ٹینشن کے تاثرات نہ دیکھے۔ اتنے بڑے ادارے کے مالک کے فرزند اور اہم اخبار کے ایڈیٹر ہونے کے باوجود تکبر یا غرور ان کے پاس تک نہ پھٹک سکا۔ اپنے سٹاف اور کارکنوں سے ہمیشہ مہربانی اور شفقت سے پیش آئے۔ ان سے سیکھا بھی اور سکھایا بھی۔ ہم نے ہر شعبہ کے کارکنوں کے ساتھ ان کو ان کے کمروں میں بیٹھ کر نہایت شفقت اور تحمل سے محو گفتگو پایا اور کبھی انہوں نے اپنے آپ کو ان کا "باس" ہونے کا تاثر نہ دیا اور اب

Marfat.com

اس قدر ہر دلعزیز شخص اس نو عمری میں اچانک ان سب کو روتا دھوتا چھوڑ کر داغ مفارقت دے گئے ہیں۔ تو ان کے دلوں پر کیا گزر رہی ہو گی' کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ ان کی اس جدائی پر ہم مشیت ایزدی ہے تو کیا گلہ کریں کہ شاید قدرت کو یہی منظور تھا لیکن عدنان شاہد سے تو آصف شفیع کے ان لفظوں میں گلہ کیا جا سکتا ہے کہ۔

تمارے یوں بچھڑنے کا مداوا ہو بھی سکتا تھا
ذرا جو تم ٹھہر جاتے کوئی تدبیر کر لیتے

لیکن انہوں نے تو کسی کو مہلت ہی نہ دی۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

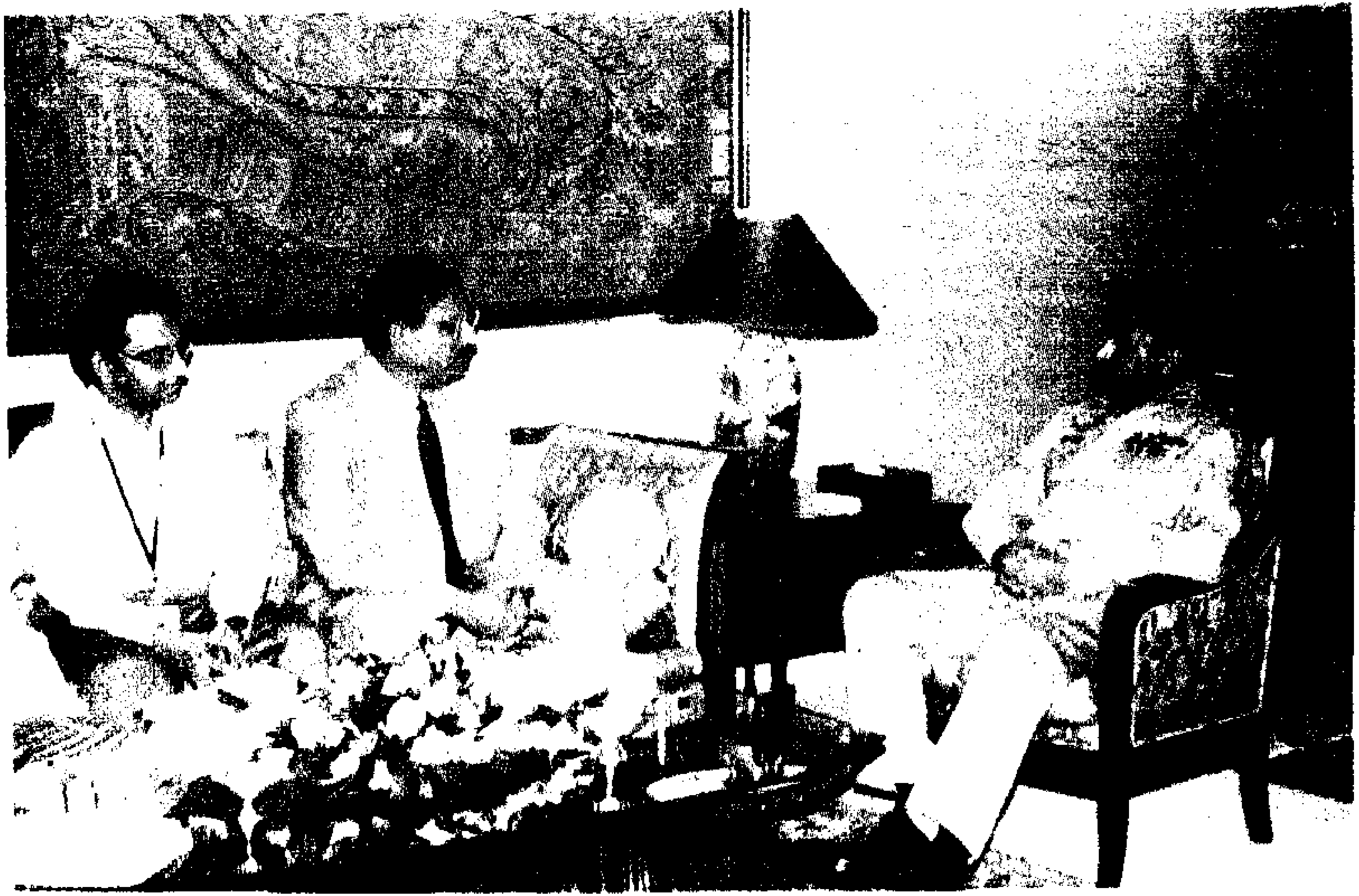

صدر جنرل پرویز مشرف کے ساتھ ملاقات کے موقع پر لی گئی ایک تصویر۔

Marfat.com

[illegible]

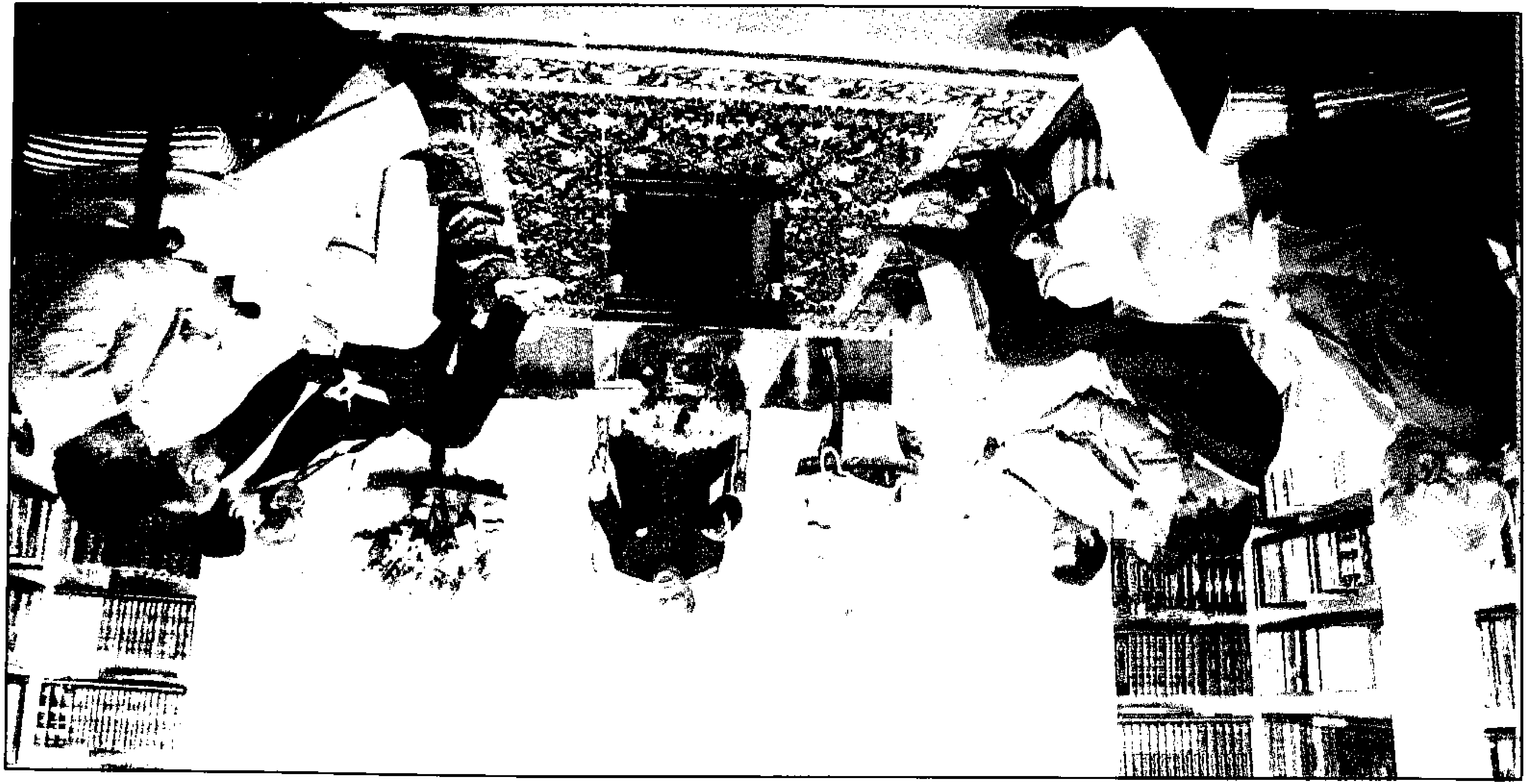

Marfat.com

عدنان شاہد کی یاد میں

جمیل اطہر

تسلیم و رضا کا پیکر جمیل عدنان شاہد اب ہمارے درمیان نہیں' عدنان نے اپنے عظیم المرتبت علیل والدین کی خدمت کا مقدس فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنی وفا' اپنی جان نذر کر دی۔ ہمارے دین نے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کو جو مقام و مرتبہ عطا کیا ہے اس کو سامنے رکھیں تو عدنان نے اس راہ میں ایثار و قربانی کا ایک نہ مٹنے والا باب تاریخ کے صفحات پر رقم کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ عدنان کی جواں سال وفات پر پورا پاکستان سوگ میں ڈوب گیا' کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہو گا جس نے عدنان کی جدائی کا دکھ اور کرب محسوس نہ کیا ہو۔ عدنان' ضیا شاہد کا سب سے بڑا بیٹا' ان کی امیدوں اور خوابوں کا مرکز' غیر معمولی انسانی اوصاف کا مالک تھا' معلوم نہیں اللہ پاک نے کس مٹی سے گوندھ کر اس کا پیکر خاکی تخلیق کیا تھا کہ اس کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرتے چلے جائیں اور اس کی داستان حیات ادھوری ہی رہے۔ اس کے اخلاق و اطوار' اس کی سیرت و کردار' اس کی صلاحیت و لیاقت' اس کی محنت وجدوجہد' اس کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے۔

میں اس کے نوجوان ساتھیوں اور بزرگ صحافیوں کے اس کے متعلق تاثرات و

Marfat.com

مشاہدات پڑھتا ہوں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہوں کہ اللہ پاک نے قومی صحافت کو کس قدر پاکیزہ خیالات و نظریات کا مالک ایک سپوت عطا کیا تھا۔ وہ انسان دوست تھا' اسے شرف انسانی بہت عزیز رہا۔ وہ اگرچہ عابد وزاہد نہ تھا مگر اسے حقوق العباد ادا کرنا بہت محبوب تھا۔ ابھی تو اس کی صلاحیتیں نکھر رہی تھیں' اس کے جوہر کھل کر سامنے آ رہے تھے' ابھی تو اس کلی کو پھول بننا تھا' ابھی تو اس چمکتے دمکتے ستارے کو چودھویں کا چاند بن کر افق صحافت پر چمکنا تھا' ماہ کامل بننا تھا لیکن قضاو قدر کا اپنا نظم اوقات ہے۔ اس نظم کے سامنے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی اور کوئی چارہ گری کام نہیں آتی۔ دست گلچیں نے عدنان جیسے پھول کو ضیا شاہد' یاسمین شاہد' حمیرا اویس اور اس کے بچوں کے چمنستان سے اس طرح اچانک توڑ لیا کہ جس کسی نے سنا اور جس کسی نے پڑھا اسے یقین ہی نہیں آتا اور اب جبکہ وہ منوں مٹی تلے ہمیشہ کی نیند سو رہا ہے اور ہم خود اپنے ہاتھوں سے اسے لحد میں اتار آئے ہیں' ہماری یہ بے یقینی برقرار ہے۔

عدنان کا سانحہ ارتحال صرف ضیا شاہد' خاندان' خبریں گروپ اور دی پوسٹ کا ہی نقصان نہیں یہ قومی صحافت کیلئے بہت بڑا صدمہ ہے۔ میں نے اسے آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی (اے پی این ایس)' کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز (سی پی این ای) کے اجلاسوں میں ضیا شاہد کی نمائندگی کرتے اور پرنٹ میڈیا کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے بارہا دیکھا اور سنا۔ اس کی گفتار و کردار میں بڑی سنجیدگی' متانت اور گیرائی و گہرائی تھی۔ وہ ایک ایک لفظ سوچ سمجھ کر بولتا تھا' اور اس کی گفتگو بڑی جچی تلی ہوتی تھی۔ وہ ضرورت سے ایک لفظ نہ زیادہ بولتا تھا اور نہ ہی کم اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ اس کی زبان سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ اس کی ان خوبیوں نے اس کی شخصیت کو بہت دل آویز اور سحر انگیز بنا دیا تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس کے جانے سے ایک روشن دماغ ہماری صفوں سے اٹھ گیا ہے۔

Marfat.com

حقیقت یہی ہے کہ بقول شاعر:

مائیں جنتی ہیں بچے ایسے خال خال

عدنان نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی تھی جس میں قرطاس و قلم کی خوشبو بکھری ہوئی تھی اور وہ اسی خوشبو سے بھرے معطر ماحول میں پروان چڑھا تھا۔ لیکن اس نے عملی زندگی میں جو چلن اختیار کیا والدین کی تربیت کے ساتھ ساتھ اس میں شعور اور اختیار کا بھی دخل تھا۔ اس نے پاکستان کے نوجوان صحافیوں کیلئے یہ پیغام چھوڑا ہے کہ وہ صداقت و شجاعت کا دامن تھامیں' انتھک جدوجہد کی راہ پر گامزن رہیں' اپنے اندر صبر اور برداشت کا جوہر پیدا کریں اور عجز و انکسار کے پیکر بن کر زندگی بسر کریں۔

عدنان کی زندگی اقبال کے اس شعر کی آئینہ دار رہی:

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری

آیئے! دعا کیلئے ہاتھ اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ اس جوان رعنا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے' ہمارے بھائی ضیا شاہد اور بھابی یاسمین شاہد' عدنان کے بھائی امتنان شاہد اور عدنان کی اہلیہ حمیرا کو صبر کی ہمت اور توفیق دے' اللہ تعالیٰ ان کے بچوں کی دستگیری کرے۔ آمین

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

جدید صحافت کا علم بردار

ڈاکٹر احسن اختر ناز

جس وقت ہم لاہور میں جواں مرگ عدنان شاہد کی نماز جنازہ پڑھ رہے تھے عین اسی وقت کراچی میں پروفیسر سرور نسیم کی نماز جنازہ بھی ادا کی جا رہی تھی۔ جمعرات 15 فروری کی شب وہ نوجوان پروفیسر بھی ہارٹ اٹیک کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملا تھا۔ ملک عدم کو اچانک سدھارنے والے یہ دونوں راہِ صحافت کے شہ سوار تھے۔ لہٰذا ان کی یوں درد بھری رحلت کو بھلانا آسان محسوس نہیں ہوتا۔

نوجوان ایڈیٹر عدنان شاہد سے میری بہت کم ملاقاتیں رہیں۔ پہلی تفصیلی ملاقات روزنامہ ''خبریں'' کے دفتر میں ہوئی۔ اس کی خوش اخلاقی اور منکسر المزاجی کا پہلی ملاقات میں ہی قائل ہو گیا۔ وہ ایک ممتاز صحافی اور ایڈیٹر کا بیٹا تھا اور صحافت اسے ورثے میں ملی تھی۔ اس نے اس وراثت میں کوئی کمی کرنے کی بجائے اس کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ وہ نیویارک سے جب صحافتی تربیت حاصل کر کے آیا تو ہمارے شعبہ ابلاغیات میں اس کا ایک لیکچر کروایا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ وہ بہت نوٹس لے کر آیا تھا۔ اس کے پاس صحافت کے جدید مسائل اور موضوعات کے بارے میں مواد پر مشتمل ایک کٹ تھی۔ نئے علوم اور آئیڈیاز کے بارے میں اس کی لگن نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اسے

Marfat.com

یوں دیکھ کر مجھے روزنامہ ”جنگ“ میں اس کے والد ضیا شاہد کے ساتھ کام کرنا یاد آ گیا۔ نئے نئے آئیڈیاز اور تجربات کے بارے میں ان کا ذہن بھی بہت زرخیز ہے۔ میں اکثر معترف رہتا ہوں کہ اخبار میں کام کرنے کا وہ تجربہ آج بھی مجھے بہت سے امور اور مسائل کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

عدنان شاہد کی ایک خوبی جس کا اعتراف سبھی کرتے ہیں وہ اس کی بے پناہ قوتِ برداشت اور اپنی غلطی کو تسلیم کرنا تھا۔ ہمارے ہاں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جسے تھوڑا سا اختیار یا صحافت جیسی منہ زور طاقت ورثے میں مل جائے تو اس کو ”ہم چو ما دیگرے نیست“ یعنی ہم جیسا کوئی اور نہیں کا نشہ خواہ مخواہ ہو جاتا ہے۔ عدنان اس کج روی سے بچا رہا۔ شعبۂ ابلاغیات کی ایک تقریب میں اس وقت کے وفاقی وزیر اطلاعات شیخ رشید مہمان خصوصی تھے اور عدنان شاہد مقررین میں شامل تھا۔ اس کی تقریر سے وہاں اختلاف کیا گیا لیکن اس نے اس کا قطعاً برا نہیں منایا بلکہ مسلسل مسکراتا رہا۔ یہ حقیقی جمہوری مزاج ہم نے بہت کم لوگوں میں دیکھا ہے۔ یہاں تو اختلاف رائے کو ہم مخالفت اور پھر خاندانی دشمنی میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اتنے جذباتی ہو جاتے ہیں کہ اختلاف رائے رکھنے والے کی شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ دوسری طرف جمہوریت اور آزادی رائے کے حق میں تقریریں کرتے ہوئے ہماری زبان تھکتی نہیں اور قائداعظمؒ کی تصویر کمرے میں سجی ہوتی ہے۔ ہمارے شعبے کے سابق طالب علم جو اس کے ساتھ اخبار میں کام کرنے کا تجربہ رکھتے ہیں وہ سبھی اس کے تحمل اور بردباری کی بہت سی مثالیں دیتے ہیں۔ خدا مرحوم کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

ضیا شاہد صاحب کی کیفیت بالکل اس باغبان کی سی ہے جو تمام عمر اپنے پودوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور جب وہ پودا درخت بن کر پھل پھول دینے والا ہوتا ہے تو کوئی

Marfat.com

آندھی یا طوفان اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ یہ موت کی آندھیاں' طوفان اور زلزلے اس قادر مطلق کی قدرت میں ہیں جو صرف کن کہتا ہے اور فوراً فیکون ہو جاتا ہے۔ اس کائنات میں کوئی ذی روح اور کوئی جامد شے اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ خدا ان کو صبر و جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ احسان دانش مرحوم نے کہا تھا:

چوکھٹے قبر کے خالی ہیں' انہیں مت بھولو
جانے کب کون سی تصویر سجا دی جائے؟

(بشکریہ پاکستان)

Marfat.com

وہ قیامت کے آٹھ دن

طاہر رشید

مجھے سکھر ہوٹل میں ساڑھے 4 بجے صبح فون پر اطلاع ملی' کیوں کہ سویا ہوا تھا موبائل کی گھنٹی نے بیدار کیا' پہلے تو ایسا لگا شاید کوئی منحوس خواب دیکھ رہا ہوں۔ اطلاع کرنے والے سے بار بار پوچھا' دل جیسے بیٹھ گیا ہو' ذہن اس خبر کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا' آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس دن سفر بھی بہت مشکل تھا' بارشوں کی وجہ سے نہ ٹرین ملی نہ کوئی بہتر بس' بہر حال 12 گھنٹے میں بہاولپور پہنچے۔ بہاولپور سے 10 کلومیٹر پہلے ٹریفک جام ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ کوئی بس الٹ گئی ہے' راستہ بند ہو گیا ہے۔ رات 2 بجے ٹریفک بحال ہوئی' کوئی 5 بجے صبح ملتان پہنچا' 9 بجے لاہور کی تیاری ہوئی۔ دل چاہتا تھا کہ اڑ کر لاہور پہنچ جاؤں مگر وقت کی ستم ظریفی بس 8 گھنٹے میں لاہور پہنچی۔ پورے سفر میں ان حالات میں ڈوبا رہا کہ ضیا صاحب' بھابی جان' امتنان' نوشی' حمیرا اور بچوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ وقت ابوامی پر قیامت سے کیا کم ہوگا۔ آدھا گھنٹہ پہلے عدنان بیٹا پاس تھا' بعد میں اس کی موت کی خبر آ گئی۔ ضیا صاحب بتا رہے تھے کہ جب مجھے عدنان کو ہسپتال لے جائے جانے کا فون آیا تو میں پہنچا۔ میں نے اونچی آواز سے پوچھا عدنان بیٹا کیا ہو گیا' آگے سے کسی دوسرے

Marfat.com

شخص کی آواز آئی عدنان بیٹا تو دنیا سے رخصت ہو چکا۔ باپ نے کس طرح برداشت کیا ہوگا' وہ حوصلہ کہاں سے لائے ہوں گے۔ کچھ دیر پہلے عدنان کا فون آیا کہ امی میں نے بچوں کیلئے کچھ شاپنگ کرنی ہے دیر ہو جائے تو فکر نہ کرنا۔ مگر بدنصیبی یہ کہ ہمیشہ کیلئے دیر ہو گئی۔ اس ماں پر کیا گزری' آنے کا کہہ کے گیا واپس نہ آیا۔

اپنے وطن' اپنے عزیز و اقارب سے دور' اکیلے' کوئی غمگسار نہیں۔ بیٹے کو ہسپتال دوسرے ملک میں چھوڑ آئے جبکہ ایک ماہ ہر لمحہ آنکھوں کے سامنے تھا۔ زندگی میں پہلی بار اتنا وقت بیٹے کے ساتھ ایک کمرے میں گزارنے کا موقع ملا تھا۔ بھابی کا کیا بنا ہو گا جب بیٹے کو چھوڑ رہی ہوں گی جو آتے ہوئے تو ساتھ تھا واپسی اکیلے جانا تھا' وہ سفر واپسی کا کتنا کٹھن ہو گا۔ کیا کیا خیال آئے ہوں گے۔ گھر جا کر امتنان' نوشی' حمیرا' بچوں کو کیا بتاؤں گا عدنان کہاں رہ گیا۔ ضیا صاحب بتا رہے تھے کہ واپسی پر نوفل' فجر نے پوچھا دادا!! ابو آپ کے ساتھ امریکہ گئے تھے وہ کیوں نہیں آئے' ضیا بھائی یہ بتا کر رونے لگے ان کو کیا جواب دوں' ان کا ابو کہاں ہے کیوں نہیں آیا۔ یہ سوچ کر دل پھٹا جا رہا تھا' قیامت اور کسے کہتے ہیں۔

گھر پہنچا تو امتنان بیٹا گھر سے باہر ہی مل گیا' اس کو حوصلہ دینے کیلئے الفاظ نہیں مل رہے تھے مگر میں نے دیکھا اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا کتنا قد آور نظر آیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے پر نم' دل رو رہا تھا مگر وہ اپنی ذمہ داری گھر کی' باہر کی کس صالح طریق سے نبھا رہا تھا' جس جگہ مشورہ کی ضرورت پڑتی ابو سے کر لیتا' حوصلے کا پہاڑ نظر آیا۔ لگتا تھا کہ یہی ضیا شاہد کا بیٹا ہے۔ شیروں کے پتر شیر ہی ہوتے ہیں۔ کبھی ابو کو حوصلہ دیتا' کبھی امی کو گلے لگاتا' نوشی کو صبر کی تلقین کرتا' ہر آزمائش سے گزر رہا تھا۔

ضیا صاحب کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی' دل چاہتا تھا ضیا بھائی کے گلے لگ کر پھوٹ کر روؤں۔ ضیا صاحب رو رہے تھے۔ کہنے لگے رشید صاحب میرا علاج

Marfat.com

کروانے لے گیا تھا' خود وہیں رہ گیا مجھے بھیج دیا۔ میری عمر 62 سال ہے اس کی 37 سال۔ باری تو میری تھی' بیمار تو میں تھا' اس نے جانے والوں کی فہرست میں نام کیسے لکھوالیا' اس کو کیا جلدی تھی۔ یہ منظر بھی زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھا' جواں سال بیٹا رخصت ہو رہا تھا' انسان خدا کے آگے بے بس۔ کہنے لگے جس نے اتنا بڑا صدمہ دیا وہی خدا اتنا بڑا حوصلہ بھی دے گا۔ اس کی رضا کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ جو بھابی کی حالت تھی بیان سے باہر گم سم بیٹے کی یاد میں کبھی رونے لگتیں' کبھی بیہوشی کی حالت ہو جاتی' سب حوصلے کی باتیں کر رہے تھے مگر ایک ماں کو صبر کیسے آتا جو اپنے نوجوان بیٹے کی میت سامنے چھوڑ آئی ہو' اس قیامت کی گھڑی کا تصور کر کے روح کانپ جاتی تھی۔

نوشی بیٹی' وہ ننھی سی جان گھر کے کام کو کس طرح نبھا رہی تھی۔ کبھی ابو کی فکر کبھی امی کو گلے لگاتی' کس ہمت اور صبر سے کام لے رہی تھی اس کا کردار ناقابل فراموش تھا۔ میں اس کو دیکھ رہا تھا اور بس دعائیں دے رہا تھا۔ میت آنے کا انتظار بھی جان لیوا تھا۔ ایک ایک دن ایک ایک پل قیامت ڈھا رہا تھا' بے چینی تھی کہ کسی طرح چین نہیں آ رہا تھا' تھوڑی دیر بعد لندن رابطہ کیا جا رہا تھا کہ اب کیا ہو رہا ہے۔ ضیا صاحب بار بار پوچھ رہے تھے اب کیا رپورٹ ہے۔ جمعہ کا دن قریب آ رہا تھا' ایک اور قیامت سر پر کھڑی تھی۔ عدنان بیٹے کی میت جب گھر آئے گی کیا حشر بپا ہو گا اسی خوف سے دل ڈوب ڈوب جا رہا تھا۔ میت کا صبح 10 بجے سے اڑھائی بجے سہ پہر تک موجود ہونا گھر والوں پر کیا قیامت ڈھائے گا۔ امتنان بیٹے سے مشورہ کیا موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے وہ تو راضی ہو گئے کہ میت کچھ وقت باہر رکھ لیں گے۔ ضیا صاحب سے بات کی کہنے لگے یہ کیسے برداشت کروں کہ بیٹا پاکستان پہنچ کر بھی دور رہے۔ وہ اپنے گھر آئے' جتنی دیر دنیا میں ہے اپنے گھر رہے۔ امتنان سے کہنے لگے بیٹا میں حوصلہ کروں گا' میری فکر نہ کرو' تمہاری امی کو سمجھاؤں گا۔ خدا نے جس آزمائش میں ڈالا ہے

Marfat.com

پورے اتریں گے۔ جمعرات کی رات جب ہم سب پاس بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے جتنا مجھے آپ لوگ مضبوط ہمت والا سمجھ رہے ہو ہوں نہیں۔ میں تو بڑا کمزور انسان ہوں' مجھ میں بھی انسانوں جیسا دل دھڑکتا ہے۔ وہ مشکل وقت آ گیا' جمعہ کو صبح 10 بجے بیٹے کی میت گھر پہنچ گئی۔ امتنان بیٹے نے تابوت کھولا' جس ہمت و صبر سے بھائی کا تابوت کھول رہا تھا میں داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جانے وہ حوصلہ کہاں سے لے آیا۔ تابوت کھلا تو بھابی' نوشی' حمیرا' نوفل' فجر کو دیکھ کر جو حشر بپا ہوا اس کا نقشہ کھینچنا طاقت اور لفظوں سے باہر ہے۔ ضیا صاحب اپنے بیٹے کو دیکھنے آئے' عجیب حالت تھی' پاؤں رکھتے کہیں پڑتا کہیں تھا' کمر جھکی ہوئی تھی' آنکھوں سے آنسو جاری' زبان کچھ کہنے سے قاصر تھی۔ ان کی حالت بیان سے باہر تھی۔ زیادہ کھڑے نہ ہو سکے' کمرے میں واپس آ گئے۔ اڑھائی بج گئے' جدائی کا وقت آ گیا۔ ضیا صاحب اپنے بیٹے کا آخری دیدار کرنے اور ان کو الوداع کہنے آئے۔ میت کے قریب جا کر عدنان بیٹے کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگے۔ چہرے پر ہاتھ پھیرا' کہا جا بیٹا تجھے خدا کے حوالے کیا۔ تجھے رخصت کرنے آیا ہوں۔ بیٹا دائمی جدائی دے کر جا رہا ہے' جب جنازہ اٹھایا وہ کرب کے لمحے' قیامت کا منظر بیان سے باہر تھا۔ کوئی آنکھ روئے بغیر نہ رہ سکی۔ بھابی کی آہ و زاری' حمیرا کی اور بچوں کی حالت دیکھی نہ جا رہی تھی' ضیا صاحب جنازہ اٹھوا کر جب پیچھے نکلنے لگے تو دروازے پر پہنچے' سامنے سب رو رہے تھے' کہنے لگے ہم کوئی عورتیں یا بچے ہیں جو روئیں' ہم تو مرد ہیں کیوں روئیں' رونا عورتوں بچوں کا کام ہے۔ یہ فقرہ سن کر میری زبان سے بے ساختہ نکلا ضیا صاحب زندہ باد' حوصلہ و صبر کا کوہ ہمالیہ۔ سامنے بیٹے کا جنازہ جا رہا ہے پھر بھی دوسروں کو حوصلہ دے رہا تھا۔ میں نے ان جیسا مضبوط اعصاب کا مالک کہیں نہیں دیکھا۔ ضیا صاحب اپنی شخصیت میں منفرد ہیں۔ کمر کے درد کے باوجود کہا جنازہ کھڑے ہو کر ہی پڑھوں گا' اور بیٹے کی تدفین اپنے سامنے کروائی۔ قبرستان کی دیوار سے ٹیک

Marfat.com

لگا کر آخری وقت تک کھڑے رہے اور بیٹے کو دنیا سے رخصت ہوتے دیکھتے رہے۔ اس طرح یہ قیامت کے آٹھ دن گزر گئے۔

عدنان اور امتنان بیٹے کے دوست ڈاکٹر عمران' نوید' کامران' علی' عظمان' فواد' شہزاد' خرم جاوید کا کردار بھی قابل تحسین تھا۔ امتنان بیٹے کو ایک پل بھی ان آٹھ دنوں میں اپنے سے جدا نہ کیا' اپنی دوستی کا حق ادا کرتے رہے۔ کہتے تھے آج صرف امتنان کا بھائی ہی نہیں فوت ہوا ہمارا بھائی بھی فوت ہو گیا' خدا یہ رشتے قائم رکھے۔ خداوند کریم سے بس اب یہی دعا ہے کہ ضیا بھائی کی عمر دراز کرے' صحت کاملہ کے ساتھ ان کو ہمت حوصلہ دے' اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے' خدا کوئی دکھ نہ دکھائے۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

والدین کی خدمت کا صلہ جنت

علیم چودھری

دیار غیر میں اچانک رحلت شہادت کے زمرہ میں آتی ہے۔ والدین کی خدمت اور ان کے علاج کیلئے کاوشیں بھی جہاد سے کم نہیں۔ عدنان شاہد اسی مقصد کیلئے سفر پر تھے اور ادنیٰ سے ادنیٰ شہادت کا کم سے کم صلہ جنت ہے۔

تابعدار اور فرمانبردار اولاد کیلئے جنت کی بشارت دی گئی ہے اور مرحوم عدنان شاہد والدین کی خدمت اور باپ کی تیمارداری کرتے ہوئے اپنے رب کے بلاوے پر اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ خداوند کریم جنت میں ان کے مرتبے کو بلند کرے۔

انسان کی ساری زندگی کا مقصد آخرت میں کامیابی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کی موت دے کر آنے والی زندگی میں سرخرو کر دیا۔

میری زندگی میں پہلے داخل ہونے والے بچے نوشی اور عدنان تھے۔ اس وقت ہم لوگ اپنے کیریئر کی ابتداء کر رہے تھے۔ وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ کام کیلئے دن رات کا کوئی تعین نہیں تھا۔ اس وقت ان بچوں کے ہنستے مسکراتے چہرے مجھے ہر فکر سے آزاد اور جدوجہد کا تازہ ولولہ عطا کرتے تھے۔ میرے بیٹے نے باتیں کرنا نوشی اور عدنان سے سیکھا۔ عدنان بچپن میں نہایت ہی نرم مزاج تھا اور کسی بھی کام کیلئے جلد

Marfat.com

بازی نہیں کرتا تھا اور والد کے مقابلے میں اپنی امی سے زیادہ قریب تھا۔ چیزوں کا غور سے مشاہدہ کرتا تھا اور اپنی عمر کے بچوں کی طرح چیزوں کی توڑ پھوڑ نہیں کرتا تھا۔ پیار سے باہیں پھیلا کر پچکارنے سے فوراً گود میں آجاتا تھا۔

جب میں روزگار کے سلسلہ میں بیرون ملک گیا تو اس وقت عدنان کی عمر تقریباً 5 سال تھی اور 97ء میں ملازمت سے فارغ ہو کر واپس آیا تو عدنان کو ایک ذمہ دار نوجوان دیکھا جو اپنی عمر کے لحاظ سے بہت ہی زیادہ کام کر رہا تھا اور ایک قومی اخبار کو Manage کر رہا تھا۔

ضیا شاہد صاحب نے مجھے ''خبریں'' کے ایک سٹیشن ملتان کی ذمہ داری تفویض کی تو مجھے ایک پروفیشنل نوجوان ایڈیٹر کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ میں نے عدنان شاہد کو بہت ہی حلیم الطبع اور انکسار کا حامل پایا اور مجھے انتہائی کم عمری میں ان کی پیشہ وارانہ کامیابیوں پر بہت خوشی ہوئی۔ وہ ایک درد دل رکھنے والے' شریف النفس اور ذہین انسان تھے۔

چند سال پہلے جناب ضیا شاہد ملتان میں تھے کہ عدنان شاہد کی کار کے حادثے کی اطلاع ملی۔ سب لوگوں نے وہ کرب کی رات آنکھوں میں کاٹی۔ اس روز میں نے محسوس کیا کہ نوجوان اولاد کی تکلیف والدین کو کتنا دکھ دیتی ہے۔

2004ء میں چند دن کیلئے ملتان تشریف لائے۔ انہوں نے امریکہ میں ٹریننگ میں جو سیکھا تھا وہ ''خبریں'' کے کارکنوں کے ساتھ شیئر کر رہے تھے اور آنے والے وقت میں صحافت کی نہج اور رجحانات کے حوالے سے کارکنوں کی ٹریننگ کیلئے بنائے گئے پروگرام کی جامعیت کو دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ جناب ضیا شاہد کسی بھی بڑے پراجیکٹ کو اس نوجوان کے سپرد کر سکتے ہیں۔ میں نے انہیں انتہائی زیرک' معاملہ فہم اور بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال پایا۔ میں نے انہیں اپنے پرانے

Marfat.com

ساتھیوں سے نہایت محبت اور خوش اخلاقی سے پیش آتے دیکھا۔ ہر ملنے والے کارکن کا نام انہیں ازبر تھا اور وہ ورکنگ پلیس کو تمام لوگوں کیلئے خوشگوار ماحول میں تبدیل کر دیتے تھے۔ شاید لوگوں کو اکاموڈیٹ کرنا ان کی بچپن کی عادت تھی۔

''خبریں'' کیلئے انگریزی اخبار کا اجراء ایک مشکل چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ عدنان نے اس میں بہترین کارکردگی دکھائی اور انگلش جرنلزم میں بھی وہ بہت متحرک' باصلاحیت اور ہونہار ایڈیٹر کے روپ میں ابھرے۔ اپنے کارکنوں اپنائیت دی اور کم عمری میں ہی صحافت میں اپنا مقام بنالیا۔ شاید اسے اپنے ابدی سفر پر روانہ ہونے کی بہت جلدی تھی۔

ان کی وفات سے میرے دل میں جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہ ہو سکے گا۔ میں اپنے آپ میں یہ حوصلہ نہیں پاتا کہ ضیا شاہد' یاسمین بہن یا امتنان کی آنکھوں میں جھانک سکوں اور اس کرب کو برداشت کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور ہمیں یہ صدمہ صبر اور حوصلے سے برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔

عدنان شاہد کی وفات ایک قومی نقصان ہے اور ان کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہ ہو سکے گا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

میرا درویش بیٹا عدنان شاہد

طاہر رشید

میرا عدنان بیٹا منفرد شخصیت کا مالک تھا۔ مجھے اس کی یاد بتیس سال پیچھے لے گئی۔ میں نے اس کا بچپن دیکھا' اس میں بچوں جیسی کوئی بات نہیں تھی' میں نے اسے کبھی کسی بات کے اور کسی چیز کیلئے ضد کرتے نہ دیکھا' نہ بچوں جیسی شرارتیں۔ ہر معاملے میں کمپرومائز کر جانا اس کی عادت میں شامل تھا۔ نوشی بیٹی سے کبھی لڑتے جھگڑتے میں نے نہیں دیکھا۔ بچپن میں ہی یہ عادت تھی کہ کسی سے آشنائی یا دوستی ہے اس سے ملنے میں کوئی کسر نہیں' جس کو ناپسند کر دیا تو کر دیا۔ عام طور پر دوستی زیادہ ہوتی اور مہمانوں سے بہت جلد مانوس اکثر ہو جانا اس کے مزاج کا حصہ تھا۔ میں ماہ ڈیڑھ ماہ بعد لاہور آتا۔ جب میں آنے پر گھنٹی دیتا اور عدنان بیٹا دروازہ کھولنے آتا تو مجھے چھپا دیتا۔ پھر امی سے' نوشی بیٹی' اگر ابو ہوتے تو ان سے جا کر کہتا بوجھو تو کون آیا ہے اور کہتا کہ رشید چاچا آ گئے۔ ایک شور پڑ جاتا۔ یہ والہانہ استقبال مجھے زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ یہ میرے ساتھ ہی نہیں' اس کے دوستوں کی پوری جماعت دیکھ کر اس سے پیار کرنے اور کروانے کا پتا چلتا ہے۔

Marfat.com

ایک بات جو بڑی واضح تھی اس کی جھوٹے اور منافق لوگوں سے کبھی نہیں بنتی تھی۔ نہ دوستوں میں نہ اپنے دفتر کے سٹاف میں' ہمیشہ کہتا لاکھ نقصان کر کے مجھے درست بات بتادو اور چکر دے کر ایک روپیہ بھی ہضم کرنے والے کو معاف کرنا اس کی طبیعت میں شامل نہیں تھا۔ ابوامی سے کبھی اونچی آواز میں بات نہ کرتا۔ کبھی کبھی ضیاصاحب سے کسی معاملے میں بحث ہو جاتی' بڑی ٹھوس اور مدلل بحث ہوتی۔ ضیاصاحب جب بحث میں ڈانٹ دیتے تو ان کا فقرہ جوان کی پہچان تھا ''مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ آپ نے مجھے ڈانٹ دینا ہے۔'' اپنے آپ کو منوانے کا حوصلہ بھرپور تھا لیکن بے معنی' بے مقصد نہیں' عملاً کر کے دکھا دینے کا عادی تھا۔ شادی کے معاملے میں کوئی اپنی پسند نہیں تھی۔ ابوامی نے شادی کے بارے میں پوچھا تو ایک ہی بات کی جہاں آپ چاہیں کر دیں مگر ایک بات کہ لوگ سادے اور سچے ہونے چاہئیں۔ الحمدللہ اللہ پاک نے ساتھی بھی دیا تو بے مثال۔ یہ ابوامی کے فیصلے پر راضی رہنے کا انعام تھا۔ پسند اس کی ہمیشہ نرالی ہوتی۔

عام لوگوں سے ہٹ کر کسی کی ہتک کرنا' کسی کو شرمندہ کرنا پسند نہ تھا۔ جو بات پسند نہ ہوتی خاموشی اختیار کر لیتا۔ آج کے نوجوانوں کی طرح دولت کی ہوس یا بڑے منصب کا لالچ کبھی نہ دیکھا۔ اب تو کچھ دین کی طرف زیادہ ہی لگاؤ ہوتا نظر آتا تھا۔ مجھے اڑھائی سال پہلے لاہور آنے کا اتفاق ہوا' حسب معمول ضیاصاحب سے مل کر عدنان بیٹے کے کمرے میں گیا' بڑا خوش ہو کر ملا۔ ایک خوبی جو بہت کم نوجوانوں میں ہوتی ہے عدنان بیٹے میں بھرپور تھی۔ اپنے ابو کے ملنے والوں' ان کے دوستوں کا بڑا احترام کرتا۔ جب میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا تو مجھے بڑا تعجب ہوا' اس کے سامنے کتاب داتا صاحب کی لکھی کشف المحجوب کھلی ہوئی تھی اور ساتھ ایک کتاب قصص الانبیاء۔ ایک حدیث

Marfat.com

پاک کی کتاب کے علاوہ کچھ کتابیں تصوف پر پڑی نظر آئیں۔ میں نے پوچھا عدنان بیٹا کیا درویش بننے کا ارادہ ہے' اپنی مخصوص ہنسی میں ہنسا اور کہا رشید چاچا درویش میں نے کیا بننا ہے۔ ویسے رشید چاچا ان اللہ والوں کی بھی اپنی ہی دنیا ہے۔

معلوم ہوتا تھا کسی واقعہ کے مطالعہ کا اثر موجود تھا۔ میں نے تو ایسے ہی کہا کہ درویش بن رہے ہو بلکہ ایسا نہیں' میرا بیٹا تھا ہی درویش۔ اس میں دنیاداری والی بات تھی کون سی۔ صابر' متشکر' محبت لٹانے والا' بچوں سے بچہ' بڑوں سے بڑا' جانے وہ کس دنیا کا بندہ تھا۔ میں بہت سوچتا یہ کیسا بچہ ہے' کیسا جوان ہے جسے دنیاداری میں کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ بے شک ایسے ہی لوگ درویش ہوتے ہیں۔ بے شک عدنان بیٹا اس فانی دنیا کی عمر تھوڑی لے کر آیا' بے شک اس دنیا سے پردہ کر گیا مگر ہمیشہ ہم سب کے دلوں میں زندہ رہے گا۔ فرمانبردار بیٹے' پرخلوص بھائی' شفیق باپ' بے مثال شوہر' مخلص دوست اور اللہ کی مخلوق سے پیار کرنے والا اپنے تمام لافانی صفات کے روپ میں۔ میرا ایمان ہے وہ ہمیں تو نہ بھولنے والا غم اور جدائی کا دکھ دے گیا مگر میرا اللہ اس کو جنت کے اعلیٰ درجات عطا فرمائے گا۔ میرا درویش بیٹا زندہ ہے' ہمیشہ زندہ رہے گا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

عجیب آزاد مرد تھا

عبدالودود قریشی

فروری 1999ء میں عدنان شاہد نے روزنامہ خبریں اسلام آباد بطور ایڈیٹر ذمہ داریاں سنبھالیں اور مجھے بطور جوائنٹ ایڈیٹر ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ ضیا شاہد اس دور کو خبریں کیلئے مشکل ترین دور قرار دیتے ہیں۔ میاں نواز شریف کی ناراضگی اور پھر فوجی حکومت کی آمد اور اخبارات کیلئے کسی نرم گوشے کا نہ ہونا' جیسے سارے اخبارات میاں صاحب کے زر خرید ہوں۔ ایسے دور میں ایک قومی اخبار کی ذمہ داریاں سنبھالنا اور انہیں بطریق احسن نبھانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ خبریں کا دور جدید بھی کہلاتا ہے کہ کچھ لوگ خبریں سے باضابطہ طور پر الگ ہو گئے تھے۔

مگر عدنان شاہد نے ایک منجھے ہوئے کہنہ مشق بابے کی طرح انتہائی صبر و تحمل سے نہ صرف اخبار کو سنبھالا بلکہ اس کو اس راہ پر لے آئے جو آج آپ کے سامنے ہے اور خبریں ایک گروپ کی شکل میں کئی اخبارات' کئی زبانوں میں شائع کر رہا ہے۔ عدنان شاہد کے اسی تجربے اور صلاحیت نے نئے انگریزی اخبار دی پوسٹ کی ذمہ داری ان کے کندھے پر ڈال دی مگر یہاں معاملہ مختلف تھا چونکہ ہر بااختیار شخص انگریزی اخبار کو پڑھنا اور اپنے مخالفین کی خبر اور تصویر دیکھ کر برہم ہونا اور پھر اپنی پبلسٹی پر مطمئن نہ

Marfat.com

ہونا پیدائشی حق سمجھتا ہے اور اس کے اثرات اخبار کے اشتہارات پر فوری نازل کر دیئے جاتے ہیں اور عدنان شاہد جیسے حساس پیشہ ور صحافی کیلئے ان اثرات سے مبرا رہنا ممکن نہ تھا۔ ''دی پوسٹ'' میں شائع ہونے والی تصاویر' خبروں اور کالموں کے بارے میں مجھ سے بھی گزشتہ 3 ماہ سے بار بار شکایات دہراتے رہے مگر عدنان شاہد حق بات لکھنے اور شائع کرنے پر ہمیشہ مصر رہے۔

مجھے ایک واقعہ یاد ہے جب ایک قاری کے خط کو مراسلہ کے طور پر شائع کرنے پر ایس ایس پی راولپنڈی سید کلیم امام نے عدنان شاہد اور میرے خلاف تھانہ سٹی میں سپیشل برانچ کے اے ایس آئی کی درخواست پر ایف آئی آر درج کروادی۔ وہ خود ایس ایس پی آفس میرے ساتھ زبردستی چلے گئے اور کہنے لگے کہ اس کی اشاعت کا میں ذمہ دار ہوں آپ ایف آئی آر صرف میرے خلاف لکھیں اور پھر پولیس نے اس ایف آئی آر کو واپس لیا۔ معاملہ فائرنگ کے نتیجہ میں مرنے والے کو شہید لکھنے پر ایک علمی بحث کا تھا۔ عدنان شاہد نے انتہائی متانت اور جرأت سے اس معاملے کو لیا جیسے ایک حوصلے اور جرأت کا پہاڑ کھڑا ہو گیا ہو اور وہ آزادی صحافت کیلئے ہر معاملے کو اپنے سر لینے کیلئے تہیہ کر کے آیا ہو۔ موقع پر موجود ایس ایس پی راولپنڈی' ان کی لیگل برانچ کے ڈی ایس پی' پنجاب ہائیکورٹ بار کے عہدیدار چودھری اکرم ایڈووکیٹ' رسالت فاضل عباسی' ڈی ایس پی' ایس ایچ او تھانہ سٹی راولپنڈی اس وقت ایس ایس پی کے کمرے میں موجود انہوں نے ایس ایس پی کی چائے یہ کہہ کر پینے سے انکار کر دیا کہ میں ایک ملزم ہوں' ایف آئی آر میرے خلاف' میرے جوائنٹ ایڈیٹر کے خلاف ہے اور جو ہم نے شائع کیا ہم اس کے اخلاقی اور صحافتی اقدار کے تحت شائع کرنے کے پابند ہیں۔ صبح 10 بجے سے شام 4 بجے تک وہ چائے پینے سے انکار کرتے رہے اور پھر پولیس نے مقدمہ واپس لینے کا باضابطہ اعلان کیا اور پھر وہ چائے پی کر واپس مڑے اور کہنے لگے اب

Marfat.com

مراسلات کی اشاعت پر راولپنڈی میں کسی اخبار پر مقدمہ نہیں ہوگا اور یہ درست ہے کہ اس کے بعد راولپنڈی میں کسی اخبار کے خلاف کلیم امام نے مراسلہ شائع کرنے پر مقدمہ درج نہیں کیا مگر عدنان شاہد ہم میں خور نہ رہا۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

لفظ کہاں سے لاؤں

اعجاز حشمت خان

تین روز سے ایک بھاری اور گہری اداسی دھند کے بادلوں کی طرح سینے میں چھائی ہے' یوں محسوس ہوتا ہے کہ درد و غم کی شدت سے دل پگھل کر اس اداسی میں بدل گیا ہے۔ عدنان کیا گیا کہ زندگی کے رنگ ہی بے رنگ لگنے لگے' وہ میرا بیٹا نہ تھا لیکن بیٹا ہی تھا' گزشتہ پندرہ سال کے طویل عرصہ میں سینکڑوں بار اس سے ملاقات ہوئی اور وہ ہمیشہ ہی مجھے بہت پیارا لگا۔ میٹھے اور دھیمے مزاج والا عدنان ''خبریں'' کا ایڈیٹر بھی تھا تو بھی کسی پروفیشنل معاملے میں اس نے مجھے نام سے نہیں پکارا' ہمیشہ ''انکل'' یا ''سر'' کہہ کر مخاطب کیا اور اس سے ہر ملاقات کے بعد مجھے راحت محسوس ہوئی اور دل سے اس کیلئے دعائیں نکلیں۔ لیکن قدرت کا عجیب دستور ہے' اچھی چیزیں اسے بھی اچھی لگتی ہیں' شاید اسی لئے وہ بہت اچھے لوگوں کو جلدی اپنے پاس بلا لیتا ہے۔

میں نے خود کو اتنا بے بس اور بے زبان کبھی محسوس نہیں کیا جتنا اس المناک سانحہ کے بعد جناب ضیا شاہد سے ملنے جاتے ہوئے کیا' ضیا شاہد میرے پرانے رفیق ہیں اور ہمیشہ انہوں نے مجھے اپنے فیملی ممبر کی حیثیت دی ہے' یاسمین شاہد میری بیٹیوں جیسی ہیں اور بالکل انہی کی طرح مجھے احترام اور پیار دیتی ہیں' میں کس زبان سے انہیں

Marfat.com

تسلی دے سکتا تھا' میں ایسے لفظ کہاں سے لاتا جو عدنان شاہد کا متبادل ہوتے' نہیں! میں تو بہت چھوٹا آدمی ہوں' ورنہ ایسے زخموں پر مرہم بننے والے الفاظ تو کسی کے پاس بھی نہیں۔ میں اس باپ کو کیسے صبر کی تلقین کروں جس کا جوان بیٹا اس کی دیکھ بھال کیلئے ساتھ گیا لیکن اس سفر میں ہی تنہا چھوڑ کر ابدی راہوں کے سفر پر روانہ ہو گیا' شاید اسے پتہ ہو کہ اس کا باپ اتنا جری اور اتنا بہادر ہے کہ وہ اس صدمے کو بھی سہہ جائے گا ورنہ میرے جیسا شاید اس صدمے کو برداشت ہی نہ کر سکتا۔

اس ماں کو کون تسلی دے گا کہ جس کا بیٹا اس کے ساتھ سفر کرنے کیلئے نشست محفوظ کرانے گیا' لیکن کاتب تقدیر نے اس کی منزل بدل دی' ماں کی گود میں ابھی بہت سے پھول ہیں (جنہیں اللہ اسی طرح اس کی گود میں شاد و آباد رکھے) لیکن اس گلدستے کا خوبصورت ترین پھول دست قضا توڑ کر لے گیا اس کے کان اب بھی "ماں" کا لفظ بار بار سنیں گے لیکن ان میں عدنان کی آواز نہ ہو گی' اس ماں کو اگر دلاسہ دے سکتی ہے تو عدنان کی آواز اور کسی کے بس میں عدنان بننا نہیں ہے' مجھے عدنان کی اس ناگہانی موت نے اگر اس قدر صدمہ دیا ہے تو اس کے خاندان کے صدمے کا اندازہ لگا سکتا ہوں اور شاید اس لیے بھی کہ میں خود بھی جواں بیٹوں کا باپ ہوں۔ میری ہی طرح ہر حساس باپ اولاد کی خوشی اور اولاد کے دکھ کے ذائقے جانتا ہے۔

انسان' انسان کو تسلی اور دلاسے دینے کے سوا کیا کر سکتا ہے' یہ جانتے ہوئے بھی کہ صبر کرنا کتنا مشکل ہے' صبر کرنے کی نصیحتیں کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے اور انسان یہ جانتے ہوئے بھی کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے اس کے حملہ آور ہونے پر ایسا ہی محسوس کرتا ہے کہ ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ لیکن وہ جو اپنی متوقع زندگی گزار کر جاتے ہیں تو کہنے والے بھی کہتے ہیں کہ اس نے بھرپور زندگی گزاری لیکن جب کوئی یوں قطار کے آخر سے خاموشی سے نکلے اور چپ چاپ ابد کی جانب روانہ ہو جائے تو قطار کے اگلے

Marfat.com

سرے والوں کے سینے بھی شق ہونے لگتے ہیں' کچھ یہی عالم ہمارا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہاتھ سے لاٹھی چھوٹ گئی ہے اور بابا دنیا کی بھیڑ میں بے سہارا رہ گیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے امتحان سے گزرنے کیلئے جناب ضیا شاہد' یاسمین شاہد' امتنان شاہد' نوشین عمران اور حمیرا اولیس کو اتنی ہمت و استقامت دے کہ یہ خاندان سرخرو ہو سکے' اے اللہ یہ صدمہ بھی تیرے حکم سے ہے اور اسے برداشت کرنا بھی تیرے حکم سے' بھاری اور گہرے دکھ کے باوجود اتنے الفاظ تو لکھ لئے لیکن نہیں لکھا جاتا تو ننھے نوفل اور اس کی ننی منی بہنوں کا دکھ' یقیناً ان بچوں کا دکھ سب سے بھاری ہے' ان سے ان کی زندگی کی قیمتی ترین متاع چھن گئی' ان سے ان کے باپ کے بوسے روٹھ گئے' اے اللہ تیرے بھید نرالے' جانے تو کیوں معصوم بچوں کو جدائی کے اتنے بڑے صدموں سے دوچار کر دیتا ہے' پھر ہم جیسے عام لوگوں کیلئے صرف یہی سوچ کا سہارا رہ جاتا ہے کہ جب تو نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو باپ کے سائے سے محرومی عطا کی تو یقیناً اس میں تیری کوئی حکمت ہے۔

میں نے اپنی زندگی میں جناب ضیا شاہد جیسا مضبوط اور طاقتور شخص شاید ہی کوئی اور دیکھا ہو' جوان بیٹے کی لاش ہزاروں میل دور چھوڑ کر گھر لوٹا تو ایک طوفان اسکے گھر کے درودیوار کو تھپیڑے مار رہا تھا' میں نے دیکھا کہ اس شخص نے اپنے ایک ہاتھ سے اس طوفان کو روکا اور دوسرا ہاتھ اپنے غمزدہ خاندان کے سروں پر رکھ کر انہیں صبر کی تلقین کرنے لگا' انہیں سمجھانے لگا کہ زندگی ایک تلخ حقیقت ہے اور تمہیں اس کا مقابلہ کرنا ہے لہٰذا حوصلہ کرو' حمیرا اولیس کو ضیا صاحب خصوصی تلقین کر رہے تھے کہ تمہیں تو اصل مقابلہ کرنا ہے' اپنے بچوں کو پالنا ہے' تم ہی نے ہمت چھوڑ دی تو کیا ہوگا؟ یقیناً یہ ایک بڑے حوصلے اور گہرے صبر والے شخص کا ہی کام ہے اور ہم تو یہ دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ ہمیں ضیا صاحب جیسا اور انہیں اس سے بھی زیادہ حوصلہ دے' آمین!

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

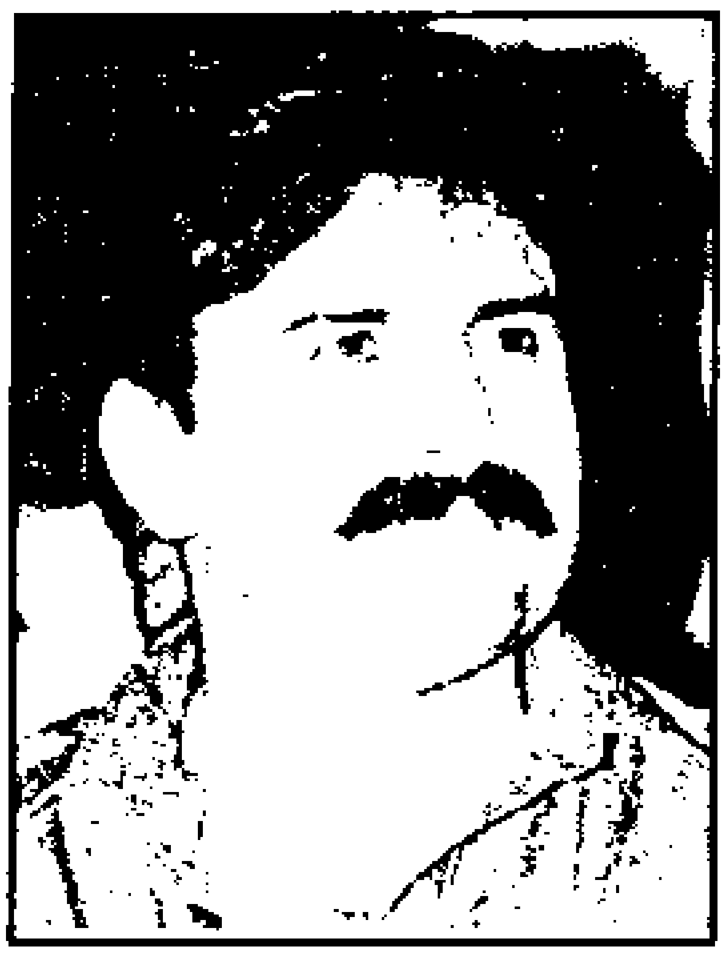

ظفر آہیر

جناب عدنان شاہد کے حوالہ سے یادوں کو مجتمع کرتے ہوئے میں ایک ایسے دوراہے پر آن کھڑا ہوا ہوں کہ میرے لیے مشکل ہو رہا ہے کہ ان کے بارے میں ایک قاری کی حیثیت سے تحریر کروں یا پھر ایک مہربان باس کے حوالہ سے اور یقین جانئے کہ صحافتی زندگی میں پہلی بار لکھنا دشوار ہو رہا ہے۔ ماضی کے دریچوں میں جھانکنے کی کوشش کرنے لگتا ہوں تو ایک دم جناب عدنان شاہد اچھے ایڈیٹر' اچھے کالم نویس' نفیس باس اور شفیق دوست کی صورت میں آنکھوں کے سامنے آن موجود ہوتے ہیں اور ان کا ہر روپ امر ہے۔ میں شاید بطور کالم نویس ان کی علمی وسعت کا احاطہ نہ کر سکوں۔

مجھے یاد ہے کہ پچھلے سال رحیم یار خان میں اخبار فروش یونین کے فنکشن سے فارغ ہو کر ''خبریں'' ملتان کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر علیم چودھری' جنرل منیجر امتیاز گھسن اور راقم جناب ضیا شاہد کی معیت میں خبریں اور خبرون سکھر کے دفتر کے لیے عازم سفر تھے تو راستے میں جناب ضیا شاہد نے بہت سیر حاصل گفتگو کی اور اس دوران جب انہوں نے جناب عدنان شاہد کے بارے میں گفتگو کی تو اس وقت ان کا لہجہ ایک باپ

Marfat.com

سے زیادہ استاد کا تھا' وہ کہنے لگے ''علیم صاحب عدنان بہت سمجھ دار ہے اگرچہ وہ تھوڑا دھیما ہے لیکن اس کی سوچ بہت گہری ہے' عالموں کی طرح سوچتا ہے' اردو پر اس کی گرفت بہت زیادہ ہو گئی ہے' تحریر میں الفاظ کا چناؤ بہت نپا تلا ہوتا ہے'' میں نے جناب ضیا شاہد کے منہ سے یہ الفاظ سننے کے بعد عدنان صاحب کی تمام تحریروں جن میں تجزیے اور کالم شامل ہیں' کو بہت غور سے پڑھنا شروع کیا اور یقین کیجئے میں نے خود ان کی تحریروں سے بہت سیکھا اور ان کو پڑھتے پڑھتے ان سے عقیدت کا تعلق قائم ہوتا گیا۔

جناب عدنان شاہد سے میری پہلی ملاقات فروری 1996ء میں ہوئی تھی کہ جب میں ''خبریں'' ملتان کے بیورو آفس میں ٹرینی رپورٹر تھا۔ میں نے 8 جنوری 1996ء کو ''خبریں'' جوائن کیا تھا اور جناب عدنان شاہد فروری میں ملتان تشریف لائے تھے۔ اس وقت لاہور آفس کے سینئر رپورٹر مزمل سہروردی ملتان میں چیف رپورٹر تھے۔ عدنان شاہد صاحب ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے' ہم مزمل سہروردی کی قیادت میں ان سے ملنے گئے' میرے ساتھ اس وقت سجاد جہانیہ' شکیل انجم' طاہر محمود شیخ اور عمران نیازی تھے۔ ہم اس وقت تمام کے تمام ٹرینی رپورٹر تھے اور تازہ تازہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی سے ایم اے ماس کمیونیکیشن کر کے فارغ ہوئے تھے۔ جب ان سے ملنے جا رہے تھے تو میرے دل میں طرح طرح کے خیال آ رہے تھے کہ مالک کا بیٹا ہے نہ جانے کیسا ہوگا' کیسے بات کرے گا' مجھ سے کہیں کوئی گستاخی ہی نہ ہو جائے' میں تو کم ہی بولوں گا' یہ خیالات تھے جو اس وقت میرے دماغ میں منڈلا رہے تھے لیکن جب ہم ان سے ملنے ان کے کمرے میں گئے تو وہاں ایک کھلنڈر سا نوجوان موجود تھا جو عمر میں مجھ سے ڈیڑھ دو سال چھوٹا تھا۔ عدنان صاحب ہم سب کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور سب سے گلے ملے۔ مجھ سے ملتے وقت انہوں نے کہا ''یار تم تو بہت لمبے ہو' چلو میں جمپ

Marfat.com

لگا لیتا ہوں"۔ یہ میری عدنان صاحب سے پہلی ملاقات تھی' لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ اخبار کے مینجنگ ایڈیٹر ہیں یا مالک کے بیٹے ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ محبت سے ملے اور یوں گھل مل گئے کہ لگ رہا تھا کہ جیسے ہم سالوں کے دوست ہیں۔ ان کے ساتھ رات گئے تک نشست رہی اور جب صبح کے چار بجے ہم لوگ ہوٹل سے نکلے تو تب ہمیں محسوس ہوا کہ ہم نے آٹھ گھنٹے جناب عدنان شاہد کے ساتھ گزارے ہیں اور یہ طویل وقت پلک جھپکتے گزر گیا۔

اگلے دن ہم لوگ بیورو آفس ساڑھے دس کے بجائے بارہ بجے کے لگ بھگ آئے۔ ہمارا خیال تھا کہ جناب عدنان صاحب آرام فرما رہے ہوں گے لیکن ہمارے آنے سے پہلے وہ آ چکے تھے اور بالکل تازہ دم۔ معلوم ہوا کہ وہ تو صبح دس بجے ہی دفتر آ گئے تھے اور تمام اخبارات پڑھ کر میٹنگ کے نوٹس بھی لے چکے ہیں۔ پھر انہوں نے رپورٹنگ کی میٹنگ لی اور ایک منجھے ہوئے ایڈیٹر کے انداز میں کام کے بارے میں بریف کیا' مجھے ان کا یہ فقرہ ہمیشہ یاد رہے گا "اب اخبارات کے مقابلے کا دور شروع ہونے والا ہے' وہی اخبار اور رپورٹرز زندہ رہے گا جو کوئی نئی اور انوکھی چیز قاری کو دے گا"۔ شام کو عدنان صاحب کی واپسی تھی' وہ چلے گئے لیکن ہم سب کے ذہن میں دوستی اور محبت کا وہ تاثر چھوڑ گئے جو کبھی ختم نہیں ہو گا۔

میری دوسری تفصیلی ملاقات ان سے جناب امتنان شاہد صاحب کی شادی پر لاہور میں ہوئی۔ میں جناب ضیا شاہد صاحب سے مل رہا تھا کہ عدنان صاحب آ گئے۔ ضیا شاہد صاحب نے عدنان صاحب سے کہا کہ ان سے ملو یہ ظفر آہیر ہیں' ہمارے پاس چیف رپورٹر ہوا کرتے تھے (ان دنوں میں "خبریں" میں نہیں تھا)۔ عدنان صاحب کہنے لگے انہیں کون نہیں جانتا' بے وفا آدمی ہے' کبھی اس نے فون تک نہیں کیا۔ ان کے لہجے سے محبت چھلک رہی تھی۔ عدنان صاحب کی یہ محبت تمام کارکنوں کے لئے تھی۔ میں

Marfat.com

نے انتہائی غصے میں بھی کبھی عدنان صاحب کو اخلاقیات سے ہٹتے نہیں دیکھا۔ وہ ڈانتے تھے تو سامنے والے کو "سر" کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ میں نے جب بھی ان سے بات کی انہوں نے مجھے "سر" کہہ کر مخاطب کیا۔ ایک بار "خبریں" ملتان کی رپورٹنگ ٹیم لاہور گئی۔ ہم واپس آ گئے لیکن عدنان صاحب کی محبت اور پیار کا ذکر ہفتہ بھر رہا۔ "خبریں" ملتان کا آغاز ہوا۔ ہم لوگ کام میں جت گئے۔ 26 ستمبر 1997ء کو "خبریں" کی سالگرہ میں شرکت کے لئے لاہور گئے تو میں اور شکیل انجم ساتھ ساتھ تھے۔ الحمرا کلچرل کمپلیکس میں فنکشن تھا۔ وہاں پہنچے تو عدنان صاحب ہمیں دور سے ہی دیکھ کر آ گئے۔ خدا قسم اتنے تپاک سے ملے کہ جیسے ہم ان کے بچپن کے دوست ہوں۔ ان کی محبت دیکھ کر دل چاہتا تھا کہ اور لگن سے کام کریں' اتنا محبت کرنے والا باس نصیب والوں کو ملتا ہے۔

جناب عدنان شاہد مینجنگ ایڈیٹر سے ایڈیٹر بن گئے۔ ذمہ داریاں بڑھتی گئیں۔ ملاقاتوں میں بھی وہ تسلسل نہ رہا۔ ہیڈ آفس کی مصروفیات بڑھ جانے کی وجہ سے وہ ملتان بھی کم ہی آتے تھے۔ جب کبھی فون پر بات ہوتی تو ان کے لہجے میں اگرچہ متانت اور سنجیدگی آ گئی تھی لیکن محبت میں کمی نہیں آئی تھی۔ جولائی 2004ء میں وہ ملتان تشریف لائے۔ تین دن ان کا قیام تھا۔ بہت مصروف تھے لیکن پرانے ساتھیوں میں سے کسی کو نہیں بھولے تھے۔ ہر ایک کا نام یاد تھا اور ہر ایک کو نام لے کر مخاطب کرتے تھے۔ پھر ان پر "دی پوسٹ" کا بوجھ آن پڑا۔ میں نے ایک دن انہیں فون کیا اور درخواست کی کہ "سر! میں نے ڈاکوؤں کے ایک کیمپ کی انسپکشن کی ہے' اسے "دی پوسٹ" کے لئے بھجوا دوں۔" تو انہوں نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا اور کہنے لگے "ظفر آہیر ویسے تمہاری سٹوری چھپ تو جائے گی لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم خود کسی دن نہ پکڑے جاؤ۔ شکل سے ان کے سردار لگتے ہو۔" ان کے لہجے کا دھیما پن اور خوش مزاجی انگریزی

Marfat.com

زبان جیسے خشک اخبار میں جا کر بھی ختم نہ ہوئی تھی اور آج جب ان کے بارے میں یہ سوچ کر لکھ رہا ہوں کہ وہ اس دنیا میں موجود نہیں تو کس کرب سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ اس کا اندازہ شاید مجھے خود بھی نہیں کہ کب ایک شفیق باس، نفیس انسان اور ایک بہترین کالم نگار سے محروم ہو گیا ہوں اور صرف میں نہیں "خبریں" کے ہزاروں کارکن اور کروڑوں قاری ایک مفکر سے محروم ہو گئے ہیں۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

یقین نہیں آتا

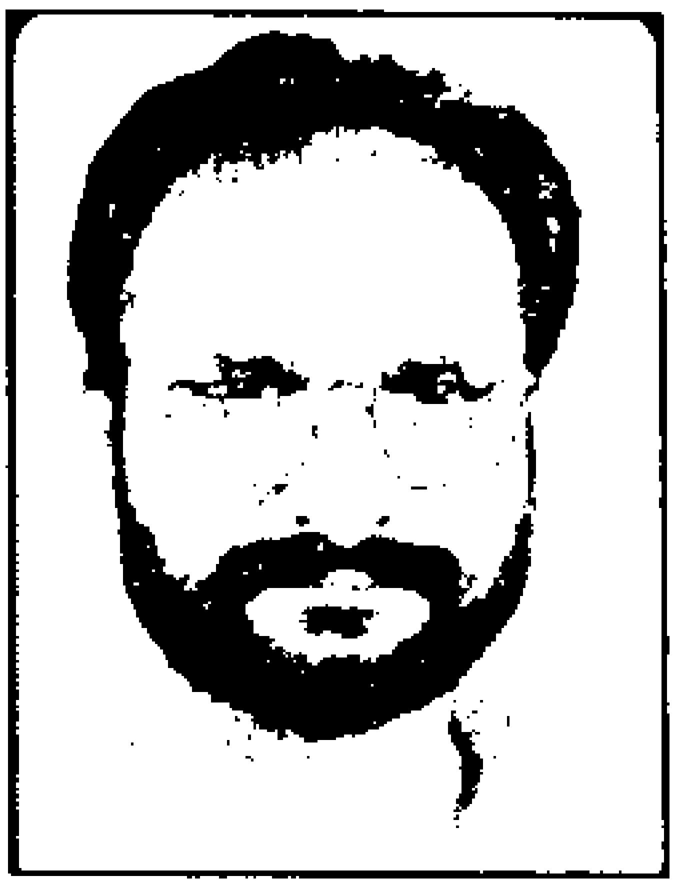

عبدالقدوس منہاس

یقین نہیں آتا اور آئے بھی تو کیسے، ابھی تو یہ بہت پیارے عدنان شاہد کے ہنسنے کھیلنے کے دن تھے، ابھی تو انہیں بہت کچھ کرنا تھا، کیسے مان لوں کہ وہ نفیس، وضعدار، شفیق، ملنسار، ہستی اب ہمارے درمیان موجود نہیں۔ مرحوم لکھتے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ سراپا شرافت، مجسمہ شفقت جناب عدنان شاہد کا ہنسنا، مسکراتا کتابی چہرہ، چمکتی آنکھیں، کھلی کھلی رنگت نگاہوں میں گھوم رہی ہے۔ 9 اور 10 فروری کی درمیانی رات قریباً چار بجے فون کی گھنٹی بجی لاہور سے جناب عبدالجبار ثاقب نے آنسوؤں میں بھیگی اور بھرائی آواز میں یہ جانکاہ خبر سنائی۔ تو دماغ ماؤف ہو گیا، زبان گنگ اور آنکھیں پرنم ہو گئیں لیکن دل تھا کہ مانتا ہی نہیں کہ ہر وقت مسکراہٹ چہرے پر سجائے رکھنے والا وہ گلاب چہرہ مرجھا گیا، بولتا چمن خاموش ہو گیا۔ اس جواں مرگ کا نوحہ لکھنے کیلئے لغت کی کوکھ بانجھ ہے۔ جناب عدنان شاہد کے ساتھ طویل عرصے تک کام کرنے کا موقع ملا۔ انتہائی زیرک، معاملہ فہم، بروقت اور درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت کے حامل تھے۔ دفتر کے سینئر کارکنوں کا احترام، جونیئر سے شفقت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ دھیمے لہجے میں مختصر مگر جامع گفتگو کرتے بہت جلد انہوں نے اپنے کام سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ

Marfat.com

''خبریں'' کے ایڈیٹر اس لیے نہیں بنے کہ جناب ضیا شاہد کے صاحبزادے ہیں بلکہ ان کی ذہانت اور محنت نے ان کی اہلیت کی گواہی دی۔ وہ کارکن کے طور پر کام کرنے میں کبھی جھجک اور ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ ''دی پوسٹ'' کا اجراء ایک چیلنج تھا لیکن جناب عدنان شاہد نے کم عمری کے باوجود یہ بیڑا اٹھایا اور بہت ہی تھوڑے وقت میں انگریزی خوان حلقے کو اپنی جانب راغب کر لیا۔

وہ اگرچہ ایک مایہ ناز صحافی کے بیٹے تھے لیکن وہ خود ہی پیدائشی طور پر صحافی تھے۔ سیاسی حالات کا تجزیہ کرنے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ ان کی اہلیت سے شعبہ صحافت میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ مدتوں پر نہ ہو سکے گا۔ سوچتا ہوں تو ذہن ساتھ نہیں دیتا' لکھتا ہوں تو قلم آنسو اگلنے لگتا ہے' کس طرح یہ دکھ بیان کروں۔ اپنے مربی و محسن کا صدمہ کیسے بانٹوں؟ اس کا نوحہ لکھوں تو کیسے؟ ہائے' بہت محبت کرنے والے باپ نے کیسے یہ خبر سنی ہو گی۔ جناب عدنان تو وطن واپسی کیلئے سیٹ کنفرم کرانے کیلئے گھر سے نکلے لیکن وہ کس سفر پر روانہ ہو گئے' تسلیم کہ جناب ضیا شاہد ایک بہت بہادر' صابر اور شاکر انسان ہیں۔ انہوں نے بہت سی مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور سرخرو ٹھہرے لیکن یہ کمر توڑ صدمہ' رنج و الم کا یہ کوہ گراں باپ کیلئے جوان بیٹے کی موت قیامت سے کم نہیں' لیکن ایک باپ کے سامنے اس کے جوان بیٹے کی وفات پر تعزیت آسان نہیں۔

یہ خبر شفیق اور مہربان ماں نے کیسے سنی ہو گی یقیناً یہ خبر سنانے والے کو اپنا تمام تر حوصلہ اور طاقت جمع کرنا پڑی ہو گی۔ جناب عدنان شاہد تو اپنی مہربان' خلیق اور شفیق ماں کا عکس تھے' ان کے اندر اپنی عظیم ماں کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ مرحوم کو اگر خوبیوں کا گلدستہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ جناب عدنان شاہد کے چھوٹے بھائی ایڈیٹر خبریں امتنان شاہد اپنا بازو الگ ہونے کی خبر سن کر کتنا تڑپے ہوں گے۔ بھائیوں کی اس

Marfat.com

بے مثال جوڑی نے کم عمری میں بڑی نازک اور بھاری ذمہ داریاں سنبھالیں۔ محنت اور شفقت کا وہ پودا جسے جناب ضیا شاہد نے اپنے خون سے ایک تناور درخت بنایا تھا' اس کی حفاظت میں جُت گئے۔ دونوں بھائی کندھے سے کندھا ملائے' ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے' قدم بہ قدم ترقی اور کامرانی کی راہ پر گامزن تھے۔ مگر موت کے بے رحم ہاتھوں نے بھائیوں کی اس جوڑی کو توڑ دیا۔ آج سب کچھ وہی ہے لیکن صرف ایک شخص کے جانے سے دلوں پر اداسی اور ویرانی راج کر رہی ہے۔

ہمارے مربی و محسن جناب ضیا شاہد کے چمن کا ایک پھول مرجھا گیا۔ شفیق و مہربان باجی یاسمین کی گود کا ایک لعل اندھیرے میں کھو گیا۔ برادر محترم امتنان شاہد تنہا رہ گئے' میری بہن حمیرا اویس کی مانگ اجڑ گئی۔ باجی نوشین عمران کے دل اور روح زخمی ہیں' محترم عدنان شاہد کے معصوم بچے شفقت پدری اور خبریں گروپ کے جملہ کارکنان ہر دلعزیز' محترم اور بہت پیارے جناب عدنان شاہد سے محروم ہو گئے۔

ملک بھر میں ہونے والی بارش دراصل آسمان کے آنسو ہیں۔ اس جواں مرگ کے سوگ میں تاروں نے بھی چمکنا چھوڑ دیا اور بادلوں کی چادر میں منہ چھپا لیا۔ خبریں کا ہر کارکن رنجیدہ' صحافتی برادری افسردہ ہے۔

اللہ رحیم و کریم جناب عدنان شاہد کے درجات کو بلند فرمائے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ ہمارے مربی و محسن جناب ضیا شاہد کے پورے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے' آمین' ثم آمین۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

اپنے ایڈیٹر سے ایک غیر رسمی نشست

شازیہ انوار

ٹھک ٹھک ٹھک

جی آجائیں

ٹھک ٹھک

آجائیں بھئی

کام کرتے ہوئے دوسری بار کی دستک میں، میں نے کچھ جھنجلا کر سر اٹھایا، دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے عدنان شاہد کو دیکھ کر میں اپنی ٹون بھول کر ایک دم کھڑی ہو گئی۔

''سر آپ، آیئے سر پلیز۔''

''بیٹھیے مس شازیہ، میں آپ کے کمروں کا سیٹ اپ چیک کر رہا تھا، سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں۔''

میں جو ابھی تک احترام میں کھڑی ہوئی تھی اپنی کرسی خالی کرتے ہوئے گویا ہوئی۔ ''موسٹ ویلکم سر، پلیز بیٹھیے۔''

''نہیں، آپ اپنی جگہ پر بیٹھیے میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھتے

Marfat.com

ہوئے بولے۔

میں کچھ جھجکتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"سنائیے کام کیسا چل رہا ہے۔" عدنان صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"الحمد للہ' اچھا ہے کچھ مشکلات ہوتی ہیں' لیکن سر یہ تو آپ بتائیں کہ میرا کام کیسا ہے؟"

"اچھا ہے' مجھے آپ کا لکھنے کا انداز پسند ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ کھڑے ہوگئے اور ساتھ میں بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ یوں کریں کہ اگر فری ہیں تو پھر میرے کمرے میں آجائیں' وہیں چائے پر باقی باتیں کرتے ہیں کیوں کہ جب تک میں یہاں بیٹھا رہوں گا آپ اسی طرح سے بے چین رہیں گی۔"

یہ کہہ کر وہ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔

یہ تھی میری عدنان شاہد سے پہلی ملاقات جو آج سے تقریباً ڈھائی سال قبل ہوئی جب وہ خبریں کے ایڈیٹر تھے اور دی پوسٹ کی لانچنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ اسی ضمن میں ان کا کراچی آنا ہوا۔

چند منٹوں کے بعد میں عدنان صاحب کے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی اور وہ متکلم تھے۔

"آپ کو یہاں کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔"

"نہیں سر کوئی مسئلہ نہیں ہے' سب ساتھی بہت اچھے اور معاون ہیں' مل کر کام کرلیتے ہیں اس لئے مسائل نہیں ہیں۔" میں نے انہیں جواب دیا۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' اس وقت ہمارے پاس اچھا اسٹاف ہے اور سچ کہیں تو اچھا اسٹاف ہی کسی بھی اخبار کی شناخت بنتا ہے اور پھر اخبار اپنی جگہ بناتا چلا جاتا ہے۔" اچانک بات روک کر انہوں نے کہا۔ "چائے کے ساتھ بسکٹ بھی ہونے

Marfat.com

چاہئیں۔''میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ ہیلپر کو ہدایت کر رہے تھے۔

''اچھا تو پھر کتنی ڈانٹ پڑتی ہے چیف صاحب سے ؟''انہوں نے حسب عادت مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہت' مگر اچھے کام پر انعام بھی ملتا ہے سر۔''میں نے جواب دیا۔

''ہاں یہ تو ہے چیف صاحب نے ہماری پرورش بھی اسی انداز میں کی ہے' مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کبھی ہم میں اور دیگر اسٹاف میں کوئی فرق کیا ہو' جیسے ہی میں پڑھائی سے فارغ ہوا انہوں نے مجھے اس جانب متوجہ کر لیا' میں نے تو ابتداء میں اسے بہت لائٹ لیا تھا لیکن شروع ہی سے انہوں نے بہت سختی کی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہم ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں' ہم نے اولاد کی طرح نہیں بلکہ طالب علم کی طرح ان سے سب کچھ سیکھا ہے۔''عدنان صاحب نے کہا۔

''سر ایک بات پوچھوں ؟''میں نے کچھ ڈرتے ہوئے سوال دراز کیا۔

''جی بلا جھجک پوچھیں۔''

''آپ اپنے والد کو چیف صاحب کیوں کہتے ہیں' ابو یا ڈیڈی وغیرہ کہنا چاہئے۔''

انہوں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔''بھئی آفس میں ایک بار غلطی سے نکل گیا تھا وہ ڈانٹ پڑی کہ آج تک یاد ہے اس کے بعد مجھے 'امتنان یا نوشین کو کبھی ہمت نہیں ہوئی آفس میں انہیں ضیا صاحب یا چیف صاحب کے علاوہ کچھ کہنے کی۔''

''تو سر آپ بھی ان سے ڈرتے ہیں جیسے کہ دیگر کارکنان ان کے غصے سے ڈرتے ہیں۔''

''ہاں ڈرتا تو ہوں مگر مجھے اس بات کا پتہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ابھی غصہ کرنا ہے تو ابھی پیار بھی کرنا ہے' وہ سکھانے کی غرض سے اتنی بات کرتے ہیں' وہ خود ہارڈ ورکر ہیں اس لئے انہیں اپنے کارکنان سے بھی اسی طرح محنت اور لگن سے کام کرنے کی توقع ہوتی ہے' جو لوگ اس بات کو سمجھ لیتے ہیں وہ خبریں

Marfat.com

کا حصہ بن جاتے ہیں ورنہ.........." انہوں نے کہا۔

"اچھا سر آپ والد سے زیادہ قریب ہیں یا والدہ سے۔" میں نے اگلا سوال دراز کیا۔

"ماں کی تو بات ہی کیا ہے؟"

"اچھا سر آپ بچوں میں کس کو زیادہ چاہتے ہیں؟"

"بچوں میں کوئی تفریق نہیں کر سکتا کہ لڑکیوں کو زیادہ چاہتا ہوں یا بیٹا اکلوتا ہے تو اس کو' تینوں بچے میرے دل کی دھڑکن ہیں' تینوں کیلئے میرا دل ایک جیسے انداز میں دھڑکتا ہے۔"

"سر یہ بتائیے کہ فرصت کے اوقات میں کیا کرتے ہیں۔" میرا ارادہ رکنے کا نہیں تھا۔

"فرصت تو ملتی نہیں ہے کیوں کہ مجھے پڑھنے کا بہت زیادہ شوق ہے' نیٹ پر بیٹھتا ہوں تو پھر ارد گرد بھول جاتا ہوں' ایک دنیا آباد ہے میرے چاروں طرف گھر' بچے' اخبار' کتابیں اس کے بعد جب سونے کیلئے لیٹتا ہوں تو پھر کچھ ہوش نہیں ہوتا' اگلے دن پھر وقت پر آفس پہنچنا ہوتا ہے۔" عدنان صاحب ماتھے پر شکن لائے بغیر جواب دیتے رہے۔

"اچھا اگر آپ کا انٹرویو ختم ہو گیا ہو تو مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے اخبار کے شعبہ کا انتخاب کیوں کیا؟"

"سر میں نے!" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"جی ہاں' آپ نے۔"

"مجھے بچپن ہی سے شوق تھا صحافی بننے کا اس لئے۔" میری بات سنتے ہی ان کا بے ساختہ قہقہہ گونجا۔ "99 فیصد لوگ یہی کہتے ہیں۔"

"سر میں صحیح کہہ رہی ہوں' میں جب چھوٹی تھی تب سے یہی کہتی آئی ہوں کہ

Marfat.com

صحافی بننا چاہتی ہوں' طویل عرصہ سے کام بھی کر رہی ہوں' میں بہت ایمانداری سے یہ بات کہہ رہی ہوں کہ صحافت میرا پیشہ بھی ہے اور جنون کی حد سے گزرتا ہوا شوق بھی۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا' کیا ٹرانسلیشنز کر لیتی ہیں آپ؟" انہوں نے سوال کیا۔

"ہاں' ضرورت پڑنے پر کر لیتی ہوں۔"

"فارغ وقت ملا کرے تو ترجمے کیا کریں' اس سے آپ کی وکیبلری میں اضافہ ہوگا' اچھا صحافی وہ ہے جس کے پاس اچھے الفاظ کا خزانہ ہو۔" عدنان صاحب نے کہا اور پھر درخواست کرنے والے اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگے۔ "مس شازیہ میں چاہتا ہوں کہ رپورٹرز سے بھی ایک میٹنگ کر لوں کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اب میرا کراچی کافی عرصہ کے بعد آنا ہو۔ "دی پوسٹ" شروع ہو گیا تو پھر کام بڑھ جائے گا' تو پلیز آپ سب رپورٹرز سے کہہ دیں اور پھر مجھے بلا لیں۔"

"جی سر ضرور۔" یہ کہہ کر میں وہاں سے اٹھ گئی۔ جب میں نے رپورٹنگ سیکشن میں جا کر یہ بات کہی تو پورے سیکشن میں کھلبلی مچ گئی کیوں کہ میٹنگ کا دوسرا مطلب ہوتا ہے "شامت۔"

بہرکیف آدھے گھنٹے کے بعد عدنان صاحب رپورٹرز کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ایک کارکن۔ایک ایڈیٹر

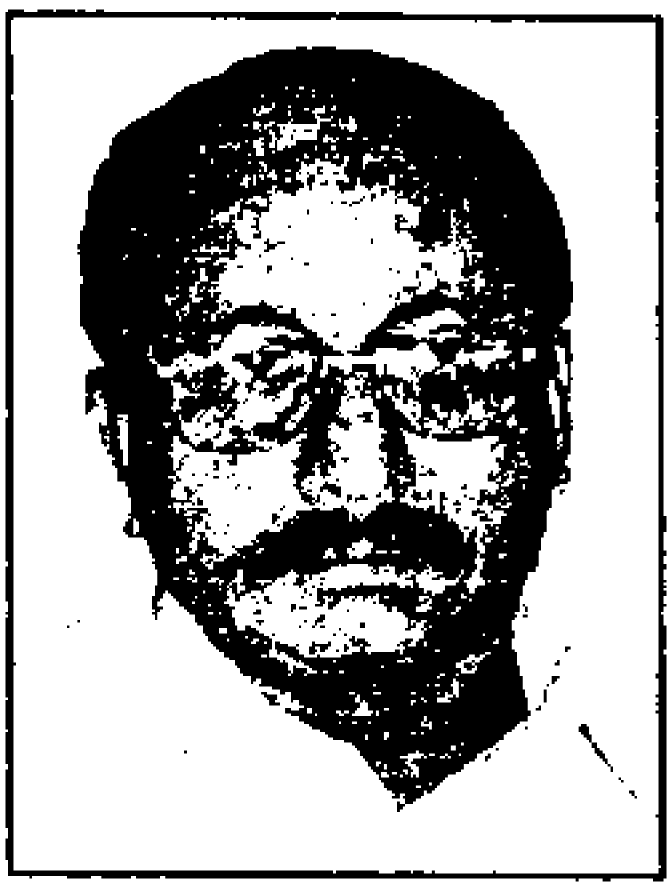

مظہر جاوید

ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ہمارے انتہائی محترم میر کارواں اور "خبریں" گروپ آف نیوز پیپرز کے چیف ایگزیکٹو ضیا شاہد لاہور سے ایک اخبار کے اجراء کا سوچ رہے تھے۔ میں اتفاق سے ان دنوں لاہور میں موجود تھا۔ فون پر ضیا شاہد سے بات ہوئی اور اگلے ہی لمحے میں ان کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ ضیا شاہد سے تو چند لمحوں کی ملاقات تھی مگر عدنان شاہد سے تفصیلی ملاقات رہی۔ اس طرح میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ جب روزنامہ خبریں کی رسم بسم اللہ ادا کی گئی تو میں اسلم اکرام کے ہمراہ اس تقریب میں شریک تھا جہاں ضیا شاہد نے خود دعا کرائی۔ اس تقریب کے تمام انتظامات عدنان شاہد نے کیے تھے۔ اس طرح مسلسل جدوجہد کے بعد ضیا شاہد نے ملک کو ایک نیا اور جرأت مند اخبار دیا۔ یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ "خبریں" کے آغاز سے ہی عدنان شاہد نے لاہور میں ایک ورکر کی حیثیت سے دن رات کام کیا اور وہ اپنے آپ کو ورکر کہلانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔

ضیا شاہد نے ابتدائی تعلیم چونکہ ملتان میں حاصل کی تھی اس لیے ان کی خواہش تھی کہ ملتان سے "خبریں" کا آغاز کیا جائے۔ چنانچہ ابتدائی تیاریوں کے دوران بلقیس پلازہ

Marfat.com

کینٹ کا ایک مکمل حصہ اور پریس کے لیے بیس منٹ کرایہ پر حاصل کیا گیا۔ اس وقت کے گورنر میاں محمد اظہر نے دفتر کا افتتاح کیا۔ اس طرح ملتان آفس کی تمام ترذمہ داریاں عدنان شاہد نے سنبھال لیں۔ تب میں نے قریب سے دیکھا کہ "عدنان" کس قدر محنت اور لگن سے کام کرنے والا نوجوان تھا۔ وہ اس وقت چاہتے تو کسی بڑے ہوٹل یا علیحدہ گھر لے کر بھی رہ سکتے تھے مگر انہوں نے بلقیس پلازہ کے ایک کمرے میں بسیرا کیا اور بڑی محنت اور لگن سے روزنامہ خبریں کی ملتان سے اشاعت کے انتظامات کا آغاز کیا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت عدنان کے ساتھ زاہد نامی نوجوان نے ملتان آفس کا کمپیوٹر سیکشن سیٹ کیا۔ تب لاہور میں امتیاز گھمن سے خاصا رابطہ رہتا تھا۔

ضیا شاہد جب بھی ملتان تشریف لاتے تو عدنان شاہد خود بھی ایک کارکن کی حیثیت سے پوری ٹیم کے ہمراہ ان سے مکمل رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ اسی محنت کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے "خبریں" اور خاص طور پر اب انگریزی اخبار "دی پوسٹ" کو کامیابی سے چلایا۔ ان کا ماٹو صرف ایک ہی رہا' میں کارکن ہوں۔ گزشتہ دنوں ملتان میں انہوں نے "خبریں" اور "نیا اخبار" کے رپورٹرز اور سب ایڈیٹرز کی تین روزہ ورکشاپ کا اہتمام کیا جس میں انہوں نے اپنے تجربات اور جدید صحافتی تقاضوں سے آگاہ کیا مگر وہاں بھی ان کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ میں نے ہمیشہ ورکر بن کر کام کیا ہے۔

اس افسوسناک خبر کے حوالے سے جب میری "خبریں" کے ایڈیٹر اور عدنان شاہد کے چھوٹے بھائی امتنان شاہد سے فون پر بات ہوئی تو یہ صبح تقریباً ساڑھے 4 بجے کا وقت تھا۔ وہ اپنے بھائی اور اپنے دوست کی اچانک جدائی پر خون کے آنسو رو رہے تھے۔ ان کی زبان پر صرف ایک جملہ تھا' دعا کریں' بس دعا کریں۔ یقیناً دکھی والد ضیا شاہد جو خود بھی علیل ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں مکمل طور پر صحت یاب فرمائے) دکھی والدہ محترمہ یاسمین شاہد

Marfat.com

صاحبہ 'عدنان شاہد کی اہلیہ محترمہ حمیرا اویس شاہد ممبر پنجاب اسمبلی و وومن ایڈیٹر "دی پوسٹ" اور دکھیاری بہن ڈاکٹر نوشین سمیت پورے خاندان اور پھر "خبریں" گروپ آف نیوز پیپرز سے وابستہ تمام کارکنوں کے لیے عدنان شاہد کی جدائی کسی سانحہ سے کم نہیں ہے اور ہم صدیوں تک اپنے اس "جوان" دوست کی جدائی کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

میرا ایڈیٹر' میرا کولیگ

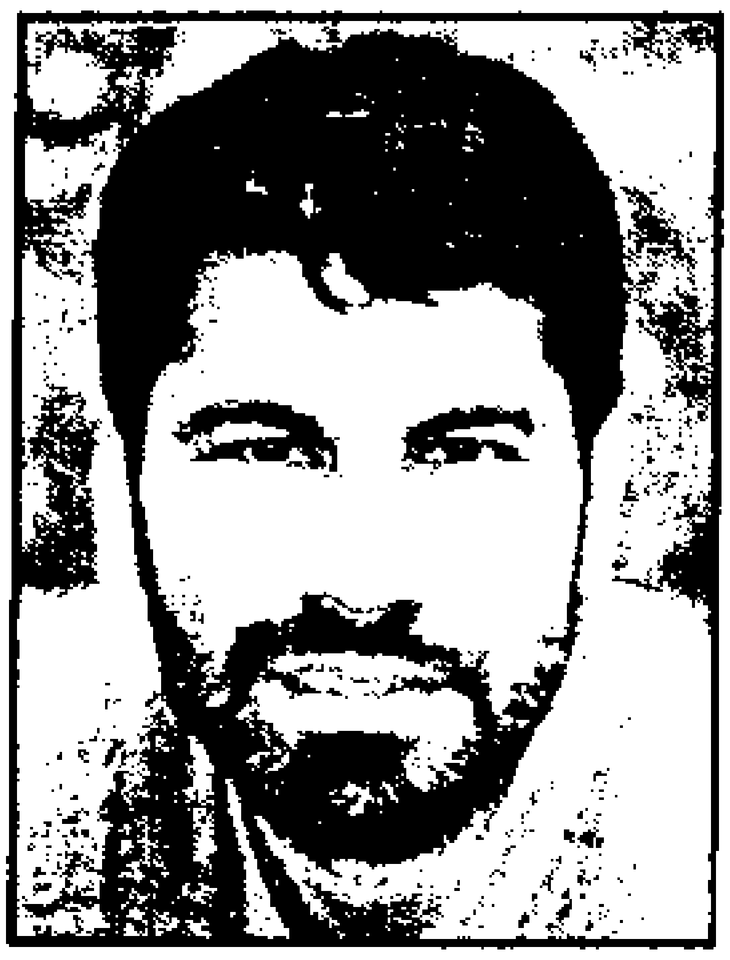

محمد قذافی بٹ

عدنان شاہد کے بارے میں کیا لکھوں سمجھ میں نہیں آرہا' ضیا شاہد صاحب جنہیں میں اب بھی چیف صاحب ہی کہتا ہوں کے پی اے فیصل کا فون آیا کہ چیف صاحب سے گھر فون پر فوری بات کرو۔ میں نے فوراً چیف صاحب کو فون کیا تو ان کی ٹوٹی ہوئی آواز سنائی دی۔ کیسے ہیں قذافی صاحب' میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ میں ان سے کس طرح تعزیت کروں' کیسے ان کو دلاسہ دوں۔ صرف اتنا کہہ پایا ٹھیک ہوں سر۔ اس سے پہلے بھی میں عدنان صاحب کی وفات پر گھر گیا۔ امتنان صاحب سے تعزیت کی لیکن اتنا حوصلہ نہ پڑا کہ چیف صاحب کا سامنا کر سکوں اور ان سے عدنان صاحب کی وفات پر دو لفظ تعزیت کے بول سکوں۔

میرے اپنے خیال میں رپورٹنگ سیکشن میں میں دوسرا تیسرا رپورٹر ہونگا جو اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہوں کہ عدنان کا میں فیورٹ رپورٹر تھا اور مجھے اس بات کا فخر ہے کہ کام کے حوالے سے عدنان صاحب مجھ پر بہت ٹرسٹ رکھتے تھے اور اگر میں نے عدنان صاحب کے جنازے میں شرکت نہ کی ہوتی تو شاید یقین نہ کرتا کہ میرا ایڈیٹر' میرا کولیگ اس دنیا سے جا چکا ہے لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں ہر چیز فانی ہے اور واپس

Marfat.com

اپنے رب کی طرف جانے کیلئے آتی ہے لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں یقین کرنے کو دل نہیں کرتا کہ وہ اتنی جلدی اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ عدنان صاحب بھی انہی میں سے ایک تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ابھی "خبریں" کے دفتر جاؤنگا تو وہ اپنی مخصوص ٹیبل کے پیچھے سے سر جھکائے لیپ ٹاپ پر بیٹھے کچھ پڑھ رہے ہونگے۔ پھر مجھے دیکھتے ہی کہیں گے جی قذافی صاحب فرمائیں۔

عدنان صاحب سے میری آخری ملاقات گزشتہ سال دسمبر میں ہوئی جب میں انہیں اپنی شادی کا کارڈ دینے گیا۔ ان کے کمرے میں داخل ہوا تو ویسا ہی مسکراتا ہوا شگفتہ چہرہ نظر آیا۔ اپنی سیٹ سے کھڑے ہو کر ہاتھ ملایا۔ بیٹھنے کا کہتے ہوئے کہا کہ خیریت' کیسے آئے ہو۔ میں نے شادی کارڈ سامنے رکھا تو کہنے لگے تو پھر جناب بھی گئے کام سے۔ یار میں تمہاری شادی میں ضرور آؤنگا یہ بتاؤ لیکر کیا آؤں۔ میں نے کہا سر آپ بھابی کے ساتھ آجائیے گا میرے لئے یہی کافی ہوگا۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ میری عدنان صاحب کے ساتھ یہ آخری ملاقات ہوگی اور اس کے بعد میں انہیں نہیں دیکھ سکوں گا۔ ویسے تو "خبریں" میں میں نے تقریباً دس سال کام کیا ہے لیکن عدنان صاحب کے ساتھ بحیثیت رپورٹر تقریباً سات سال کام کیا۔ اس عرصے کے دوران چاہے وہ نائن الیون کے بعد افغانستان سے ملحقہ پاکستان کی سرحد کے معاملات ہوں' کشمیر کی کنٹرول لائن' شمالی جنوبی وزیرستان کا محاذ ہو یا ملکی سیاست' ہر موڑ پر عدنان صاحب نے حوصلہ افزائی کی اور کوئی ایسا لمحہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ جب میں عدنان صاحب کے پاس گیا ہوں اور انہوں نے مجھے ریفوز کر دیا ہو۔

چیف صاحب جب دی پوسٹ شروع کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے تو انہوں نے عدنان صاحب کو دو ماہ کے ٹریننگ پروگرام کیلئے امریکہ بھجوایا۔ واپسی پر عدنان صاحب نے "خبریں" کی رپورٹنگ ٹیم کو اس ٹریننگ سے حاصل ہونے والے استفادے کو شیئر

Marfat.com

کا پروگرام بنایا اور یہ جرنلزم کی فیلڈ میں بہت کم دیکھنے میں آیا کہ کوئی باہر سے ٹریننگ لیکر آیا ہو اور پھر اس نے اپنے ساتھیوں کیساتھ ان معلومات کو شیئر کیا ہو۔

''خبریں'' کی میٹنگ ہمیشہ چیف صاحب لیا کرتے تھے لیکن جب ان پر کام کا بوجھ زیادہ ہو گیا اور شہر سے باہر کی مصروفیات بڑھ گئیں تو یہ ذمہ داری عدنان صاحب کو دے دی گئی۔ انہوں نے میٹنگ میں آنا تو ان کا یہ مخصوص جملہ ہوتا تھا کہ ہاں بھئی کل بیچنے کے لئے کیا ہے۔ عدنان شاہد بظاہر تو ''خبریں'' کے ایڈیٹر تھے لیکن کام کے معاملے میں خصوصاً کوئی بھی ایونٹ ہو ہمیشہ اپنی ٹیم کیساتھ ڈسکس کر کے اس پر کام کیا ۔کیونکہ ٹیم اسی صورت جیتتی ہے جب ٹیم ورک ہو۔

عدنان صاحب کے ساتھ کام کرنے کا اپنا ہی ایک مزہ تھا۔ یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ آپ ایڈیٹر کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ وہ کوئی بھی اسائنمنٹ کسی رپورٹر کو دینے کے بعد اس اسائنمنٹ میں خود بھی اتنا انوالو ہو جاتے کہ جیسے رپورٹر نہیں وہ خود اس کو کر رہے ہوں۔ مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے جماعت اسلامی لاہور کے دفتر سے شہداء کشمیر کے بورڈ اتارنے کی اسٹوری انہیں دی۔ انہوں نے یہ سٹوری پڑھی تو کہنے لگے کیا تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے۔ میں نے کہا کہ میرے پاس تصاویر موجود ہیں۔ وہ مجھے کہنے لگے یار دیکھ لو کام پکا ہے نا؟ کیونکہ اس پر جماعت کا ری ایکشن بہت سخت ہو گا۔ میں نے کہا سرری ایکشن تو ہو گا۔ وہ اٹھے اور مجھے چیف صاحب کے پاس لے گئے اور انہیں کہنے لگے کے قذافی یہ سٹوری لایا ہے اس کے پاس تصاویر بھی ہیں اور میرے خیال میں یہ سٹوری شائع ہونی چاہیے۔ بہرحال وہ سٹوری شائع ہوئی اور وہی ہوا جماعت اسلامی کی جانب سے اس پر سخت ری ایکشن آیا۔ جس پر ایڈیٹر کو رپورٹر کے خلاف سخت ایکشن لینا چاہیے لیکن عدنان صاحب نے پروفیشنل ہونے کا ثبوت دیا اور جتنے بھی لیڈر اور لیٹر میرے خلاف آئے اس کا ان کے پاس ایک ہی جواب

Marfat.com

ہوتا تھا کہ بھائی میرے رپورٹر نے ثبوت کے ساتھ سٹوری دی ہے میں کیا کروں۔

جنوبی وزیرستان میں جنگجوؤں کے خلاف آپریشن شروع ہوا تو میں نے عدنان سے ڈسکس کیا کہ سر میرے خیال میں وہاں جانا چاہیے۔ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا اور پھر جانے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی یہ کہا کہ بھائی ہاتھ پیر بچا کر۔ جنوبی وزیرستان جا کر کچھ سٹوریز فائل کیں اور میں نے جو کچھ دیکھا جو کچھ معلوم کیا وہ سب کا سب شائع ہوا۔ وزیرستان میں موبائل سروس کام نہیں کرتی تھی' صرف لینڈ لائن تھی۔ اس لئے زیادہ محفوظ اور بہتر رابطہ انٹرنیٹ کے ذریعے عدنان صاحب کے ساتھ رہا۔ میں یہ اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ ان سٹوریز میں بعض چیزیں ایسی بھی تھیں جو کہ پہلے شائع نہیں ہوئی تھیں۔ یہ بعد میں ایک سفر کے دوران عدنان صاحب نے مجھے بتایا کہ جو کچھ تم نے بھجوایا اس پر حکومت کی جانب سے پریشر بڑا آیا تھا لیکن چونکہ سب سچ تھا اور میں نے اسے کاؤنٹر چیک بھی کیا تھا اس لئے شائع کر دیا۔ یہ ان کے پروفیشنل ہونے کا ثبوت تھا کہ انہوں نے سٹوری بھی شائع کی اور آخری وقت تک رپورٹر کو اس کی ہوا نہیں لگنے دی کہ تمہاری وجہ سے اخبار پر پریشر آ رہا ہے کہ کہیں رپورٹر کی حوصلہ شکنی نہ ہو جائے۔

بہر حال صحافت خصوصاً ''خبریں'' ایک نفیس اور شگفتہ پروفیشنل سے محروم ہوئی اور میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں عدنان شاہد کی شخصیت کے سمندر کو کوزے میں بند کر سکوں۔ بس صرف یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

امتنان شاہد کا ''رد عمل''

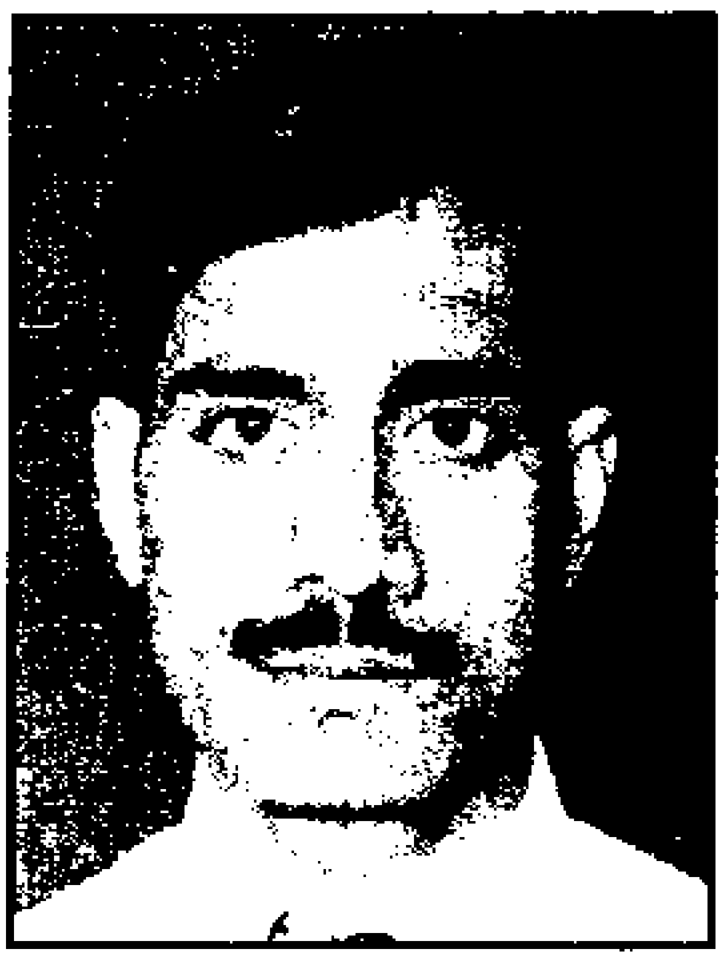

ریاض جاوید

ہم اہل صحافت کے ساتھ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خبر ہمیں رنجیدہ کر دے لیکن بعض اوقات کچھ ایسے سانحات رونما ہوتے ہیں جو اخبارات کے ادارتی شعبے سے وابستہ لفظوں سے کھیلنے والے ''پتھر دل'' لوگوں کو بھی غم واندوہ کی ناقابل بیان کیفیت سے دوچار کر دیتے ہیں۔ برادرم عدنان شاہد کی بے وقت جدائی کا دکھ ابھی دلوں پر پوری طرح حاوی تھا کہ ہمارے ایڈیٹر جناب امتنان شاہد نے بھائی کی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے جذبات واحساسات کو قلم کے ذریعے بیان کر کے عدنان بھائی سے محبت کرنے والوں اور خصوصاً ''خبریں'' اور ''دی پوسٹ'' کے کارکنوں کے رکتے ہوئے آنسوؤں کو پھر سے رواں کر دیا ہے۔ اپنے کالم میں امتنان شاہد نے مرحوم کے ساتھ والہانہ عقیدت کے اظہار کو اگرچہ بعض ساتھیوں کے اصرار کا نتیجہ قرار دیا ہے لیکن کالم کا ایک ایک لفظ ان کی دلی کیفیت کی مکمل عکاسی کرتا ہے اور یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ جناب ضیا شاہد کے ساتھ ساتھ امتنان شاہد بھی ابھی تک شاید یقین نہیں کر پائے کہ عدنان بھائی ہمارے ساتھ ''بے وفائی'' کر گئے ہیں۔

''رد عمل'' کے عنوان کے تحت شائع ہونے والے کالم کا ایک ایک لفظ جہاں

Marfat.com

عدنان شاہد کے چاہنے والوں کیلئے انتہائی رنجیدگی کا سامان کر رہا ہے وہاں یہ بات انتہائی خوش آئند ہے کہ امتنان شاہد نے اس عنوان کو زندہ رکھنے کی ٹھانی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی جانب سے مرحوم کے نام پر ویلفیئر ٹرسٹ بنانے اور ''دی پوسٹ'' کی اشاعت لاہور اور اسلام آباد کے بعد دیگر بڑے شہروں سے شروع کرنے کا اعلان بھی یقینی طور پر حوصلہ افزا ہے۔

جناب امتنان شاہد نے اپنے کالم میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ دونوں بھائیوں کے مابین محبت کا جو سلسلہ مرحوم کی زندگی میں تھا' عدنان شاہد کی رحلت کے بعد اس میں نہ صرف مزید مضبوطی آئے گی بلکہ داغ مفارقت نے اس محبت کو ایک ایسی لازوال طاقت میں تبدیل کر دیا ہے جو کبھی بھی زوال پذیر نہیں ہو سکتی۔ بھائیوں کے درمیان پیار محبت کا یہ رشتہ فطری بات ہے لیکن اگر ہم عدنان بھائی کی گھریلو زندگی سے نکل کر اپنے ماتحتوں اور ساتھیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک پر نظر ڈالیں تو وہاں بھی کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے۔

مرحوم نہ صرف اپنے کارکنوں کے ساتھ برادرانہ رویہ اختیار کرتے تھے بلکہ دوستانہ ماحول میں کام کرنے کی ایسی روایت پر عمل پیرا تھے جس نے ''خبریں'' اور ''دی پوسٹ'' کے تمام کارکنوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب ان کو مرحوم کے انتقال کی خبر ملی تو سب کو یہ محسوس ہوا کہ وہ بڑے بھائی کی شفقت سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ راقم نے ''دی پوسٹ'' کے بعض کارکنوں کو تو یہ بھی کہتے سنا کہ ''آج ہم یتیم ہو گئے ہیں۔''

مرحوم سے راقم کو ملاقات کا شرف پہلی مرتبہ اس وقت حاصل ہوا جب وہ ''خبریں'' کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اسلام آباد آفس میں عبدالوحید انجم کی وساطت سے ہونے والی چند ساعتی ملاقات آج بھی ذہن میں بالکل تازہ ہے۔ ایڈیٹر کی سیٹ پر براجمان

Marfat.com

نوجوان عدنان شاہد کو دیکھتے ہی سب سے پہلا سوال ذہن میں یہ ابھرا کہ کیا یہ نوجوان اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں نبھانے میں کامیاب ہو جائے گا؟ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب میرے سمیت بے یقینی کا شکار ہونے والے تمام کارکنوں کو وقت کے ساتھ ساتھ ملتا گیا۔ سعید واثق کے بعد جب ریحان زبیری "خبریں" بچوں کے ایڈیشن کے انچارج بنے تو "ایڈیٹری ایک دن کی" میں بندہ کو متذکرہ صفحے کی ایک روزہ اعزازی ادارت کا اعزاز نصیب ہوا اور اسی روز مرحوم سے میری دوسری ملاقات ہوئی۔ انتہائی شفیق لہجے میں کام کی نوعیت سمجھاتے ہوئے جو سنجیدگی ان کے چہرے سے عیاں تھی اس نے ان کی شخصیت کو مزید بارعب بنا رکھا تھا لیکن تمام دن کے کام کی تھکاوٹ محض چند منٹوں کی اس ملاقات اور مرحوم کے انتہائی مشفقانہ رویے نے دور کر دی۔ اس کے بعد عرصہ تک اگرچہ عدنان شاہد سے نہ مل سکا لیکن ان کی بتائی ہوئی باتیں آج بھی رہنمائی کا ذریعہ ہیں' خاص طور پر "دی پوسٹ" کی اشاعت شروع ہونے سے قبل "رد عمل" میں شائع ہونے والے ان کے کالم جہاں قارئین کیلئے دلچسپی کے حامل رہے وہیں صحافت میں آنے والے نئے کارکنوں کو رہنمائی بھی ملتی رہی۔ "دی پوسٹ" کے اجراء کے بعد کافی عرصہ تک انہوں نے یہ سلسلہ منقطع رکھا لیکن چند ماہ قبل کبھی کبھار قلم آزمائی کرنے لگے تو امید بر آئی کہ رہنمائی کا راستہ دوبارہ نظر آ گیا لیکن افسوس کہ اجل نے ہمارے رہبر کو ہی ہم سے چھین لیا اور ایک بار پھر ان کے کالموں سے پیشہ ورانہ استفادہ حاصل کرنے والے خود کو تاریکیوں میں محسوس کرنے لگے۔ اب جناب امتنان شاہد نے "رد عمل" کو دوبارہ شروع کیا ہے تو ہم سیکھنے والوں کی نظریں اپنے نوجوان ایڈیٹر کی جانب لگ گئی ہیں اور امید ہے کہ وہ اس سلسلہ کو مستقل جاری رکھیں گے۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ایک آفاقی سچائی......!!

نیاز حسین لکھویرا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ''میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔'' ہم سوچتے کچھ ہیں' نیت کچھ کرتے ہیں' ارادہ کچھ باندھتے ہیں لیکن ہوتا کچھ اور ہے۔ یہ خدائے بزرگ و برتر کی عظمت اور اس کی بے نیازی کی روشن ترین دلیل ہے اور اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موت بہت بڑی آفاقی سچائی ہے۔

صدمے اچانک رونما ہوتے ہیں' بنا بتائے آتے ہیں اور آتے رہیں گے لیکن بعض صدمے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی شدت پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے' پتھروں کا سینہ شق کر دیتی ہے اور مضبوط سے مضبوط اعصاب کو لمحوں میں چکنا چور کر دیتی ہے۔ نبیؐ آخر الزماں جب اس فانی دنیا سے اوجھل ہوئے تو خاتون جنت فاطمۃ الزہرہؓ کیلئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ آپ نے اپنے والد محترمؐ کی یاد میں جو اشعار تخلیق کئے وہ صدمہ کی اسی کیفیت کو آشکار کرتے ہیں:

جب بھی کوئی مر جاتا ہے

رفتہ رفتہ

اس کی یادیں

Marfat.com

اس کے غم
مدھم پڑنے لگتے ہیں
لیکن میرے باپ کی یاد
اس کے غم
اور زیادہ
اور زیادہ
اور زیادہ ہو جاتے ہیں
مجھ پر اتنے دکھ ٹوٹے ہیں
روشن دنوں پر ٹوٹتے تو وہ
کالی شبوں کی مثل ہو جاتے

رب لم یزل کی بے نیازی دیکھئے کہ برادرم محترم ضیا شاہد اور بھابی یاسمین نے سوچا تھا کہ عدنان صاحب کو صحافی نہیں بنانا۔ چنانچہ مرحوم کی تعلیم و تربیت میں یہ فیصلہ پیش نظر رکھا گیا مگر ہوا کیا کہ مرحوم بہت ہی چھوٹی عمر میں بہت اچھے اور نامور صحافی بن گئے۔ پاکستان میں انگریزی صحافت سے وابستہ صحافیوں خصوصاً ایڈیٹرز کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ گنتی کے چند ہی نام ہیں مگر اردو صحافت کے بعد عدنان شاہد مرحوم نے اپنے انگریزی اخبار ''دی پوسٹ'' کو ایک نیا رنگ اور ایک نیا آہنگ دیا۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو مقابلے کے اس کٹھن دور میں منوایا اور ایسا منوایا کہ بلاشبہ ایک مستند صحافی کے طور پر ملک کے اندر اور باہر پہچانے جانے لگے۔ جگن ناتھ آزاد نے کہا تھا:

دیا جلاؤ تو دہلیز پہ رکھو آزاد
درون خانہ بھی ضو اور برون خانہ بھی

مرحوم کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ جزئیات میں بہت جاتے تھے۔ ہر واقعہ

Marfat.com

ہر بات اور ہر خبر کے اندر کیا پوشیدہ ہے؟ اسی کیا کو دریافت کرنے کیلئے بے چین رہتے تھے جس وقت انہیں اس دنیا سے کوچ کرنا تھا اس وقت بھی ایئر لائن کے دفتر اپنی اسی عادت کی وجہ سے گئے ہوئے تھے کہ ایسی سیٹ کی بکنگ کراؤں جو واش روم کے ساتھ ہو تا کہ ضیا صاحب کو بار بار اٹھنے اور واش روم جانے میں دقت نہ ہو۔

پاکستان میں صحافت کے جو مشہور خانوادے ہیں انہیں دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ بڑوں نے محنت کی اور ایک سلطنت بنائی جو ان کے بچوں کو بیٹھے بٹھائے مل گئی مگر ضیا شاہد اور عدنان شاہد کے سلسلے میں ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ ضیا صاحب محنتی اور سیلف میڈ آدمی ہیں اور ان کی سلطنت بھی موروثی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی محنت شاقہ سے جو صحافتی ادارے بنائے ان میں عدنان صاحب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بھابی یاسمین اور امتنان صاحب کی محنت اور سوچ بھی شامل ہے۔ اس سلطنت کی دیواروں میں لگی اور اینٹیں اب بھی تازہ ہوں گی جنہیں عدنان مرحوم نے چنا......

ایک خوبصورت چہرے کے ساتھ تازہ سوچ رکھنے والے' دل پذیر مسکراہٹ کے ساتھ اپنے ساتھیوں کے دلوں میں گھر کرنے والے عدنان شاہد آج ماڈل ٹاؤن ایکسٹینشن کے 5 نمبر گھر کے مکین نہیں ہیں مگر ان کی روح' ان کی یادیں امر ہو گئی ہیں۔ عدنان مرحوم کو جتنی دعاؤں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت کیا گیا ہے وہ دعائیں توشہ خاص ہیں۔ ان کی روح کیلئے رحمت اور برکت کا سائبان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو فردوس بریں میں جگہ دے اور ضیا صاحب' بھابی یاسمین' امتنان صاحب اور دوسرے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے...... آمین۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ایڈی! ہم تمہیں مس کرتے ہیں

احمد کمال بی

عدنان کے حوالے سے جب میں اپنی یادوں کے اوراق پلٹتا ہوں تو سب سے پہلا منظر جو آنکھوں کے سامنے آتا ہے وہ گورنمنٹ کالج کی کینٹین کا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں کالج کے زمانے میں ہمارا سب سے زیادہ وقت گزرا۔ کلاسوں میں ہم کم ہی جاتے تھے۔ سارے دوستوں کی حاضری کینٹین پر لگا کرتی تھی۔ کون آیا' کون نہیں آیا اور کون لیٹ آیا۔ آج کیا کھانا ہے اور کس نے کھلانا ہے۔ یہ سب فیصلے وہیں ہوا کرتے تھے۔ کینٹین کے باہر پڑی ہوئی ٹوٹی ادوائن والی چارپائی تک جو پہلے پہنچ جاتا وہ خوش قسمت سمجھا جاتا۔ اس چارپائی پر لیٹ کر جسم قوس کی شکل اختیار کر جاتا مگر اس پوزیشن میں لیٹ کر سگریٹ پینے اور گفتگو کرنے کا جو مزہ تھا اس کیلئے ہمارے درمیان مقابلہ لگا رہتا۔ چارپائی پر قبضہ کر لینے والے کو رشک اور حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے باقی دوست بنچ' کرسی' پوکی جو ملتا اس پر بیٹھ جاتے۔

فیشن کے طور پر ہم سگریٹ پیتے۔ دو تین ولایتی سگریٹ ہر ایک کے پاس ہوتے۔ چائے چلتی' سگریٹ پھونکے جاتے اور لڑکیوں کے رنگین موضوع سے لے کر اکنامکس' ریاضی اور شماریات کے خشک مضامین تک ہر قسم کی گفتگو اور بحث ہوتی۔

Marfat.com

کلاس میں جو بات سمجھ نہ آتی وہ عقدہ کینٹین کی گفتگو میں عدنان کھول دیا کرتا۔ سبھی ذہین تھے اسی لیے کلاسوں میں کم وقت دینے کے باوجود سب نے فرسٹ ڈویژن میں انٹر اور گریجوایشن کی۔

مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ ولایتی سگریٹ مہنگی تھی اور ہم سب کے پاس بڑے محدود پیسے ہوا کرتے تھے۔ ہم دوست جب کینٹین پر بیٹھے سگریٹ سے شغل کر رہے ہوتے تو کوئی اور کلاس فیلو‘ جو ہمارے گروپ میں شامل نہ ہوتا‘ ادھر آ نکلتا اور سگریٹ مانگ لیتا۔ ہم بادل نخواستہ اسے سگریٹ تو دے دیتے لیکن بعد میں سوچتے کہ ہمارا تو اپنا کوٹہ اور بجٹ دو تین سگریٹ کا ہے‘ ایسے میں اگر کوئی اور سگریٹ مانگ لے تو بجٹ خراب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عدنان نے تجویز دی کہ ایک ایمبیسی کی ڈبیا خرید کر جیب میں رکھی جائے۔ پھر یہی ہوا۔ ہم خود تو ولایتی سگریٹ پیتے مگر ایمبیسی کسی نہ کسی دوست کی جیب میں موجود ہوتی۔ جونہی کوئی گھس بیٹھیا ہماری منڈلی میں آتا اور سگریٹ مانگتا تو جھٹ ایمبیسی کی ڈبیا نکال کر اس کے آگے کر دی جاتی۔ یہ سکیم بڑی کامیاب رہی اور آہستہ آہستہ مفت خورے سگریٹ مانگنا چھوڑ گئے۔ تبھی سٹوڈنٹس تھے۔ گھر سے محدود سا خرچ ملتا تھا اور سب کے پاس گنے چنے پیسے ہوتے تھے‘ اس لیے اکثر ادھار بھی چلتا۔ ادھار پر سنوکر کھیلتے‘ ادھار سگریٹ پیتے اور گورنمنٹ کالج کی کینٹین پر تو غیر مستقل کھاتہ کھلا تھا۔

عدنان کے پاس لال رنگ کی پرانی سی کاواساکی موٹر سائیکل ہوتی تھی۔ وہ شروع سے آرٹسٹ مائنڈڈ (Artist Minded) تھا اور جیسا کہ آرٹسٹ اپنے حوالے سے کیئر فری ہوتے ہیں اس نے کبھی موٹر سائیکل کو صاف نہیں کیا تھا۔ موٹر سائیکل کی بری حالت تھی۔ اسی پر میں اور وہ گھوما کرتے تھے۔ مگر شادی کے بعد اس کے پہننے اوڑھنے میں خاصا قرینہ آ گیا تھا۔ یہ حمیرا بھابی کا کرشمہ تھا ورنہ کالج کے دنوں میں تو

Marfat.com

کئی کئی ایک ہی دن جینز میں رہتا تھا۔ کالج سے واپسی پر ہم سب دوست اکٹھے ہی نکلا کرتے۔ میں اکثر عدنان کے ساتھ اس کے موٹر سائیکل پر ماڈل ٹاؤن اپنے گھر آتا۔ واپسی پر ہمارا روٹ یہ ہوتا' ہم گورنمنٹ کالج سے نکلتے' مال سے ہوتے ہوئے ریگل سے مڑ کر مزنگ چونگی پہنچتے اور پھر وہاں سے جیل روڈ پر ہو جاتے۔ پھر مین بلیوارڈ سے ہوتے ہوئے لبرٹی کے سالٹ اینڈ پیپر ریسٹورنٹ پر رکتے۔ کبھی زیادہ پیسے ہوتے تو کھانا بھی کھا لیتے وگرنہ کوک پیتے۔ راستے کے واقعات پر تبصرہ کرتے اور یہاں سے سب الگ ہو جاتے۔ کسی کا گھر گارڈن ٹاؤن تھا تو کسی کا گلبرگ میں۔ اکثر عدنان مجھے ماڈل ٹاؤن کے ایچ بلاک میں چھوڑ کر اپنے گھر جاتا جو ماڈل ٹاؤن ہی کے این بلاک میں واقع ہے۔

یہ جو میرے نام میں بی کا لفظ شامل ہے یہ بھی عدنان کا دیا ہوا ہے۔ بی میرا گھر کا نام ہے۔ صرف گھر کے لوگ اور گورنمنٹ کالج کے چند دوست' جن میں عدنان' بشر' شکیل' گل' فاروق بٹ' فواد ڈوڈھی' فیصل' اکمل حمید' اسد اور بابر شامل ہیں' میرے اس نام سے واقف تھے۔ باقی لوگ مجھے احمد کمال ہی کہا کرتے تھے۔ دوستوں میں سب سے پہلے میری شادی ہوئی۔ یہ فروری 1993ء کی بات ہے۔ مہندی کی رات سب دوست اکٹھے تھے اور بڑا ہلا گلا تھا۔ عدنان اس موقع پر بڑا متحرک رہا۔ رات گئے تک دوست ناچتے گاتے رہے۔ جب رخصت ہونے لگے تو عدنان نے کہا صبح کا خبریں ضرور دیکھنا۔ میں نے کہا "دیکھ کوئی شیطانی نہیں کرنا۔" وہ شرارتی ہنسی ہنستے ہوئے چلا گیا۔ اگلے دن خبریں میں میری مہندی کی تصویر چھپی جس کے کیپشن میں میرا نام احمد کمال بی لکھا تھا۔ اس دن کے بعد ہر کوئی مجھے بی ہی کہنے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ عالم ہو گیا کہ میں کسی کو فون کر کے کہتا کہ احمد کمال بول رہا ہوں تو لوگ پہچانتے نہیں تھے۔ مجھے پھر بی کہہ کر تعارف کروانا پڑتا۔ چنانچہ میں نے بی کو اپنے نام کا مستقل حصہ بنا لیا۔ میرا یہ نام

Marfat.com

بھی عدنان کی یادگار ہے۔

عدنان دیوانگی کی حد تک کرکٹ سے شوق رکھتا تھا۔ اس نے دوستوں کی ایک ٹیم بھی بنا رکھی تھی۔ ٹیم کا نام بی الیون تھا۔ ہر چھٹی کے دن ہمارا کسی نہ کسی کے ساتھ میچ ہوتا۔ عدنان ہماری طرف سے اوپنر جایا کرتا تھا۔ وہ ہمارا وکٹ کیپر بھی تھا۔ جب کبھی بال اس سے چھوٹ جاتی تو ساری ٹیم کی گالیاں کھاتا اور مسکراتا رہتا۔ بعد میں خبریں شروع ہوا تو اس نے اپنے ادارے کی ٹیم بنالی اور بی الیون سے میچ کھیلنے لگا۔ اپنی مصروفیت کے باوجود سال میں ایک دو میچ ضرور رکھتا۔ ایک دفعہ عدنان نے مجھے چیلنج کیا کہ میں اتنے سکور کروں گا۔ میں نے بھی بڑھک ماردی کہ تمہیں زیرو پر آؤٹ کروں گا۔ میچ سے ایک دن پہلے مجھے اپنے گھر لے گیا اور اپنے بیٹ دکھاتا رہا۔ تیاریوں کا حال سناتا رہا۔ میں نے کہا تم جو بھی کرلو میں سپن باؤلر ہوں' تمہیں زیرو پر ہی آؤٹ کروں گا۔ اس سے ایسی نوک جھوک چلتی رہتی۔ میں باؤلر تھا وہ بیٹسمین۔ کئی دفعہ اس نے میری دوڑیں لگوائیں اور کئی مرتبہ میں نے اسے زیرو پر آؤٹ کیا۔ جس میچ کا میں تذکرہ کر رہا ہوں اس میں ہم دونوں ہی ہار گئے کیونکہ نہ تو میں اسے صفر پر آؤٹ کر سکا اور نہ ہی وہ اپنے چیلنج کردہ سکور تک پہنچ سکا۔

گزشتہ سال خبریں کی ٹیم میں امتنان بھی شامل تھا۔ وہ عدنان کے برعکس غصے کا تیز ہے۔ میری ٹیم میں بھی میرے دو ایک کزن ایسے ہی تھے۔ کسی بات پر لڑائی ہو گئی۔ عدنان نے اور میں نے معاملہ رفع دفع کروایا۔ پھر ہم دونوں ایک طرف کھڑے ہو کر اس بچگانہ لڑائی پر ہنستے رہے۔ عدنان بڑے متحمل مزاج کا مالک تھا۔ کہنے لگا یار یہ آج کل کے بچے کتنے جذباتی ہیں۔ اس میچ کو انہوں نے پاکستان بھارت کا میچ بنالیا ہے۔ ہر سال جونہی گرمیاں رخصت ہوتیں اور موسم اچھا ہوتا تو عدنان کے فون آنے شروع ہو جاتے کہ یار میچ رکھو۔ میں اس سے ٹیم اکٹھی کرنے کا وقت مانگتا۔ وہ اس مہلت کے

Marfat.com

دوران بھی بار بار فون کرتا' ایس ایم ایس کرتا۔ مجھے اس کے اصرار پر جلدی جلدی ٹیم تیار کرنا پڑتی اور پھر میچ ہوتا' کھانا کھایا جاتا' شرارتیں ہوتیں' ہلکی پھلکی لڑائیاں ہوتیں۔ ایسا لطف آتا کہ سال بھر اس کا سرور رہتا۔ وہ صحیح معنوں میں سپورٹس مین تھا۔

جب تک ہماری شادیاں نہیں ہوئیں اور عملی زندگی میں مصروف نہیں ہوئے ہم روز شام کو بھی ملا کرتے تھے۔ کسی نہ کسی دوست کی طرف اکٹھے ہو جاتے۔ زیادہ تر بشر عبدالرحمٰن کے گھر ملتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بشر کی فیملی اوپر کی منزل میں رہتی تھی اور نچلا پورشن خالی ہوتا چنانچہ وہاں آزادی سے محفل جمائی جا سکتی تھی۔ عدنان کے گھر ہم بہت کم اکٹھے ہوتے۔ ہمیں ضیا صاحب سے ڈر لگتا تھا۔ حالانکہ انہوں نے ہمیں کبھی کچھ نہیں کہا تھا' یوں بھی وہ گھر میں کم ہی ہوتے تھے مگر ان کے چہرے پر ہمہ وقت کچھ ایسی سنجیدگی اور غصہ سا رہتا تھا کہ ہم ان سے دور دور ہی رہتے۔ عدنان کئی دفعہ اصرار کرتا کہ میرے ہاں چلو' مگر ہم کہتے یار تیرے گھر زیادہ دیر نہیں بیٹھا جا سکتا۔ ضیا صاحب آ جائیں گے۔ اگر کبھی انہوں نے ڈانٹ دیا تو کبھی ادھر کا رخ نہ کر سکیں گے' اس لیے احتیاط ہی بہتر ہے۔ دوسری طرف آنٹی یاسمین سے ہماری بڑی بنتی تھی۔ وہ بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتیں۔ عدنان کے سب دوستوں کیلئے ان کے پاس ماں کا سا پیار تھا۔ جب ہم عدنان کی طرف ہوتے تو بڑا خیال رکھتیں اور اکثر کہتیں تم لوگ ادھر ہی آ کر اپنی محفل کیا کرو۔

شادیوں کے بعد سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دوست باہر چلے گئے۔ پھر بھی ہم کوشش کرتے کہ مہینے میں ایک بار ضرور مل کر بیٹھا جائے' اور جب کبھی باہر والے دوست پاکستان آئے ہوتے تو پھر ہر ہفتے یہ اکٹھ ہوتا۔ میرے ساتھ اس کے گھریلو تعلقات اس لیے بھی زیادہ تھے کہ میری بیوی اور حمیرا بھابی لاہور کالج برائے خواتین میں کلاس فیلو رہی ہیں۔ مگر اس کی مصروفیت کی بنا پر آنا جانا کم ہی ہوتا۔ حمیرا

Marfat.com

بھابی گلہ ہی کرتی رہتیں کہ آپ لوگ آتے نہیں ہو۔ میرے گھر جب کبھی بیوی بچوں کے بغیر آتا تو بڑا خوش ہوتا کہ آج میں آزاد اور اکیلا آیا ہوں۔ دوستوں میں نوک جھوک اور چھوٹی موٹی لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ہمارے مابین بھی ہوتیں مگر دس منٹ بعد پھر پہلے کی طرح شیر و شکر ہوتے۔ دوستوں کی محفل میں وہ بحث اور دلیل سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا۔ پھر جب وہ حاوی ہونے لگتا تو سب مل کر اس پر حملہ کر دیتے۔ دلیل کا جواب دلیل سے نہ دیا جا سکے تو پھر یہی راستہ رہ جاتا ہے۔

جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا شادی کے بعد وہ خاصا باذوق ہو گیا تھا۔ اچھا پہننا' اچھا کھانا۔ شادی نے اس کی زندگی میں کئی تبدیلیاں متعارف کروائی تھیں جبکہ ظاہری شکل و صورت میں جیسا وہ کریسنٹ سکول کی دسویں کلاس میں تھا ویسا ہی رہا۔ شادی کے چار سال بعد تھوڑا سا فربہ ہو گیا تھا' اور شاید مطالعہ کی کثرت کی بنا پر سر کسی قدر بڑا ہو گیا تھا۔ اس نے خبریں کے دفتر کی سب سے اوپر والی منزل پر بڑے شوق سے گھر بنوایا تھا۔ ابھی وہ چند ماہ پہلے ہی شفٹ ہوا تھا کہ اسے خدا کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ اگر اللہ اسے زندگی دیتا تو شاید ہر تیسرے دن ہم دوپہر کا کھانا وہیں کھایا کرتے۔ اسے دوستوں کو اکٹھا کرنے کا بے حد شوق تھا۔ وہ کہتا الگ الگ نہ ملو جب بھی ملو سب اکٹھے ہو کر بیٹھو۔ مصروفیت کی اس زندگی میں وہ گزرے وقت کو واپس لانے کی کوشش کرتا رہتا۔ روزمرہ کی بھاگ دوڑ سے نکل کر پرانے دوستوں کی رفاقت سے بے فکری کا ماضی کشید کرنے کی سعی کرتا۔ ان مجالس کا متلاشی رہتا جہاں کوئی کسی کمپنی کا ایگزیکٹو' وکیل' ایڈیٹر' چیف ایگزیکٹو' ڈاکٹر نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ فرسٹ ایئر کے زمانے کے ایڈی' بی' ڈوڈھی ہوتے تھے۔ اس نے کہا تھا خبریں کی اوپری منزل پر گھر مکمل ہو جائے پھر وہیں منڈلی جمایا کریں گے۔

اس قسم کی آخری میٹنگ 22 اور 23 دسمبر 2006ء کی درمیانی شب بشر عبدالرحمن کے گھر ہوئی تھی۔ نو بجے کا وقت طے تھا۔ سب دوست پہنچ گئے تھے۔

Marfat.com

عدنان گیارہ بجے کے قریب پہنچا۔ سب نے مل کر اس کی کلاس لی۔ وہ تند و تیز جملے سنتا رہا اور دھیما دھیما مسکراتا رہا۔ اطمینان سے بیٹھا سب کی جلی کٹی سنتا رہا۔ نہ کوئی وضاحت' نہ بحث۔ کچھ بجھا بجھا سا تھا' بڑا خاموش سا۔ اس قسم کی محفلوں میں اس کے اندر جو ایک کرنٹ ہوتا تھا وہ مفقود تھا۔ ایسا لگا جیسے کچھ اپ سیٹ ہے۔ پوچھنے پر بھی کچھ نہ بتایا' اور یہی کہتا رہا سب ٹھیک ہے۔ آج وہ بحث بھی نہیں کر رہا تھا۔ اب یہ سانحہ گزر چکا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ تمام دوستوں کے ساتھ میری آخری گیٹ ٹو گیدر ہے۔ اس کے لاشعور میں کہیں یہ حقیقت بیٹھ گئی تھی کہ دوستوں کا اکٹھ جسے وہ اصرار کر کے رکھوایا کرتا تھا' شاید آئندہ بھی ہو لیکن اس کا یہ آخری پھیرا ہے۔ میرا خیال ہے کچھ ایسا ہی تھا۔ یہ جو تحت الشعور ہے' یہ بڑی دور کی کوڑیاں پا لیتا ہے۔ مگر کاش ہمیں بھی کچھ اس قسم کا احساس ہوتا تو ہم بھی جی بھر کر اسے دیکھ لیتے۔ اس کی مسکراہٹ کو تصویر کر لیتے' مگر ان خبروں تک تو انسانی فہم و شعور کی رسائی ممکن نہیں۔ یہ خبریں تو بس اس نے لوح محفوظ پر کہیں سات پردوں میں چھپا کر رکھ چھوڑی ہیں۔ الوداع اڈی! ہم تمہیں ہمیشہ مس کریں گے۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ایک کشادہ ظرف دوست کی یاد میں

خرم جاوید

اتنے بڑے دل والے انسان کو اس کا دل اس طرح دھوکہ دے جائے گا' نہ کسی کو یقین آیا نہ آئے گا۔ جس طرح وہ گیا' ہر کسی کی نظر سے دور اور اکیلا' ایک لایقینی کی کیفیت ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گی کہ وہ ابھی کہیں سے آجائے گا' ہنستا ہوا مسکراتا ہوا۔

عدنان (ایڈی) کو دوستوں کا شوق نہیں جنون تھا۔ وہ ہمیشہ لوگوں میں گھرا ہوا ہوتا تھا۔ جاننے والوں کی سرگرمیوں کا محور تھا اور نہ جاننے والوں کیلیے رشک' کہ ایک انسان میں اتنا پیار اور Care کیسے آسکتی ہے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے' وہ ایسا دوست تھا جو بھائی کے درجے سے بڑھ کر تھا۔ جب آپ زندگی کی منزلیں طے کرتے ہیں تو روز کی دوڑ میں ان دوستوں سے الگ ہوتے جاتے ہیں جو جوانی کا سفر آپ کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔ ایسے میں کوئی کوئی دور تک ساتھ رہتا ہے' اور یہ تعلق دوستی سے بڑھ کر ایک طرح سے خاندانی رشتے میں بدل جاتا ہے۔ عدنان میرا ایسا ہی دوست یا بھائی تھا۔ ہم نے ایک سکول سے میٹرک کیا۔ جب انجینئرنگ کرنے کے بعد میں نے کیریئر بدلنے کا سوچا تو خیال آیا کہ ایم بی اے کرنا چاہیے۔

Marfat.com

کالج کا پہلا دن تھا' اور میں کلاس میں الگ الگ محسوس کر رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنی کلاس میں عمر میں بڑا اور شادی شدہ تھا۔ اور ایک دو سال کی بچی کا باپ بھی تھا۔ اتنے میں پیچھے سے ایک آواز آئی کہ "معاف کیجئے گا آپ کو کہیں دیکھا ہے۔" مڑ کے دیکھا تو ایک میری عمر کا ہنستا مسکراتا چہرہ نظر آیا' جو جانا پہچانا بھی تھا۔ تعارف ہوا' اور ہمیں معلوم ہوا کہ 10 سال پہلے ہم ایک ہی سکول میں تھے۔ جیسے ہی عدنان کو معلوم ہوا کہ میری ڈیڑھ سال کی بیٹی بھی ہے اس نے فوراً مجھے "بابا" قرار دے دیا۔ چونکہ وہ عمر میں مجھ سے 3 ماہ بڑا تھا اس لیے خود "تاؤ" کے عہدے پر فائز ہو گیا۔ اور یہ نام پچھلے 12 سال سے ہم دونوں سے منسوب ہیں۔ ہمارے اکٹھے ملنے جلنے والے ہمیں انہی ناموں سے بلاتے تھے۔ اور میں یہ سوچ کے روتا ہوں کہ میرے بچے اب تاؤ کسے کہیں گے۔ اپنے بابے کو اکیلا چھوڑ کر تاؤ ہنستے مسکراتے ایسی جگہ چلا گیا ہے جہاں میرا جانا جیتے جی ممکن نہیں ہے۔

والد صاحب کے انتقال کے وقت میری عمر 23 سال تھی' اور گھر میں بڑا ہونے کی وجہ سے ان کے کرنے کے کام میرے ذمے آ گئے تھے۔ ایسے میں اگر کوئی میرا بڑا بھائی تھا جو ہر مصیبت میں میرے کام آیا تو وہ صرف عدنان تھا۔ یہاں تک کہ میرے اور میری بیوی کے جھگڑے تک وہ نمٹایا کرتا تھا۔ میری بڑی بیٹی میرے بجائے عدنان سے فرمائشیں کرتی تھی۔ اور مجھے یاد نہیں کہ اس کی کوئی بات عدنان نے رد کی ہو یا اس کی کوئی فرمائش کبھی بھول گیا ہو۔

میرے ساتھ تو اس کے گھریلو تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ وہ دوست جو صرف اس کو جانتے تھے ان کیلئے وہ ہر ممکن حد تک جا کر ان کے کام کرتا تھا۔ عدنان کالج میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دفتر میں بھی کام کرتا تھا' اور ظاہر ہے اس کی تنخواہ بھی پاتا تھا۔ اس وقت جب ہم سب طالبعلم تھے اور مالی اعتبار سے مستحکم نہیں تھے' عدنان ہم

Marfat.com

میں ایک رئیس کی طرح تھا۔ اور یہ رئیست صرف اس وجہ سے نہیں تھی کہ اسے تنخواہ ملتی تھی بلکہ وہ دل کا بھی رئیس تھا۔ دفتر کی تنخواہ کبھی ایک ہفتے سے زیادہ نہیں چلتی تھی کیونکہ دوستوں کی پارٹیاں' ان کی گرل فرینڈز کے تحفے' ان کے سگریٹ پانی کے خرچ اکثر عدنان کی جیب سے جاتے تھے اور بارہا وہ قرض لے کر بھی یہ سب کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔

اپنی دوسری بیٹی کے انتقال کے بعد جب میں اور میری بیوی ایک عجیب کیفیت میں تھے ایک دن عدنان اور حمیرا آئے' اور زبردستی میرا' میری بیوی اور بیٹی کا پاسپورٹ لے گئے۔ ایک ہفتے کے بعد وہ زبردستی ہمیں اپنے پورے خاندان کے ساتھ دبئی لے گیا۔ واپسی پر جب میں نے خرچ کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا کیا میں اپنی بہن اور بھتیجی سے پیسے لوں گا۔ میری بیوی شاید اپنی ماں سے زیادہ عدنان اور حمیرا کی بات مانتی تھی۔

تقریباً ہر ماہ دوستوں کی محفل جمتی تھی' جس میں تاش کھیلی جاتی تھی اور گٹار پر گانے گائے جاتے۔ ساری ساری رات لطیفے ہوتے اور عدنان کے چہرے پر ایسی چمک ہوتی جیسے وہ بہت ساری خوشیاں بہت جلد سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ اسے کس بات کی جلدی تھی۔ وہ شاید 4 سال میں 40 سال جینا چاہتا تھا۔

ہماری آخری بات اس کی چھوٹی بیٹی کی سالگرہ کے دن ہوئی۔ میری بیوی اور بیٹیاں عدنان کے گھر تھیں اور میں دفتر میں پھنسا ہوا تھا۔ مجھے اسی ہفتے دفتر کے کام سے ملک سے باہر جانا تھا' اسی کی تیاری میں مصروف تھا۔ عدنان کا فون آیا کہ وہ مجھے لینے آ رہا ہے۔ کام کی زیادتی کی وجہ سے میں نے معذرت کی تو وہ ناراض ہو گیا مگر ہمیشہ کی طرح اسے منانے میں 2 منٹ بھی نہیں لگے۔ اور ہم نے طے کیا کہ میرے واپس آتے ہی ہم سارے دوست اکٹھے ہوں گے اور ساری رات ہلا گلا کریں گے۔ مجھے کیا معلوم تھا

Marfat.com

کہ اس کو انتظار میں مبتلا رکھنے کا خمیازہ مجھے ساری زندگی بھگتنا ہو گا۔

عدنان تو چلا گیا ہے مگر وہ اکیلا نہیں گیا۔ وہ جاتے جاتے ہم سب کے وجود کا کچھ حصہ اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اوروں کے بارے میں میں نہیں جانتا مگر میں اپنے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جیسے میں 12 سال بعد بھی اپنے "بابا" کو یاد کرتا ہوں اسی طرح شاید مرتے دم تک اپنے بچوں کے "تاؤ" کو بھی یاد کرتا رہوں گا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ایک دوست......ایک ہم راز

بشر عبدالرحمان

ایڈی (عدنان) کے ساتھ میرا تعلق اس قدر زیادہ اور قربت کا ہے کہ میں یہ سطریں لکھتے وقت عجیب مخمصے کا شکار ہوں کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ کسی سے آپ کی دو چار ملاقاتیں ہوں اور سطحی یا عمومی نوعیت کا تعلق ہو تو آپ چیدہ چیدہ باتیں اور واقعات کی یاد تازہ کر سکتے ہیں لیکن ایڈی کا معاملہ دوسرا ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں ہمارا دوستوں کا جو گروپ تشکیل پایا، اس کے حوالے سے میں اپنے آپ کو یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب پاتا ہوں کہ ایڈی کے ساتھ سب سے زیادہ دوستی میری تھی۔ اتنا وقت ساتھ گزرا ہے، اتنی یادیں ہیں، اتنی شاموں، دوپہروں اور صبحوں کا تعلق ہے۔ کس کس کا ذکر کیا جائے اور کس سے صرفِ نظر کیا جائے۔ اور پھر کوئی ایسا جو دل کے بہت ہی خاص خانوں میں بستا ہو' وہ چلا جائے تو اس کے بارے لکھنا اور کچھ کہنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔

میں نویں جماعت میں کریسنٹ ہائی سکول شادمان میں داخل ہوا۔ عدنان پہلے سے وہاں زیر تعلیم تھا۔ ہم نے میٹرک ایک ساتھ کیا لیکن سکول کے دنوں میں ہماری کچھ زیادہ دوستی نہ تھی۔ میری والدہ بشریٰ رحمان کا تعلق لکھنے پڑھنے سے تھا۔ ایڈی کے والد

Marfat.com

ضیا شاہد بھی اسی پیشہ سے منسلک تھے' یوں والدین ایک دوسرے کو جانتے تھے اور خاندانوں کا میل ملاپ بھی تھا۔ ایڈی کی اور میری دوستی سکول کے دنوں میں کسی قدر تکلف اور حجاب کی حامل تھی۔ لیکن میٹرک کے بعد جب 1985ء میں ہم گورنمنٹ کالج میں آئے تو وہاں دوستوں کا جو حلقہ بنا' ایڈی اس کا روح رواں تھا۔ کالج کے کیفے ٹیریا پر جمنے والی محفلیں زندگی کا خوبصورت ترین دور ہے۔ اس گروپ میں فواد ڈوڈھی تھا' احمد کمال بی تھا خرم ضیا اور شکیل تھے اور بھی چھ سات لوگ تھے۔ کالج کے اوقات کے دوران کیفے ٹیریا پر ہمارا زیادہ وقت گزرتا۔ چائے چلتی، کچھ دوست سگریٹ سے لطف اٹھاتے اور دنیا جہاں کے موضوعات پر باتیں ہوتیں۔ لطیفے، جگتیں، ہنسی مذاق، لڑائی سبھی کچھ ہوتا۔ پھر گھروں کیلئے بھی سبھی اکٹھے روانہ ہوتے۔ راستے میں جس جس کا گھر آتا وہ جدا ہوتا چلا جاتا مگر یہ جدائی شام تک کیلئے ہوتی۔ شام کو پھر سے کبھی میرے اور کبھی شکیل کے گھر گارڈن ٹاؤن میں اکٹھے ہوتے۔ اکثر نہر کے ساتھ ساتھ جو سبزے کا قطعہ چلتا ہے' اس میں فٹ بال کھیلا کرتے۔ اور جب میرے گھر اکٹھے ہوتے تو وہاں بیڈ منٹن کھیلی جاتی۔ بعد میں جب دوست بکھرتے گئے، کوئی ملک سے باہر چلا گیا اور کوئی دوسرے شہر نوکری کرنے لگا تو بھی عدنان اور میں شام کو میرے گھر بیڈ منٹن کھیلا کرتے تھے۔

کالج میں آکر عدنان کے قریب آنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے مضامین ایک سے تھے' لیکن جو بات زیادہ اہم تھی وہ ہمارے مزاج کا یکساں ہونا تھا۔ ہماری پسند ناپسند ایک تھی' حس لطیفہ ایک سی تھی۔ جن باتوں سے وہ آزردہ ہوتا وہی مجھے بری لگتی تھیں اور جو چیزیں اس پسند خاطر تھیں وہی مجھے مرغوب تھیں۔ اسی لیے 2000ء تک' جب تک کہ میں کینیڈا نہیں آگیا' کوئی شام ایسی نہ تھی جو میری اور عدنان کی ایک ساتھ نہ گزرتی۔ وہ ''خبریں'' کی ذمہ داریوں میں بے انتہا مصروف تھا مگر پھر بھی شام کو کچھ نہ کچھ وقت نکال کر میرے گھر آجاتا' جہاں ہم بیڈ منٹن کھیلا کرتے۔ میرے دونوں

Marfat.com

بھائیوں کے ساتھ بھی اس کی دوستی تھی اور کبھی ایسا ہوتا کہ میں گھر سے باہر ہوتا تو وہ ان کے ساتھ گپ شپ کرتا اور بیڈ منٹن کھیلتا۔

اسے میوزک اور کرکٹ سے بے حد دلچسپی تھی۔ گٹار ہر وقت اس کی گاڑی کی ڈگی میں موجود ہوتا۔ اکثر جب ہم بیڈ منٹن کھیل کر تھک جاتے تو وہ گاڑی سے گٹار نکال لاتا اور پھر کچھ دیر گانے کا دور چلتا۔ وہ گٹار بہت اچھا بجاتا تھا' اور قابل ذکر امر یہ ہے کہ اس نے گٹار بجانا کہیں سے نہیں سیکھا تھا۔ وہ کتابی کیڑا تھا' گٹار بجانے کا فن بھی اس نے کتابوں سے ہی حاصل کیا۔ گٹار پر جو بھی کتاب میسر آتی وہ پڑھتا رہتا اور پھر ان کے مطابق نئی نئی دھنیں نکالنے کی کوشش کرتا۔ اسی طرح وہ گٹار بجانے میں خاصا طاق ہو گیا تھا۔ موسیقی اس کی اور میری مشترکہ دلچسپی تھی تاہم کرکٹ میں نہیں کھیلتا تھا۔ البتہ دیکھنے کا شوقین ضرور تھا چنانچہ جب بھی اس کا میچ ہوتا' میں وہاں پر ضرور موجود ہوتا۔ وہ آف سپن باؤلنگ کرتا اور اپنی ٹیم کی طرف سے اوپنر جایا کرتا۔ گویا کرکٹ میں وہ آل راؤنڈر تھا۔

صحافت نے اسے بے حد میچور اور پختہ کار کر دیا تھا۔ اس کے اٹھنے بیٹھنے میں، بات چیت میں اور طور طریق میں ایک پختہ قسم کا رکھ رکھاؤ آ گیا تھا۔ مطالعہ کا ذوق بھی تبدیل ہو گیا تھا۔ اپنے پیشہ کے حوالے سے وہ عالمی اور ملکی حالات سے باخبر رہنے کیلئے کرنٹ افیئرز پر ہر طرح کے دستیاب مواد سے مستفید ہوتا جبکہ فارغ اوقات میں وہ تصوف اور دین کا مطالعہ کرنے لگا تھا۔ بڑی پر مغز گفتگو کرنے لگا تھا' جو بعض اوقات ہمارے سر پر سے گزر جاتی۔ بطور صحافی اگر میں اس کی شخصیت کا جائزہ لوں تو جو بات سب سے نمایاں نظر آتی ہے وہ اس کا پروگریسو اور کری ایٹو (Creative) ہونا تھا۔ اس کی اپروچ ہمیشہ تازہ اور اچھوتی ہوتی۔ وہ صحافت کے لگے بندھے اور رٹے پٹائے اصولوں پر چلنے کے بجائے اپنا راستہ خود متعین کرتا تھا۔ وہ روایت پسند نہیں تھا۔ یہی بات اس کے کالم کے اسلوب میں

Marfat.com

بھی نظر آتی ہے۔

کئی دفعہ اس نے اپنے کالم مجھے چھپنے سے پہلے ای میل کیے' اور بعض اوقات کالم چھپ جاتا تو فون کر کے کہتا کہ نیٹ پر فلاں تاریخ کا "خبریں" نکالو اور اس میں میرا کالم پڑھو۔ وہ تنقید کو زیادہ پسند کرتا اور کبھی برا نہیں مانتا تھا۔ میں نے اس کے لکھے پر تنقید کم کم ہی کی کیونکہ' جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے' ہماری سوچ اور مزاج ایک سے تھے۔ جو میں سوچ رہا ہوتا وہ وہی کچھ لکھتا تھا۔

دوستوں کیلئے بے حد Caring تھا۔ 2005ء میں میرا نکاح ہوا اور پھر ایک برس بعد شادی ہوئی۔ دونوں تقریبات میں وہ پیش پیش تھا۔ شادی سے پہلے کے کاموں میں وہ گھر کے ایک فرد کی طرح مصروف تھا اور پھر شادی کے موقع پر تو اس کی تیاریاں دیدنی تھیں۔ اس نے سب دوستوں کیلئے ایک ہی رنگ کے کپڑے بنوائے۔ گانوں کا انتخاب کیا اور پھر ان گانوں پر دوستوں کے رقص تیار کروائے۔ مہندی، بارات اور ولیمے پر وہ یکساں متحرک رہا۔ میرے نکاح اور شادی کی تقریبات کی وڈیو فلموں میں عدنان ہی عدنان نظر آتا ہے مگر جب سے اس کے جانے کی خبر ملی ہے' میں ان وڈیوز کو دیکھنے کا حوصلہ پیدا نہیں کر سکا۔

گزشتہ برس اکتوبر میں دو ماہ کیلئے میں پاکستان سے باہر گیا تھا۔ میں نے اسے اپنی آمد کی اطلاع دی کہ فلاں تاریخ کو آ رہا ہوں۔ اس نے دو دن پہلے ہی میرے گھر جا کر بیڈمنٹن کا نیٹ لگوا دیا اور کھیل کا دوسرا ساز و سامان بھی تیار کر رکھا۔ یہ دو ماہ ہم روزانہ ہی ملتے رہے۔ شام کو بیڈمنٹن ہوتا اور گٹار ہوتا۔ وہ اپنے انگریزی اخبار دی پوسٹ کی وجہ سے بے انتہا مصروف ہو چکا تھا لیکن روزانہ ہی آتا رہا۔

یکم جنوری کی صبح صبح مجھے کینیڈا کیلئے واپس روانہ ہونا تھا۔ سال کی آخری شام ہماری آخری ملاقات ہوئی۔ یہ ملاقات بڑی مختصر تھی۔ شام کو وہ میرے گھر آیا۔ تھوڑی دیر

Marfat.com

ٹھہرا اور پھر مجھے دعوت دی کہ رات کو بیوی کے ساتھ آنا' کھانا اکٹھے کھائیں گے اور نئے سال کو ایک ساتھ خوش آمدید کہیں گے۔ اس وقت وہ خبریں دفتر کی سب سے اوپر والی منزل میں رہائش اختیار کر چکا تھا۔ میں نے کہا کہ صبح صبح فلائٹ ہے اور مجھے پیکنگ وغیرہ بھی کرنا ہے' دیر سے آسکوں گا۔ اس نے کہا کوئی فکر نہیں، گھر پر ہی تو بیٹھنا ہے' جس وقت مرضی آجانا۔ وہ کوئی پندرہ بیس منٹ بیٹھ کر چلا گیا۔ اس روز ہم نے بیڈ منٹن بھی نہیں کھیلا۔ وہ کچھ کچھ اداس تھا۔ شاید میرے جانے کی وجہ سے یا شاید دو مہینے تک مسلسل جاری رہنے والی شام کی ایکٹویٹی ختم ہونے کی بنا پر۔ میں پیکنگ میں بے حد مصروف رہا۔ اس کی طرف جا نہ سکا اور فون پر معذرت کر لی۔ وہ ناراض نہیں ہوا۔ کہنے لگا چلو ٹھیک ہے' تم اپنا کام کرو۔

کسے علم تھا کہ جس نئے سال کو خوش آمدید کہنے کیلئے وہ مجھے دعوت دینے آیا تھا' اس کے صرف ایک ماہ اور دس دن دیکھ پائے گا۔ اور وہ جو میرے معذرت کے فون پر اس نے کہا تھا کہ اچھا تو خیر خیریت سے پہنچو' پھر ملیں گے۔ کون جانتا تھا کہ یہ "پھر" روز حشر تک طویل ہو جائے گا۔ یہ جو دو ماہ ہم نے بیڈ منٹن کھیلی ہے' اب یہ کورٹ کبھی نہ جم پائے گا۔ اور اس کی گاڑی کی ڈگی میں پڑے گٹار کے تار بھی ہمیشہ کیلئے خاموش ہو جائیں گے۔ کون جانتا تھا؟

پہلے کوئی جان پایا ہے جواب جانے گا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

ایڈی' میرا دوست

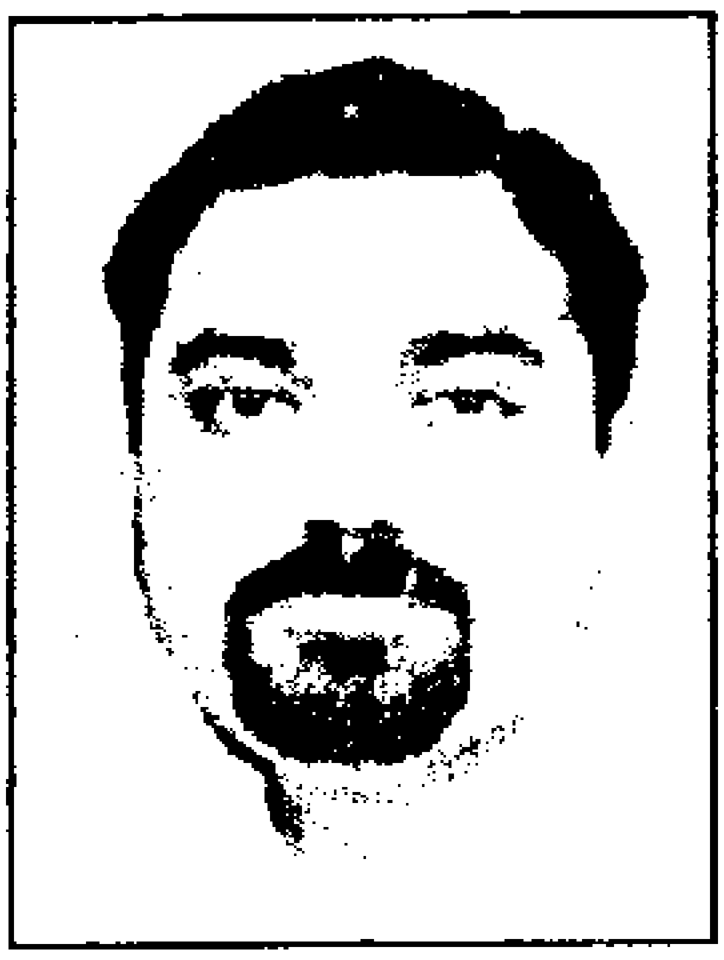

فواد ڈوڈھی

1985ء میں جب میٹرک کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا تو عدنان میرا کلاس فیلو بنا۔ اس دبلے پتلے اور گورے چٹے لڑکے نے مجھے پہلی نظر میں ہی متاثر کیا۔ یوں تو فرسٹ ایئر میں ہم سب ہی نوعمر تھے مگر عدنان کے چہرے پر بچوں کی سی معصومیت تھی۔ اس کے چہرے پر سجی عینک اس کی ذہانت کا پتا دیتی تھی۔ اس کے حصے میں جو 37 برس کی تھوڑی سی عمر آئی' اس کے آخری دن تک یہ معصومیت اس کے تاثر کا حصہ رہی۔ وہ آخری وقت تک بے بی فیس (Baby Face) تھا۔ ہم سب دوست اسے ایڈی کہتے تھے۔ دیگر مضامین کے علاوہ ہم فرنچ بھی پڑھتے تھے۔ پروفیسر جاوید نذیر صاحب ہمیں فرنچ پڑھایا کرتے تھے' انہوں نے بعد میں کچھ عرصہ Vista میں بھی کام کیا۔

گورنمنٹ کالج میں جلد ہی دوستوں کا ایک حلقہ بن گیا جو ابھی تک قائم ہے۔ اس گروپ میں میرے علاوہ خرم ضیا' بشر عبدالرحمان' شیخ اسد علی' احمد کمال بی' صدیق بوسن' گل احمد' مرتضیٰ' شکیل الرحمان' چودھری فیصل اور ایڈی شامل تھے۔ عملی زندگی میں آنے کے بعد سب بے حد مصروف ہو گئے تھے پھر بھی ہم مہینے میں ایک آدھ دفعہ

Marfat.com

مل کر بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن ایڈی کے جانے کے بعد ابھی تک کوئی گیٹ ٹو گیدر نہیں ہو سکا۔

کالج میں کلاس فیلوز تو بہت سارے ہوتے ہیں مگر دوست کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ ایڈی میرا دوست تھا۔ اوپر جن دوستوں کا ذکر ہوا ان کی منڈلی کالج کی کینٹین پر روزانہ جما کرتی تھی۔ ایڈی بڑا ہنس مکھ اور حاضر جواب تھا۔ لطیفے سنانا' بات سے بات نکالنا اور دوسرے کی بات پکڑ کر اس کی خبر لینا ایڈی پر ختم تھا۔ بعض اوقات تو ہم پہلے سے طے کر کے اس کیخلاف متحد ہو جاتے اور مل کر اس کا ''توا'' لگانے کی کوشش کرتے مگر وہ کبھی قابو نہ آیا تھا۔ باتوں میں' گفتگو میں' جملے بازی میں اور بحث میں اس سے جیتنا ناممکن تھا۔

جہاں تک مشاغل کا تعلق ہے تو ایڈی کو دو ہی شوق تھے' میوزک سننا اور کرکٹ کھیلنا۔ میوزک کی حد تک میرا اور اس کا یہ شوق مشترک تھا تاہم کرکٹ میں میری کوئی دلچسپی نہیں۔ ایڈی کرکٹ کا دیوانہ تھا۔ چنانچہ یہ ہوتا کہ جب ایڈی اور دوسرے دوست کرکٹ کھیلتے تو مجھے سکور لکھنے کا کام سونپ دیا جاتا۔ میں کاپی لے کر گراؤنڈ سے باہر بیٹھ جاتا اور سکور لکھتا رہتا۔ یہ بھی ایڈی کی تجویز تھی' وہ کسی نہ کسی طرح مجھے بھی اس کام میں شامل رکھنا چاہتا۔ تمام دوستوں کو ساتھ لے کر چلنا اور ہر کام میں شامل رکھنا اس کے مزاج کا حصہ تھا۔ ہمارے دوستوں کے گروپ میں پڑھاکو کوئی نہیں تھا البتہ ذہین سبھی تھے۔ جیسا کہ کالج کے زمانے میں لڑکے لاابالی اور Care Free ہوتے ہیں' ہم بھی ایسے ہی تھے مگر ایڈی کبھی کبھی بڑی دانش کی باتیں کیا کرتا تھا۔

پھر جب ''خبریں'' اخبار کا آغاز ہوا تو ایڈی بھی وہاں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کا دفتر ہم سب دوستوں کا اڈا سا بن گیا تھا۔ ہم وہاں جاتے سموسے' چائے اور سنیکس اڑاتے گپ شپ کرتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایڈی اپنا کام بھی کرتا رہتا۔ اپنے کام کے حوالے

Marfat.com

سے وہ بڑا پروفیشنل تھا۔ دوستوں کا بھی پورا خیال رکھتا اور کام بھی پوری دیانتداری سے کرتا۔ یہ اس کی شخصیت کا انفرادی پہلو تھا کہ وہ اپنے کام اور دوستوں کے ساتھ بیک وقت پورا پورا انصاف کرتا تھا۔ جب بھی میں اس کے دفتر گیا کوئی نہ کوئی دوست پہلے سے وہاں موجود ہوتا تھا۔ یہ "خبریں" کے پنج محل والے دفتر کی بات ہے۔ عدنان کے دفتر میں اکٹھا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ باقی دوست ملازمت کرتے تھے اس لیے ان کے دفتروں میں منڈلی نہیں جمائی جا سکتی تھی جبکہ ایڈی کا اپنا دفتر تھا۔ ہماری موجودگی میں دفتر کے لوگ آتے رہتے اور وہ کام بھی کرتا رہتا تھا۔

جس جس کے ساتھ بھی اس کا تعلق تھا' ان کیلئے وہ بہت Caring تھا۔ سب کا بڑا خیال رکھتا۔ اساتذہ کی بے پناہ عزت و احترام کرتا تھا۔ "خبریں" شروع ہوا تو اس نے اپنے دوست خرم ضیا کو وہاں نوکری دی۔ گورنمنٹ کالج کے ہمارے فرنچ کے استاد جاوید نذیر صاحب کو "وشا" میں رکھا۔ سبھی دوستوں کیلئے وہ یکساں محبت رکھتا تھا۔ لڑائی جھگڑا' دھونس اور ناراضگی اس کے مزاج سے کوسوں دور تھے۔ اس کے پاس اپنی بات منوانے کیلئے صرف دلیل ہوتی تھی۔

باری باری سب دوستوں کی شادیاں ہو گئیں۔ پھر ہم فیملی فرینڈز بھی ہو گئے۔ جب بیویوں کے ساتھ کہیں اکٹھے ہوتے یا ایک دوسرے سے ملتے تو بڑا ادب اور تکلف کا ماحول ہوتا لیکن جب ہم دوست بیویوں کے بغیر کبھی اکٹھے ہوتے تو خوب ہلا گلا ہوتا۔ مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ ہم "چھڑا پارٹی" ضرور کرتے۔ کسی ایک دوست کے ہاں اکٹھے ہو جاتے۔ زیادہ تر بشر عبدالرحمان کے گھر یہ پارٹی ہوتی۔ اس پارٹی میں سب وہی کالج کے زمانے کے لڑکے بن جاتے۔ کوئی دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بچوں کے باپ اور کیسے کیسے عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ بڑا خوشگوار اور بے فکری کا ماحول ہوتا۔ دسمبر 2006ء میں بشر عبدالرحمن کے گھر ہم سب آخری دفعہ اکٹھے ہوئے تھے۔

Marfat.com

ایڈی سے میری آخری ملاقات اسی سال جنوری کے پہلے ہفتے میں ہوئی تھی۔ میں اس کے دفتر کے سامنے سے گزر رہا تھا تو اس سے ملنے کا خیال پیدا ہوا۔ سہ پہر کا وقت تھا' میں اس کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ ڈیسک پر اپنے انگریزی اخبار کی کاپیاں پھیلائے بیٹھا تھا اور بڑے غور سے انہیں دیکھنے میں مصروف تھا۔ مجھے اس نے بیٹھنے کیلئے کہا۔ میں بیٹھ گیا تو بھی وہ اپنے کام میں مشغول رہا۔ دو ایک منٹ انتظار کرنے کے بعد میں نے کاپی اس کے ہاتھ سے چھین لی اور کہا "یار میں تجھے ملنے آیا ہوں اور تو مجھ سے بات ہی نہیں کر رہا۔" وہ مسکرانے لگا۔ میں نے جو کاپی اس کے ہاتھ سے چھینی تھی وہ دیکھی تو سچی بات ہے میں بڑا متاثر ہوا۔ بڑا خوبصورت اخبار تھا' چھپائی اور لے آؤٹ بے حد شاندار تھے۔ کسی طرح بھی اس کا اخبار کسی عالمی سطح کے اخبار سے کم نہیں تھا۔ مجھے یہ اخبار اس قدر اچھا لگا کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی کاپی نے نظر کے ساتھ ساتھ میری توجہ بھی جذب کر لی۔ اس نے مجھے محو دیکھ کر کہا "کہاں کھو گئے ہو۔" اس پر میں چونکا' اور میں نے اسے مذاقاً کہا کہ "یار تجھ جیسے نالائق آدمی کے ہاتھوں ایسا نفیس کام کیسے نکلا یہ سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ ہنسنے لگا۔ وہی معصومیت بھری اور بچوں جیسی ہنسی جو وہ بائیس سال پہلے کالج کے دنوں میں ہنسا کرتا تھا۔ گزرتے وقت نے اس کے تحمل اور معصومیت میں اضافہ کر دیا تھا۔ ہم نے چائے پی اور ہنسی مذاق کرتے رہے۔ میں پندرہ بیس منٹ اس کے پاس ٹھہرا پھر چلا آیا۔

کچھ دنوں بعد وہ اپنے والد اور والدہ کے ساتھ امریکہ چلا گیا۔ فروری کی دس تاریخ کو میں سعودی عرب میں تھا اور حلیمہ سعدیہؓ کے اس گھر کی زیارت کر رہا تھا جہاں انہوں نے رسول پاک ﷺ کو شیر خوارگی کے زمانہ میں اپنے پاس رکھا۔ وہاں موبائل فون پر مجھے اپنے لاہور کے دفتر سے ایس ایم ایس موصول ہوا کہ عدنان شاہد کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔ میں نے جواب لکھا کہ "کون عدنان شاہد؟ ایڈی؟" جواب ملا

Marfat.com

''Yes''۔ میرے لیے یہ بات قطعی ناقابل یقین تھی۔ ذہن قبول ہی نہ کرتا تھا کہ ایڈی بھی ہمیں چھوڑ کر جا سکتا ہے۔ اور ابھی تک یہی عالم ہے کہ یقین ہی نہیں آتا۔ دل مانتا ہی نہیں کہ اب جب کبھی ہم ''چھڑا پارٹی'' کریں گے تو ایڈی اس میں موجود نہیں ہو گا۔ اس کی مسکراہٹ' جملے بازی اور دلائل بھری بحث' جو اس پارٹی کا اہم جزو ہوتی تھی' اب دیکھنے اور سننے کو نہیں ملے گی۔ اس پارٹی میں اب کوئی نہیں کہے گا کہ ''یار' مانا سب بہت مصروف ہو گئے ہیں مگر کبھی کبھار' مہینے میں ایک آدھ بار مل بیٹھا کرو۔'' اور اب شاید اس طرح کی پارٹی کبھی نہ ہو کہ وہی تو تھا جو دوستوں کو بار بار رابطے کر کے اکٹھا کرتا اور یہ طے کرتا کہ اس مرتبہ کس کے ہاں بیٹھیں گے۔

میں نے اطلاع ملتے ہی یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں اس متبرک مقام پر بھی اس کیلئے دعا کی تھی اور اب بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ اسے جنت میں جگہ عطا فرمائے اور اس کے درجات بلند فرمائے۔ وہ بہت اچھا انسان تھا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

کل کس نے دیکھا ہے؟

زیبا نورین

وہ ایک عجیب خواب تھا جو غالباً جنوری کے آخری ہفتے میں میں نے دیکھا تھا، دیکھا کہ ایک بس ہے جس میں میں سوار ہوئی ہوں اور وہ صحافیوں سے بھری ہوئی ہے لیکن سب نے ایک جیسے سیاہ لباس پہن رکھے ہیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ یہ ویسا ہی رنگ تھا جیسا ضیاء الحق دور میں سکول کے طالب علم لڑکوں کی شلوار قمیص یونیفارم کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ ان میں چند چہرے جانے پہچانے تھے۔ اچانک بس ایک جگہ رکتی ہے اور میں نیچے اترتی ہوں جیسا کہ کینیڈا میں پیدل چلنے والوں کے لیے (Pedestrain) کراسنگ مخصوص ہے میں وہاں سے سڑک کراس کر رہی ہوں کہ مجھے عقب سے ایک چیخ کی آواز سنائی دیتی ہے میں خوفزدہ ہو کر پیچھے مڑتی ہوں تو دیکھتی ہوں کہ کوئی جرنلسٹ درمیان سے سڑک کراس کرتے ہوئے کسی گاڑی سے ہٹ ہو کر گرا ہے اور بس میں سوار تمام صحافی نیچے اتر کر اس کے گرد جمع ہیں پھر ایک آواز کانوں میں آتی ہے او مائی گاڈ.......... اور میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ خواب اتنا واضح تھا کہ آنکھ کھلی تو مجھے ایسے لگا کہ میرے اعصاب اس خواب کی گرفت میں ہیں۔ بار بار سوچتی رہی کہ تمام صحافیوں نے سیاہ لباس کیوں پہن رکھا تھا۔ کچھ خواب ایسے ہوتے ہیں کہ جو کسی انہونی کی طرف اشارہ دیتے ہیں۔

میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہ کچھ ایسا ہی خواب تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے صحافت کی دنیا میں کچھ ہونے والا ہے۔ پھر میں نے توبہ استغفار کے ساتھ دماغ سے اس خواب کو جھٹکنے اور بھولنے کی کوشش کی لیکن 10 فروری کو یہ خبر سن کر دماغ

Marfat.com

ماؤف ہو گیا کہ "دی پوسٹ" کے ایڈیٹر عدنان شاہد محض 37 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ میرے منہ سے بے اختیار نکلا او مائی گاڈ..........اور پھر یک دم وہ خواب میری آنکھوں کے سامنے گھوم گیا جس کی حقیقت اس جواں سال موت کی شکل میں سامنے تھی۔ دماغ بری طرح سے ڈسٹرب ہو گیا۔ کینیڈا آنے کے بعد سے میں "دی پوسٹ" کے ساتھ بحیثیت کالم نگار منسلک تھی اور اب تک تواتر سے میرے کالم اس میں شائع ہو رہے ہیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جب میں نے اردو جرنلزم میں قدم رکھا اور روزنامہ جنگ میں انٹرویو دینے کے لیے گئی تو ضیا شاہد صاحب اس وقت ایڈیٹر تھے۔ انہوں نے مجھے جنگ کے لیے منتخب کیا اور میں نے اردو جرنلزم کا آغاز کیا اور جب میں نے اردو سے انگریزی جرنلزم کی طرف قدم بڑھائے تو ان کے صاحبزادے عدنان شاہد نے میری ای میل کا پرجوش انداز سے جواب لکھتے ہوئے کہا۔ "ویلکم ٹو دی پوسٹ.......... آپ کینیڈا سے اپنے کالم مجھے بھجواتی رہیے۔" عدنان شاہد کی ناگہانی وفات کے حوالے سے لمحہ بہ لمحہ خبریں اور تصاویر ڈیلی خبریں اور دی پوسٹ کی ویب سائٹ سے دیکھتی رہی۔ ضیا صاحب، امتنان شاہد اور ان کی فیملی جس صدمے سے گزر رہی ہے اس کا یقیناً لفظوں میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن مرحوم کے ایصال ثواب اور لواحقین کے لیے صبر کی دعا ہر لمحہ دل سے نکل رہی ہے۔

ضیا صاحب وہ ہستی ہیں جنہوں نے دنیائے جرنلزم کو بے شمار جرنلسٹ دیئے ہیں۔ مجھ سمیت بڑی تعداد میں صحافیوں کا خیال ہے کہ وہ ایک جینئس صحافی رہے ہیں جنہوں نے صحافت کو بہت سے نئے انداز دیئے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ابھی میں نے صحافت میں عملی قدم نہیں رکھا تھا تو زمانہ طالب علمی سے ہی روزنامہ جنگ کے ویکلی میگزین میں چھپنے والے ضیا شاہد کے کالم "صبح بخیر" کی باقاعدہ قاری تھی اور ہر ہفتے بڑی بے چینی سے ان کے کالم کا انتظار رہتا تھا۔ بعد ازاں جب میں خود روزنامہ

Marfat.com

''ڈان'' میں میگزین ایڈیٹر کے عہدے تک پہنچی تو میں نے ان ہی کے انداز میں ''آئینہ'' کے نام سے کالم لکھنا شروع کیا جسے بے حد پسند کیا گیا۔ اس حوالے سے ضیا صاحب میرے رول ماڈل رہے۔ میگزین کو انہوں نے جو انداز دیا میں نے بھی اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کے اس انداز کو کاپی کرنے کی کوشش کی۔ میری جرنلزم کا ابتدائی دور جو زمانہ طالب علمی میں فارمل ایجوکیشن کے ساتھ ساتھ چلا ضیا صاحب کا مرہون منت رہا ہے، گو کہ تب یہ سلسلہ دو تین ماہ سے زیادہ نہ چلا اور میں بی اے انگلش لٹریچر اور بی ایڈ کے بعد ایم اے انگریزی کی ڈگری کے حصول میں مصروف ہو گئی اور جب پریکٹیکل جرنلزم کا آغاز کیا تو اس میں پوری طرح محو رہی۔ ضیا شاہد جرنلزم کے ایسے استاد ہیں کہ جنہوں نے مجھ سمیت ملک بھر میں ہزاروں جرنلسٹوں کو جرنلزم کی الف ب سکھائی اور میں سوچتی ہوں کہ جرنلزم سے دیوانگی کی حد تک یہ محبت جو انہوں نے اپنے شاگردوں میں منتقل کی وہ دیوانگی کس لگن سے انہوں نے اپنے صاحبزادوں میں منتقل کی ہو گی۔ ان کی عمر بھر کی ریاضت اور محنت کا نچوڑ عدنان شاہد میں تھا کہ جنہوں نے انتہائی کم عمری میں جرنلزم میں ایک مقام حاصل کیا۔ ضیا صاحب اس وقت خود بھی علیل ہیں اور مجھ سمیت ان کے تمام شاگردان کی مکمل صحت یابی کے لیے دعا گو ہیں۔ ابھی یہ کالم مکمل ہی نہیں کیا کہ دو اور خبروں نے حواس اڑا دیے۔

ان میں سے ایک ظلِ ہما کا قتل اور دوسرا سمجھوتہ ایکسپریس کے حادثے کا ہے۔ ظلِ ہما سے فون پر کی جانے والی آج سے چھ ماہ قبل کی گفتگو اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے کہ جب صوبائی وزیر آشفہ ریاض کی وزارت سماجی بہبود ختم کی گئی تو مجھے اپنے ذرائع سے علم ہوا کہ یہ وزارت اب ظلِ ہما عثمان کو دی جا رہی ہے۔ پارلیمانی سیکرٹری ڈاکٹر فرزانہ نذیر سمیت دوسری دوستوں سے یہ خبر کنفرم کرنے کی کوشش کی

Marfat.com

لیکن سب ابہام میں تھیں، تب میں نے ظل ہما کو فون کیا کہ سنا ہے کہ آپ وزیر بن رہی ہیں جس پر دوسری طرف سے قہقہہ لگا۔ ''اچھا تمہارے منہ میں گھی شکر'' میں نے کہا دیکھیں دو دن کے بعد میں کینیڈا جا رہی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ کی متوقع وزارت کی خبر میں بریک کروں۔ جواب ملا ارے چھوڑا ابھی ایسا کچھ نہیں جب ہوگا تو ضرور بتاؤں گی۔ تم آؤ میری طرف چکر لگاؤ۔ میں نے ٹالتے ہوئے کہا کل آؤں گی، جس پر ظل ہما نے برجستہ کہا ''کل کس نے دیکھا ہے چلو آنے سے پہلے فون کر لینا'' اور میرے کانوں میں اب بھی وہی آواز ہے کل کس نے دیکھا ہے؟

Marfat.com

کچھ یادیں' کچھ باتیں

ثمینہ مسعود سان فرانسسکو

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ہم سب کو مرنا ہے اور فنا ہو جانا خود ایک ایسی حقیقت ہے جس سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد بھی سفر نہیں۔ تاہم جب کوئی انسان 37 سال کی عمر میں اچانک انتقال کر جائے تو زندگی کا چکر یوں لگتا ہے جیسے راستے ہی میں رک گیا اور مکمل گردش سے پہلے ہی اس کی راہ میں رکاوٹ آ گئی ہے۔ عدنان شاہد کی گردش حیات بھی ابھی زندگی کے ابتدائی مرحلوں میں ہی تھی اور ابھی اپنے خاتمے سے کوسوں دور تھی۔ بہر حال وہ دنیا سے چلا گیا اور جب موت آپ کو دنیا سے دور لے جاتی ہے تو زندگی کی آخرت آپ کے چہرے کو گھور کر دیکھتی ہے اور آپ خود ہکا بکا رہ جاتے ہیں۔ عدنان جیسے ساتھی صحافی کی موت کو حالانکہ کئی روز گزر چکے ہیں' پھر بھی میں صدمے کی حالت میں ہوں۔ وہ جوان' صحت مند اور قابل و ذہین انسان تھا۔ موت نے خاندان اور دوستوں کو اس سے محروم کر دیا جو اس المیے پر طویل عرصہ سوگوار رہیں گے۔

گزشتہ چند سال میں میں اپنی عمر کے برابر کئی ایسے افراد سے محروم ہو گئی جو بے وقت موت کا شکار ہو گئے۔ ان میں میری بچپن کی ایک ساتھی اور ہم جماعت تھی جسے موت کے بے رحم ہاتھوں 39 سال کی عمر میں ہم سے چھین لیا اور اس نے اپنے پیچھے ایک ننھا سا بیٹا چھوڑا۔ پھر میں اپنے ایک عزیز دوست سے محروم ہو گئی جس کا نام ہارون عارفین ہے اور وہ لاہور میں ہمارے ایک قریبی فیملی فرینڈ کا بھائی تھا جسے موت نے ہم

Marfat.com

سے 37 برس کی عمر میں چھین لیا۔ اسی طرح میں اور میرے شوہر ایک ایسے فیملی فرینڈ احتشام سے اچانک محروم ہو گئے جو حرکت قلب بند ہونے سے دنیا کو چھوڑ گیا۔ اس کے علاوہ خالد بسرا بھی کم عمری میں انتقال کر گیا جو گورنمنٹ کالج لاہور میں ہمارے ساتھ زیر تعلیم تھا۔ ایسے کئی اور نوجوان اور ذہین لوگوں کی طویل فہرست ہے جن کی روحیں بے رحم موت کے ہاتھوں جسم کے رشتے سے آزاد ہو گئیں لیکن یہ لوگ اپنے پسماندگان کو بے بس چھوڑ گئے۔

جب تقدیر کی طرف سے کسی انسان کو آخری بلاوا آجاتا ہے تو انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ پسماندگان میں سے کوئی شخص بھی سوائے اپنے پیاروں کی موت پر ماتم ہی کر سکتا ہے یا پھر ورثاء کی مشکلات آسان کرنے کیلئے فلسفے کا سہارا لیتے ہیں۔ زندگی بسر کرنا تو ان کا استحقاق ہے جبکہ مر جانا ایک اٹل حقیقت۔ لیکن عین جوانی کی عمر میں مر جانا تو ایک تلخ حقیقت ہے جسے تسلیم کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ ہم میں پختہ ایمان رکھنے والے تو بے وقت موت سے سمجھوتہ کر سکتے ہیں اور ہمارا تصور یہی ہے کہ جسم سے الگ ہو کر روح آزاد پھر رہی ہے اور وسیع تر کائنات کا حصہ بن گئی ہے جو جسم کے چنگل سے نجات پا چکی ہے۔ جسم سے نکلنے والی روح کے سفیر کی اہمیت تو یہ ہے کہ اس نے انسانی جسم کا جزو بن کر کاروبار حیات کیسے گزارا۔ اس سے قطع نظر کہ اس کی زندگی کی موت کتنی کم رہی۔

عدنان شاہد یقیناً ایک ایسا شخص تھا جس نے اپنے مختصر عرصۂ حیات کے دوران دنیاوی زندگی کے کئی مرحلے دیکھے۔ اس نے حق و صداقت کیلئے جہاد کیا۔ اپنے علمی و ذہنی عقائد کا ڈٹ کر ساتھ دیا' جب بھی مشکلات کا سامنا کیا تو جرأت و جوانمردی سے کیا اور اپنی روح کا سودا کیے بغیر ہی دنیاوی مسائل کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے جو کچھ لکھا' قلبی واردات سے لکھا اور دماغی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ وہ دیانتدار اور پرخلوص انسان تھا اور علمی و روحانی نوعیت کے کاز کی خاطر مشعل اٹھا کر چلتا رہا اور

Marfat.com

اپنے گردونواح میں جہاں بھی تاریکی دیکھی' وہاں آگ جلا کر ماحول کو روشن کیا۔ وہ ان چند پاکستانیوں میں شامل تھا جو سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہتا رہا' جس نے اپنے ساتھیوں کی مشکلات و مصائب کی جانب بھرپور توجہ دی۔ جس نے ایک لبرل پاکستان کی خاطر لڑائی لڑی اور ایسے لوگوں کا سامنا کیا جو حقیقی جمہوریت' آزادی اور انسانی حقوق پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ ایک ایسا دوست' باپ' شوہر اور صحافی تھا جس کی ذات میں ایک علمی شہسوار کی خوبیاں اور انسانیت کی روح جیسے عناصر مجتمع ہو گئے تھے۔ جو بزدل نہیں تھا اور کسی سچائی کا سودا نہیں کیا اور صرف سچ ہی کا ساتھ دیا۔

عدنان نے اپنی محنت اور لگن سے چند ایسے پاکستانی اخبارات کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا جن کا وجود ہی حق و صداقت کا پرچار کرنا ہے۔ یہ وہ کڑوی سچائیاں ہیں جنہیں تحریر کرنا اور پڑھنا انتہائی دشوار ہے۔ وہ ایسے کام کرنے سے کبھی نہیں ہچکچایا جن کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اعلیٰ تر مقاصد کی خاطر جدوجہد جاری رکھتے ہوئے خود اپنے مفادات کو پس پشت ڈال دیتا۔ آج وہ شخص دنیا سے جا چکا ہے اور بڑی جلدی چلا گیا لیکن اس نے بہت کچھ پہلے ہی مکمل کر لیا لیکن بہت کچھ ایسے کام پیچھے چھوڑ گیا جنہیں وہ تنہا ہی مکمل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کی روح اس کی تحریروں کے ذریعے موجود رہے گی جو لوگ اس کی موت کا سوگ منا رہے ہیں' وہ ایک روز قدرتی اور فطری دکھوں کے آنسو تو پونچھ لیں گے اور پھر ایک ایسے انسان کی یادیں تازہ کر کے مسکرائیں گے جو اگرچہ دنیا سے جا چکا ہے لیکن زندگی جیسی فانی شے سے عظیم تر تھا اور جس نے اپنی تحریروں کے ذریعے اپنی ذات کو غیر فانی بنا لیا اور اپنی خوبصورت یادیں چھوڑ گیا۔

Marfat.com

گنوا کے تجھ کو......

محمد بلال غوری

موبائل فون ایجاد ہوا تو مجھے یوں لگا جیسے پوری دنیا ہی میری انگلیوں کی پوروں تلے سما گئی ہو۔ جب چاہا آواز یار سے جی بہلا لیا، مگر کئی دنوں سے یہی موبائل فون مجھے خون کے آنسو رلا رہا ہے۔ 11 فروری کو ایک صاحب نے ٹیلی فون پر روہانسی آواز میں کہا "عدنان شاہد اب اس دنیا میں نہیں رہے۔" میں نے بغیر سوچے سمجھے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا "جناب اپریل فول تو ابھی بہت دور ہے" اطلاع دینے والے نے قسم کھا کر سچ بولنے کا دعویٰ کیا تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میں نے فوراً ٹیلی فونک رابطہ ختم کیا اور اپنے موبائل فون سے عدنان شاہد کا نمبر 0333-4228822 ڈائیل کیا، مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

موبائل فون پر ٹیپ لگی ہوئی تھی......

"The Person you have tried to reach is unavailable at the moment."

اب میں کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اپنے موبائل میں محفوظ یہ نمبر ملاتا ہوں، لرزتے دل کے ساتھ کانوں سے لگاتا ہوں اور مذکورہ بالا فقرہ سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا ہوں۔ زیر نظر سطور آپ تک پہنچیں گی تو شاید میرا عدنان شاہد منوں مٹی

Marfat.com

تلے دفن ہو چکا ہوگا' مگر نہ جانے کیوں میرا دل اس حقیقت کو قبول کرنے سے انکاری ہے۔ موت تو برحق ہے' ہر کسی نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کرنی ہے۔ فرشتہ اجل سے کس کی یاری ہے' آج میری تو کل آپ کی باری ہے' مگر پھر بھی جب کوئی اپنا رخصت ہوتا ہے تو زندگی بے کیف و بے لذت سی لگنے لگتی ہے کیونکہ اپنے پیاروں کی جدائی کا بار گراں سہنا مر جانے سے کہیں زیادہ کربناک اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میں بھی ان دنوں ایسی ہی ناقابل برداشت کیفیت سے دوچار ہوں۔ میرے دوست کا ہنستا مسکراتا چہرہ سامنے آتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں' جیسے ہی آنکھ کھلے گی وہ ناراض ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہے گا ''غوری صاحب! اتنے دن گزر گئے آپ نے ''پوسٹ'' کیلئے کالم نہیں لکھا۔''

ایک بڑے باپ کے نک چڑھے بیٹے کے طور پر عدنان شاہد کا غائبانہ تعارف تو بہت پہلے سے تھا' مگر 2002ء میں باضابطہ شناسائی ہوئی تو میں سنی سنائی باتوں کے زیر اثر قائم کردہ رائے تبدیل کئے بغیر نہ رہ سکا۔ عدنان شاہد ان دنوں ''خبریں'' میں بطور ایڈیٹر فرائض سرانجام دے رہے تھے اور میں ''نوائے وقت'' میں ترازو کے عنوان سے کالم لکھا کرتا تھا۔ 30 اپریل 2002ء کو ''خبریں'' کے صفحہ نمبر 2 پر عدنان شاہد کا کالم رد عمل پڑھا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی کیونکہ ''چوروں کا ملاپ اور ٹھگوں کا ایکا'' کے عنوان سے شائع ہونے والے اس کالم میں انہوں نے پونم' اے آر ڈی اور مجلس عمل کے اتحاد کو لٹیروں کا ٹولہ قرار دیتے ہوئے جماعت اسلامی کو جہاد فنڈ بند ہونے کا طعنہ دیا اور کشمیر میں جاری عسکری تحریک پر بھی سخت تنقید کی۔ میں نے جواب آں غزل کے طور پر فوراً قابل اعتراض باتوں کا حوالہ دیتے ہوئے ''رد عمل'' کے رد عمل میں کالم لکھ مارا۔ نوائے وقت کے ساتھ ساتھ اس کی ایک کاپی عدنان شاہد کو بھی روانہ کر دی۔ چونکہ میں اس وقت شدید غصے میں تھا' اس لئے روایتی بذلہ سنجی اور مروت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بہت سی سخت باتیں لکھ گیا۔ لہٰذا میرے اپنے

Marfat.com

ادارے نے یہ کالم شائع کرنے سے معذرت کر لی مگر چند روز بعد ''خبریں'' کے صفحہ اول پر اپنا نام دیکھ کر میں چونک گیا۔ عدنان شاہد نے نہ صرف میرا کالم حرف بحرف ادارتی صفحے پر شائع کیا تھا بلکہ فرنٹ پیج پر سنگل کالم اعلان بھی لگایا تھا۔ چند ماہ بعد کسی کام کے سلسلہ میں ''خبریں'' جا کر عدنان شاہد سے پہلی ملاقات کرنے کی ضرورت پیش آئی تو میں ڈرتے ڈرتے کمرے میں داخل ہوا کیونکہ اپنے الفاظ مجھے اچھی طرح یاد تھے تو ان سے بھول جانے کی توقع کیسے کی جاسکتی تھی، مگر مجھے اس وقت خوشگوار حیرت ہوئی جب میرے اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے والہانہ استقبال کرتے ہوئے جماعت اسلامی کا وکیل کہہ کر مخاطب کیا۔ بعد ازاں لیاقت بلوچ کی طرف سے دیئے گئے افطار ڈنر میں ملاقات ہوئی تو کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگے ''میں کھجور سے روزہ افطار کرنے کے سوا کچھ نہیں کھاؤں گا کیونکہ کل پھر میں نے جماعت اسلامی کے خلاف کالم لکھنا ہے۔ یہاں سے کھانا کھالیا تو آپ مجھے نمک حرام کہیں گے۔''

''پوسٹ'' کے نام سے انگریزی اخبار نکالنے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے ''ضیا شاہد کا بیٹا ہونے کے ناتے ''خبریں'' کی ایڈیٹری کرنا کوئی کارنامہ نہیں۔ میں خود سے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اپنی الگ پہچان بنانا چاہتا ہوں۔ میں نے چیف صاحب (اپنے والد ضیا شاہد) کو بتا دیا ہے کہ یہ خالصتاً میرا اپنا پراجیکٹ ہوگا آپ اس میں مداخلت نہیں کریں گے۔'' اور پھر عزم صمیم رکھنے والے اس نوجوان نے سچ مچ وہ کچھ کر دکھایا جو ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور سمجھا جارہا تھا۔ ''دی پوسٹ'' کا اجراء ہوا تو انہوں نے اتنی محبت کے ساتھ انگریزی میں کالم لکھنے کا حکم دیا کہ میں انکار نہ کر سکا۔ اگرچہ پہلے کبھی انگریزی میں لکھنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا، مگر ان کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی سے اور کچھ نہیں تو میں چند فقرے ملانے کے قابل ضرور ہو گیا۔ ایک مرتبہ چائے کے کپ پر گپ شپ کے دوران عدنان شاہد نے اٹکھیلی کرتے ہوئے پوچھا ''غوری صاحب'' آپ اپنا کالم کس سے لکھواتے ہیں؟ میں نے برجستہ کہا'' جناب! یہ چونچلے تو آپ جیسے ایڈیٹر حضرات

Marfat.com

کر سکتے ہیں' ہم تو ٹھہرے قلمی مزدور۔''

جناب ضیا شاہد اور ایڈیٹر خبریں امتنان شاہد سے تو ایک آدھ مرتبہ ہی ملاقات ہوئی ہے مگر گزشتہ 4 سال کے دوران عدنان شاہد سے ملنے کیلئے میں اتنی مرتبہ ''خبریں'' گیا کہ بعض دوست ان پھیروں کو ''شوقِ لیلائے سروس'' سمجھتے ہوئے اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کرتے نظر آئے۔ میں جب بھی اداس ہوتا' عدنان شاہد سے سدا بہار مسکان مستعار لینے پہنچ جاتا۔ اب بھی دور افلاک سے پرے ان کا ہنستا مسکراتا چہرہ دکھائی دے رہا ہے۔ جیسے کہہ رہا ہو:

میں برگ صحرا ہوں' مجھ کو ہوا اڑائے تو کچھ نہ پائے
زمیں کے ملبوس میں جڑا ہوں' مثال نقش قدم پڑا ہوں
بہار کیا اب خزاں بھی مجھ کو گلے لگائے تو کچھ نہ پائے
مجھ کو کھو کر پھر مجھ کو پانے کا شوق تو ایسے ہے محسن
کہ جیسے پانی پر دائرہ سا کوئی بنائے تو کچھ نہ پائے

مگر سنو عدنان صاحب! ہم روتے' بلبلاتے ہوئے دوستوں کا نالۂ دل بھی سن لو:

گنوا کے تجھ کو اس طرح سے زندہ ہوں میں محسن
کہ جیسے تیز ہوا میں کوئی چراغ جلتا ہو

جوان بیٹے تو ہمیشہ سے بوڑھے والدین کے جنازوں کو کندھا دیتے چلے آرہے ہیں مگر اے پروردگار! ضعف و ناتوانی کے عالم میں جوان بیٹے کی لاش کا تحفہ کہاں کا انصاف ہے......! ہم کمزور و بے بس بندے تجھ سے شکوہ کرنے کی مجال تو نہیں کر سکتے' البتہ تیری بارگاہ میں ملتجی ہیں کہ ہمارے دوست عدنان شاہد کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کر اور اس کے معصوم بچوں' جواں سال بیوی' بوڑھے والدین اور بہن بھائیوں کو صبر جمیل عطا فرما۔ (آمین) (روزنامہ خبریں)

Marfat.com

چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے......!

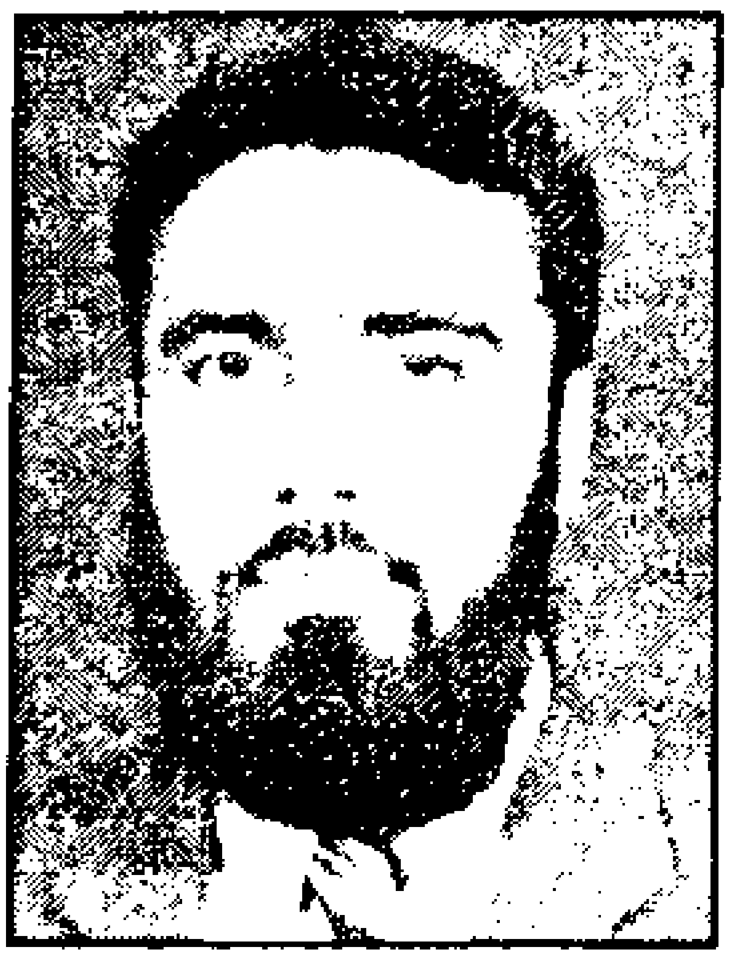

احمد رضا

چلو مان لیا کہ عدنان شاہد چلے گئے مگر یہ سوچ کر نہیں کہ یہ ان کے کوچ کر جانے کا وقت تھا بلکہ یہ سمجھ کر کہ حکم ربی کی اتباع ہی دنیاوی و آخروی کامیابیوں کا ذریعہ ہے' ورنہ ابھی تو ان کے ہنسنے' کھیلنے اور بہت کچھ کر گزرنے کے دن تھے۔ چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے مگر یہ سوچ کر نہیں کہ حرکت قلب کی بندش سبب بنی بلکہ یہ کہ اچانک موت اور اس کے پیچھے چھپی شہادت کو ان کا نصیب ہونا تھا کیونکہ عدنان کو تو نہ ہی کوئی عارضہ تھا اور نہ ہی کوئی ظاہری و باطنی پریشانی۔ چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے مگر یہ سوچ کر نہیں کہ علیل باپ اور ضعیفہ ماں کا صدمہ دِل میں لے بیٹھے تھے بلکہ یہ سمجھ کر کہ والدین کی خدمت و فرمانبرداری میں مستعدی کے ذریعے اپنے لئے جنت اور اس المناک خبر پر صبر کے ذریعے والدین کی بلندی درجات کا سامان کرنے کیلئے' کیونکہ والدین ابھی اعصابی اور خوش امیدی کے لحاظ سے جوان ہیں اور خود مرحوم اپنی عمر' کیریئر' فرائض منصبی اور اعلائے کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لحاظ سے نوجوان تھے۔ چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے مگر یہ سوچ کر نہیں کہ غریب الوطنی اور بے بسی کا غم کھائے جا رہا تھا بلکہ یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ موت دینے اور پھر اسے ہی باعث مغفرت بنانے پر

Marfat.com

قادر ہے کیونکہ اس کم عمری میں ناگہانی رحلت سے کیا اپنے کیا پرائے' کیا ملکی کیا غیر ملکی' سب گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ دنیا بھر کے تمام مذاہب اور پھر ہر مکتب فکر کے پیروکار بچے' بوڑھے' جوان' مرد وخواتین نے اس مرد قلندر' ذمے دار' فرمانبردار' سلیقہ شعار' ملنسار اور باوقار و باکردار عدنان شاہد کے لئے دست ہائے دعا بلند کئے ہوئے ہیں۔ چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے مگر یہ سوچ کر نہیں کہ محرم الحرام کا مہینہ مسلمانوں کے لئے صبر و آزمائش کا مہینہ ہے بلکہ یہ سمجھ کر کہ 60 ہجری کے عاشورہ میں امام عالی مقام حضرت امام حسینؓ کو جس عظیم مقام پر فائز کیا گیا وہ خارج از بیان ہے۔ جمعۃ المبارک اور ہفتہ (20اور 21 محرم الحرام) کی درمیانی شب پچھلے پہر اپنی جان' جان آفریں کے حوالے کرنے والے عدنان شاہد نے بھی اس بابرکت اور حرمت والے مہینے میں اس دار فانی سے منتقل ہو جانے والوں میں نام لکھوا کر خود کو خوش قسمت بنا لیا کہ رہتی دنیا تک اس ماہ مکرم کا تقدس جاری رہے گا اور آلِ رسولؐ پر سلامتی بھیجنے والے امتی اس غلام مصطفیٰ ﷺ کے لئے بھی مغفرت کی دعا کریں گے۔ امت مسلمہ کا ایصال ثواب اور یاد کی تقاریب ہی آخرت میں ذریعہ نجات بن جائیں گی۔

چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے لیکن میں تو باپ ہوں' میں یہ کیسے مان لوں۔ میرے سامنے تو اس کی ولادت' کمسنی' تعلیم و تربیت اور اٹکھیلیوں کے سب دور گزرے ہیں' میں تو اس کا وہ چہرہ دیکھ رہا ہوں کہ جب مجھے اپنی ادھیڑ عمر میں جوانی کا یقین ہونے لگا تھا۔ میری نظروں سے تو وہ وقت اوجھل ہی نہیں ہو رہا' جب میرے لخت جگر عدنان نے معاشیات میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ سی ایس پی افسر بننے کا خواہشمند تھا۔ میری شب و روز اور پھر صبح و شام کی ان تھک محنت اور مصروفیت کو دیکھ کر نہ جانے کیا سوچ کر میرا ہاتھ بٹانے کے لئے مُڑ پڑا۔ کس طرح اس بات کو بھلاؤں کہ کیسے اس نے اپنے خوابوں کا گلا گھونٹ کر میرا سہارا بننے کا عزم کیا ہوگا۔ اپنے اس مشن

Marfat.com

کی تکمیل کے لئے کس طرح اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے سے کم پڑھے لکھے کارکنوں کے ساتھ بیٹھ کر ایک نو آموز صحافی بننا پسند کیا ہوگا۔ کون سی آنکھ بند کروں کہ میرے ہونہار عدنان کی روشن تصویر ماند پڑ جائے۔ آج میرا ہر عضو آنکھ بنا ہوا ہے اور میں اپنے عدنان کو دیکھ رہا ہوں کہ کیسے اس نے روزنامہ خبریں کی ادارت سنبھال رکھی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے صحافت کی مشکل ترین سیڑھی پر چڑھ گیا۔ کس ہمت' استقلال اور جانفشانی کے ساتھ اس نے انگریزی اخبار "دی پوسٹ" کو کامیابی سے باقاعدہ شائع کیا' اسے اس قدر معیاری بنایا کہ ہر معتبر قاری کی اولین ضرورت بن گیا۔ مجھے تو وہ صرف اسی طرح بھاگتا' دوڑتا ہوا ہی نظر آرہا ہے اور میں تو اس بات پر یقین کئے ہوئے ہوں کہ عدنان کہیں نہیں گیا' وہ تو میری نظروں سے دِل ودماغ میں جا بسا ہے۔

چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے لیکن میں تو بیوی ہوں' میں کیسے مان لوں کہ وہ اپنے شریک حیات کو سفر میں تنہا چھوڑ گئے۔ میرے ساتھ زندگی بھر کے عہدوپیماں کر کے بغیر وعدے پورے کئے کیسے چلے گئے؟ میرے سامنے تو وہ لمحات ہیں کہ جب وہ دولہا بن کے مجھے لائے اور آج کیسے مجھے اکیلا کر گئے۔ مجھے یاد ہے ہر وہ گھڑی کہ جب عدنان مجھے ساتھ لے کر چلتے' میری رہنمائی کرتے اور میرا سہارا بنتے تھے۔ چلو مان لیا کہ میں تو اپنے جیون ساتھی کے ساتھ بتائے خوبصورت دنوں کو یاد کر کے ان کے چلے جانے کے دکھ کے کڑوے گھونٹ بھر لوں گی لیکن کوئی ہے جو مجھے بتائے کہ میں اپنے بیٹے نوفل کو کیسے بتاؤں کہ تمہارے بابا' تمہارے بہترین دوست' تمہارے مخلص اور شفیق استاد اب کبھی وہ پیار نہیں دے پائیں گے جو شفقت پدری سے بڑھ کر ان کی سرشت میں موجود تھا۔ ننھی فجر اور حفصہ کا کیا ہوگا' جنہوں نے جی بھر کے باپ کے نین نقش بھی نہیں دیکھے' دِل کھول کر آرزوئیں اور فرمائشیں بھی نہیں کیں۔ جنہیں باپ کی انگلی پکڑ کر زندگی کی راہوں پر ابھی چلنا تھا کہ وقت سے بہت پہلے اس گھنے سائے سے محروم ہو گئیں۔ میں تو مان لوں گی لیکن

Marfat.com

آنے والا وہ وقت ابھی سے لہو رلاتا ہے کہ جب میری اولاد مجھ سے اپنے والد کا رہن سہن' لین دین' گفتار و کردار اور قول و فعل کے بارے میں پوچھے گی۔

چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے لیکن میں تو بھائی ہوں' مجھے اس بات پر کیسے یقین آئے گا' کیونکہ میرا تو کھیل کود' چال چلن' اٹھک بیٹھک اور یہاں تک کہ کام کاج بھی انہی کے ساتھ منسوب تھا۔ میں اپنی زندگی کی طرف نظر دوڑاؤں تو عدنان بھائی کی آواز میں مونتو...... مونتو کی آوازیں سنائی دیتی۔ میں اپنی زندگی کا کون کون سا باب بند کروں کہ میرے سامنے ان کا عکس اور نقش نہ آنے پائے۔ تعلیم سے کھیل اور سوشل لائف سے عملی زندگی' سبھی مراحل تو انہی کے مرہون منت ہیں۔ یہ یقین تو آ ہی جائے گا کہ یہ امر ربی ہے اور صبر شکر کر کے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر صابر و شاکر بن جاؤں گا لیکن تنہائی کے خوف سے اس کٹھن سفر اور بے رنگ دنیا کی جانب جانے کو جی نہیں چاہتا کہ جسے میں نے ہمیشہ عدنان بھائی کے ساتھ ہی طے کیا۔ میں یہ تو مان لوں گا کہ عدنان بھائی چلے گئے لیکن وہ زیبائش و لباس' سامان کھیل' قلم و قرطاس مجھے ان سے کبھی علیحدہ نہیں ہونے دیں گے۔

چلو مان لیا کہ عدنان چلے گئے لیکن میں ان کے ادارے کا ایک ادنیٰ سا کارکن تھا جو نوکری کی تلاش میں پھرتا پھراتا "خبریں" جا پہنچا۔ 16 اپریل 2001ء کو مجھے فائنل انٹرویو کے لئے بلایا گیا۔ محمد ضیاء الحق نامی کارکن نے مجھے ان الفاظ کے ساتھ حوصلہ دیا کہ آپ کا انٹرویو ہمارے ایڈیٹر عدنان شاہد صاحب لیں گے جو بے حد مہربان و قدردان ہیں اور سب کے لئے حتی الامکان دست شفقت دراز کرتے ہیں۔ ان کے ہاں کسی سفارش اور پھر کیریئر سے متعلقہ کسی زیادتی کے بارے میں گمان بھی کرنا عیب ہے۔ میری اسناد میں کرکٹ ریکارڈز دیکھ کر اور خطبہ جمعہ دینے کی غرض سے ویکلی آف جمعہ کو مارک کرنے کی درخواست پر بے حد خوش ہوئے۔ باہمی وابستگی اور سلسلہ ربط اس قدر طویل و مضبوط ہوا کہ موصوف' راقم الحروف کو اپنے رسمی اور غیر رسمی معاملات میں بھی شامل کرنے لگے۔ جناب عدنان میں محبت و ملنساری اور شفقت و

Marfat.com

الفت اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ مثال نہیں ملتی۔ آج میں جو بھی ہوں انہی کی بدولت ہوں۔ میں کیسے بھلاؤں کہ جب میرے ساتھ سر راہ ڈکیتی کی واردات ہوئی تو انہوں نے میرے اس کیس کو ذاتی حیثیت دے کر کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ جب میں اپنی یادوں کے اوراق الٹتا ہوں تو مجھے ان کا یہ کہنا بھی سنائی دیتا ہے کہ نوفل اور باجی نوشین کے بچوں کے لئے کسی قابل اعتماد قاری صاحب کا انتظام کریں کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیمات دلوانا بھی میرے فرائض میں شامل ہے۔ میں جانتا ہوں کہ انہیں یہ سب میرے تئیں کہنے کی کچھ ضرورت نہ تھی لیکن یہی وہ سب کچھ تھا جو میرے لئے قابل فخر تھا' جسے میں کبھی نہ بھلا پاؤں گا۔ جب میں قاری و حافظ محمد شمس الحق صاحب کو لے کر گیا تو ان کی قرأت و تلاوت اور نعت شریف سن کر بہت خوش ہوئے۔ جب مجھے یہ سب یاد آتا ہے تو ان سے جڑے وقت کے سب خدوخال نمایاں ہوتے ہیں جس سے عدنان صاحب کے چلے جانے کا خیال ماند پڑ جاتا ہے۔

جی ہاں واقعی! یہ صدقِ دل سے مان لیا ہے کہ عدنان شاہد چلے گئے ہیں کیونکہ قادرِ مطلق کے حکم پر سر تسلیم خم کرنا میرے ایمان کا حصہ ہے۔ اب یہی الفاظ زبان و دل سے دعا بن کر نکلتے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے' ہمیں زندگیاں عطا کرنے والے' ہمارے پیارے رب! ہم نے تیرے فرمان کو دِل و جان سے مان لیا ہے اور عدنان صاحب کے عارضی دنیا سے دائمی دنیا کی طرف منتقل ہو جانے کو تسلیم کر لیا۔ اب تو ہم سب کو صبر عطا فرما۔ اہل خانہ' عزیز و اقارب' دوست احباب سمیت تمام متعلقین کو صبر جمیل کی دولت سے نواز دے۔ اور اے اللہ! اس بیوہ' یتیم بچوں اور بے سہارا والدین کے کبھی نہ پُر ہونے والے اس خلا کا مداوا فرما اور انہیں اسی اتفاق کے ساتھ امت اور ملت کی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرما' جو مرحوم کی خواہش تھی۔ (آمین ثم آمین)

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

عدنان...... یہ کیا!!

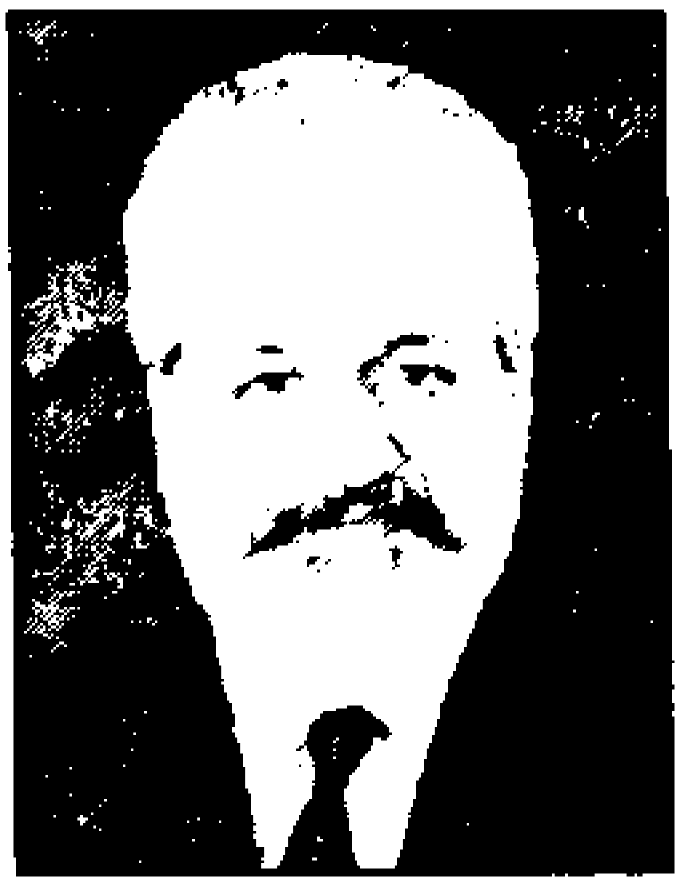

سہیل پرواز

ہر باپ کو بیٹوں کی پیدائش پر بے حد خوشی ہوتی ہے لیکن کسی بھی باپ کی حقیقی خوشی اس وقت دیدنی ہوتی ہے جب وہ اپنے بیٹے کو انگلی لگا کر چلاتا ہے اور اس کے ننھے ننھے ڈگمگاتے قدم دیکھ کر پھولا نہیں سماتا۔ دراصل یہی وہ وقت ہوتا ہے' جب کسی بھی باپ کے خوابوں کا Format یکسر تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسے قد نکالتا اور جوان ہوتا بیٹا اس مضبوط بانس کی مانند نظر آتا ہے جو جھکے ہوئے کمزور پودوں کو سہارا دینے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ آپ نے یقیناً ایسے کئی دراز قد اور عمر رسیدہ درخت دیکھے ہوں گے جنہیں پختہ عمر ہونے کے باوجود مضبوط بانسوں نے سہارا دیا ہوتا ہے' جس کی ٹیک پر وہ عمر بیتا رہے ہوتے ہیں۔ جوان بیٹوں کے باپ بھی کچھ ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہوتے ہیں لیکن غم واندوہ ان کے نزدیک نہیں پھٹکتا کیونکہ اطاعت گزار اور خدمت گزار بیٹے انہیں کسی بھی قسم کی محتاجی سے دور رکھتے ہیں اور پھر جس شخص کے دو دو بیٹے ہوں اسے تو خدانخواستہ عارضی سہاروں کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ بچپن میں جب مجھے والد مرحوم ادبی محفلوں اور مشاعروں میں ساتھ ساتھ لئے پھرتے اور اپنے ہم عصروں سے میرا تعارف کراتے تو مجھے حیرانی ہوتی کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں لیکن

Marfat.com

برسوں بعد جب میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا تو مجھے ان کے اس فخر و غرور کا فلسفہ سمجھ میں آیا' جس کا مظاہرہ وہ میرے لڑکپن میں کیا کرتے تھے۔

قارئین! برسوں بعد میں نے برادرم ضیا شاہد کو اسی رویے کا مظاہرہ کرتے پایا جو والد مرحوم الطاف پرواز کے مزاج کا حصہ تھا۔ انگریزی اخبار ''دی پوسٹ'' کی پہلی سالگرہ کے سلسلہ میں اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں تقریب منعقد ہوئی تو دعوت نامے کے ساتھ ساتھ اخبار کے ایڈیٹر عدنان شاہد نے فون پر بھی شرکت کی تاکید کی۔ ضیا صاحب کی صحت یابی کے بعد کسی بھی تقریب میں پہلی شرکت تھی اور جس طویل علالت سے اللہ تعالیٰ کے کرم' چاہنے والوں کی دعاؤں اور ان کی فرمانبردار اولاد کی خدمت نے انہیں صحت یاب کیا تھا' یقین نہیں تھا کہ وہ ایک عرصہ تک کسی سماجی و معاشرتی تقریب میں شرکت کر سکیں گے۔ لیکن دی پوسٹ کی سالگرہ پر انہیں کلیجی رنگ کے کرتے میں ملبوس دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ان کی ہمت اور جذبہ دونوں جوان ہیں۔ جلد ہی جب عزیزم عدنان اور امتنان شاہد کو باپ کے شانہ بشانہ کھڑا پایا تو ضیا صاحب کی جواں ہمتی کی وجہ سمجھ آ گئی۔ عدنان شاہد نے آگے بڑھ کر اپنی مخصوص دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ''ویلکم سر!'' یہ اس نوجوان کا مجھ سے آخری مصافحہ تھا' جس کی گرمی میں ابھی تک محسوس کر رہا ہوں۔ اگر مجھے اس ناگہانی طور پر بپا ہونے والی قیامت کا علم ہوتا تو میں اس خوبصورت شخص کا ہاتھ کبھی بھی نہ چھوڑتا۔ یاسمین بہن' عزیزہ حمیرا اویس شاہد' سبھی وہاں موجود تھے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ پورا گھرانہ کسی ایک پیشے سے منسلک ہو اور وہ بھی ایسا کہ پیشے کو عبادت سمجھے۔

میں اکثر دوست احباب سے کہا کرتا تھا کہ عدنان شاہد کی پرکشش اور گہری مسکراہٹ میں ایک پراسرار سوگواری ہے' جس کی حقیقت گزشتہ روز افشا ہوئی

Marfat.com

جب خبر ملی کہ عدنان شاہد لندن میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چھوڑ گیا ہے۔ رہائش کی تبدیلی کی وجہ سے میرا سارا سامان اتھل پتھل ہوا پڑا ہے اور کئی دنوں سے اخبار اور ٹی وی دونوں سے رابطہ منقطع ہے۔ سو مجھے اس جانکاہ حادثے کی خبر اپنی والدہ سے ملی' جن کا بظاہر عدنان سے کوئی خون کا رشتہ نہیں لیکن جنہیں دکھ کے درد کا احساس ہے کیونکہ برسوں پہلے وہ ایسے صدمے سے دوچار ہوئی تھیں۔ امی رو بھی رہی تھیں اور مجھ سے خبر کی تصدیق بھی چاہ رہی تھیں۔ ایسی خبر کی تصدیق جس کو سچ ماننے کیلئے میں سرے سے انکاری تھا۔ ڈرتے ڈرتے برادرم راشد رحمان کو فون کیا تو انہیں سکتے کے عالم میں پایا۔ عزیزم امتنان شاہد کو فون کیا تو جیسے وہ بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اچانک اتنی بڑی ناقابل یقین قیامت کیسے برپا ہو گئی۔

عدنان شاہد انگریزی کے مقولے Like Father Like Son کی ہو بہو تصویر تھا۔ برادرم ضیا شاہد کی طرح عدنان نے بھی صحافت کی ابتدائی سطح سے کیریئر کا آغاز کیا۔ عدنان ہمیشہ اپنی سچی اور اجلی خواہشوں کو پالتو پرندوں کی طرح عزیز از جاں رکھتا تھا۔ ایک سچا' کھرا اور منفرد انگریزی اخبار اس کے جواں ہمت دل کی مچلتی ہوئی خواہش تھی' جس کیلئے اس نے روزنامہ خبریں کے عام ڈیسک سے مشقت کا آغاز کیا اور انگریزی روزنامے کے اجراء کے چیلنج سے نبرد آزما ہونے کیلئے بین الاقوامی شہرت کے حامل روزناموں ''ہوسٹن کرانیکل'' اور ''واشنگٹن پوسٹ'' میں عملی تربیت حاصل کی۔ عدنان نے جب ''دی پوسٹ'' کا آغاز کیا تو اس کی آنکھوں کی چمک دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ وہی خوشی تھی جو ہم سب نے برسوں پہلے برادرم ضیا شاہد کی آنکھوں میں دیکھی تھی۔ عدنان نے اپنے اخبار کے عملے کو جو منفرد ماحول دیا' میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کسی بھی انگریزی اخبار کے پیشہ

Marfat.com

ورانہ ماحول سے کہیں بہتر تھا۔ اسی مقابل سے اس کے ماتحت جنہیں وہ کولیگ کہنا زیادہ پسند کرتا تھا' اسے دلوں کا راجہ کہتے تھے اور دلوں کا یہ راجہ اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا بھی تھا۔ ضیاصاحب کی علالت کے دوران میں نے عدنان کو جس جانفشانی سے باپ کی خدمت کرتے پایا وہ کسی بھی باپ کیلئے باعث فخر واعزاز ہے۔

اس دفعہ بھی عدنان' ضیاصاحب کے معمول کے چیک اپ کیلئے انہیں خود امریکہ لے کر گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ جھکے درخت کو سہارا دینے والے اس جواں سال سرو کے دل میں کیا سمائی کہ وہ اچانک ڈھے گیا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اکیلا اتنان کہاں تک جھکے تنے کو سہارا دے سکے گا۔ کاش وہ یہی سوچ لیتا کہ ماں باپ واپس وطن تو پہنچ لیں' جہاں وہ کسی کے گلے لگ کر رو تو لیں گے۔ انہیں چھوڑا بھی تو وہاں پر جہاں رسمی تعزیتیں' تازیانوں کا کام کریں گی۔ عدنان نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میں تو غریب الوطنی میں ہی آنکھیں موند کرلیٹ گیا ہوں۔ وہاں وطن میں اس کی رفیق حیات حمیرا پر یہ لمحے کیسے گزر رہے ہوں گے۔ کاش! عدنان واپس تو پہنچ جاتا' پھر جیسی من مانی چاہے کرلیتا۔ ننھے نوفل' ننھی فجر اور حفصہ کے سامنے باپ رخصت ہوتا تو شاید وہ ماں سے کبھی یہ نہ پوچھتے کہ امی ابو کہاں گئے ہیں لیکن اب تو شاید عزیزہ حمیرا ان معصوموں کو ساری عمر نہ مطمئن کر سکے کہ ایک ہنس مکھ شہزادے نے جس رویے کا مظاہرہ کیا وہ کیا تھا۔

قارئین! آپ نے شاید نوٹ کیا ہو کہ میں نے پورے کالم میں عدنان کے نام کے ساتھ مرحوم کا لاحقہ نہیں لگایا' صرف اس لئے کہ میں ابھی تک قائل نہیں ہو سکا۔ میں اس دن کو سوچ کر خوفزدہ ہو رہا ہوں جب جہاز کی سیڑھیوں سے دو جھکے ہوئے عمر رسیدہ درخت برآمد ہوں گے اور پھر اسی طرح کے دوسرے جہاز سے سامان کے ساتھ ایک تابوت اترے گا' جس میں ہمارا مسکراہٹوں کا شہزادہ اور دلوں کا راجہ ابدی

Marfat.com

نیند سویا پڑا ہو گا۔ عدنان...... یار تم نے جو بھی کیا اچھا نہیں کیا کیونکہ تم جیسے پر خلوص اور باوفا نوجوان سے اس کی قطعی توقع نہیں تھی۔

آج کے اخبار اہل علم وادب اور ارباب اختیار کے بیانات سے بھرے پڑے ہیں کہ عدنان شاہد کی صحافتی خدمات نہیں بھلائی جا سکیں گی۔ میں کہتا ہوں عدنان شاہد کبھی بھی نہیں بھلایا جا سکے گا۔ میں محترم ضیا شاہد صاحب سے اس بات کا افسوس ہی کر سکتا ہوں کہ اب انہیں محض ایک بیساکھی پر اکتفا کرنا ہو گا۔ اللہ امتنان شاہد کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ آمین...... عدنان! تم نے اچھا نہیں کیا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

محبت بھری ڈانٹ آج تک نہیں بھولا

اکمل وینس

میں نے 99-1997ء سیشن میں بہاالدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ایم اے ماس کمیونیکیشن میں پہلی پوزیشن حاصل کی تو دوسری پوزیشن حاصل کرنے والی ایک طالبہ نے کچھ سٹوڈنٹس کے ساتھ مل کر میرے خلاف کافی پروپیگنڈہ کیا۔ تاہم وائس چانسلر صاحب کی سطح پر انکوائری میرے حق میں کلیئر ہونے کے بعد ستمبر 2000ء میں ''خبریں'' جوائن کیا تو اس طالبہ نے چیف ایڈیٹر جناب ضیا شاہد اور ایڈیٹر جناب عدنان شاہد صاحب کو میرے خلاف کافی خط' فیکس اور ای میلز بھیجیں۔ جس پر جناب عدنان شاہد صاحب نے مجھے انکوائری کیلئے لاہور آفس بلوایا۔ میں اس لمحہ کافی پریشانی کے عالم میں جنرل منیجر ملتان امتیاز گھمن کے پاس گیا اور انکوائری کے بارے میں بتایا تو انہوں نے مجھے حوصلہ دیتے ہوئے کہا کہ عدنان شاہد صاحب کو میں سالہا سال سے بہت قریب سے جانتا ہوں۔ وہ صرف میرٹ پر فیصلہ کریں گے۔ لہٰذا ان سے سیدھی اور سچی بات کرنا۔ امتیاز گھمن کی ہمت افزائی کے باوجود جب 11 فروری 2001ء کو ''خبریں'' آفس لاہور وقت مقررہ پر پہنچا تو کافی ٹینشن میں تھا کہ ایڈیٹر صاحب نہ جانے کیسا برتاؤ کریں' ان کا رویہ کیسا ہو اور وہ میری انکوائری کا کیسا سخت فیصلہ

Marfat.com

کریں؟ جب میں نے پی اے کے ذریعے چٹ بھیجی تو انہوں نے فوراً ہی بلوا لیا۔ میں سلام کرنے کے بعد بیٹھا تو وہ مسلسل ایک فائل کا مطالعہ کرنے لگے۔ میری ٹینشن میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا مگر چند ہی منٹ بعد انہوں نے انتہائی شفیق لہجے میں پوچھا کہ ونیس صاحب آپ کا سفر کیسا گزرا؟ آپ نے کھانا کھا لیا ہے یا نہیں؟ پھر میری خیریت پوچھی اور بعدازاں بطور فورم انچارج میرے کام سے متعلق دریافت کیا۔ پھر اچانک ہی اپنی یونیورسٹی لائف اور زندگی کے دلچسپ واقعات و لمحات بارے بتانے لگے تو میں سوچنے لگا کہ میں انکوائری کیلئے آیا ہوں یا ایڈیٹر صاحب نے مجھے گپ شپ کیلئے بلوایا ہے؟ اسی دوران جناب عدنان شاہد صاحب نے چائے منگوائی اور تقریباً ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد مجھے کہا کہ یار وہ لڑکی مجھے تمہارے خلاف بہت کچھ لکھتی ہے۔ کیا سیشن کے دوران اس سے کوئی لڑائی جھگڑا ہوا تھا؟' میں نے بتایا کہ سر میں مارننگ اور وہ ایوننگ کلاس میں تھی۔ میری اس سے رزلٹ والے دن پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس پر وہ مسکرائے اور کہا کہ چلو چھوڑو کوئی وجہ ہوگی۔ میں نے پوچھا کہ سر آپ نے میری پوزیشن بارے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا تو انہوں نے اپنے سامنے پڑی فائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ سارا ریکارڈ میں آپ کی یونیورسٹی اور علیم چودھری (ریذیڈنٹ ایڈیٹر ملتان) سے منگوا کر چیک کر چکا ہوں۔ میں تو صرف آپ کی صلاحیتوں اور کانفیڈنس جانچنے کیلئے ملنا چاہتا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں جناب عدنان شاہد صاحب نے مجھ سے جس قدر شفقت' محبت اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کیا وہ شاید ہی کوئی اور ایڈیٹر (خصوصاً جو اخبار کے مالک کا بیٹا بھی ہو) کسی کارکن سے کرتا۔ پھر جناب عدنان شاہد صاحب مجھے جناب ضیا شاہد صاحب کے کمرے میں لے گئے اور انہیں بتایا کہ وہ لڑکی پروپیگنڈہ کر رہی ہے یہ بہت اچھا نوجوان ہے' میں نے اسے پرکھ لیا ہے۔ پھر عدنان شاہد صاحب مجھے نیوز روم اور رپورٹنگ سیکشن بھی لے گئے اور

Marfat.com

تمام کارکنوں سے میرا تعارف کرایا۔ جاتے ہوئے کہا کہ اگر گھومنے پھرنے کیلئے لاہور رکنا چاہو تو رہائش کا بندوبست کرادیتا ہوں۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور ان سے اجازت چاہی تو میرے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے مجھے نصیحت کی کہ ''زندگی میں کبھی کسی مشکل سے گھبرانا نہیں بلکہ تمام تر توانائیاں اپنے کام پر خرچ کرنا یہی ترقی کی بنیاد ہے'' میں لاہور سے ملتان واپس آتے ہوئے سارا راستہ جناب عدنان شاہد صاحب کی شخصیت کے سحر انگیز پہلوؤں بارے سوچتا رہا۔ انہوں نے دو گھنٹے کی ملاقات میں مجھے جو اعتماد، تربیت اور حوصلہ بخشا وہ نہ صرف میرے لیے بطور کارکن ایک اعزاز ہے بلکہ وہ ان کی کارکن دوستی کی بہترین مثال بھی ہے۔ جب وہ مئی 2004ء میں صحافت کے جدید رجحانات کے حوالے سے ''خبریں'' ملتان کے کارکنوں کی ٹریننگ ورکشاپ کیلئے تشریف لائے تب بھی انہوں نے سابقہ روایات کے تحت اپنی شخصیت کے انہی قابل تحسین اور ناقابل فراموش پہلوؤں کو ہی دہرایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور ان کے پورے خاندان اور ''خبریں'' کے کارکنوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے' آمین۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

عدن کا مسافر

رسالت فاضل عباسی

پیارے عدنان شاہد اپنے بلند حوصلہ عظیم باپ' نرم دل و شفیق ماں' بھائی پر جان نچھاور کرنے والی اکلوتی بہن' پرعزم نوجوان بھائی' محبت ووفا شعاری کی پیکر رفیقہ حیات' اپنی دو معصوم کلیوں ایک پھول' دوست احباب' رشتہ داروں' ہزاروں کارکنوں اور لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں اپنے چاہنے والوں کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ کر رخت سفر ہوئے۔

عدنان شاہد کے اچانک انتقال کی خبر سن کر مجھ سمیت ہر دل دکھی اور ہر آنکھ اشکبار ہے اور یقین ہی نہیں آ رہا کہ ایک ہنستا مسکراتا چہرہ اور بھرپور شخصیت کا مالک نہایت شفیق اور درد دل رکھنے والا انسان اتنی جلدی ہم سے جدا ہو جائے گا۔ اس عظیم ہستی کے بچھڑنے کا دکھ کسے نہیں ہو گا۔ ان سے جو ایک بار ملا وہ ان کا گرویدہ ہو گیا۔ وہ ایسا گلدستہ تھا جس کی خوشبو ہر سو محسوس ہوتی تھی۔

موت برحق ہے ہر کسی نے اپنی باری پر موت کا ذائقہ چکھنا ہے لیکن جوان اولاد کی موت کا صدمہ والدین اور عزیز و اقارب کے لیے قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ جناب ضیا شاہد کی پوری زندگی ہی دکھوں اور چیلنجوں سے بھری پڑی ہے لیکن ایک ہونہار اور فرمانبردار بیٹے کی جدائی کو بھلانا آسان کام نہیں۔ محترمہ یاسمین شاہد کی صورت میں وہ عظیم ماں جو شفقت و محبت کا اعلیٰ نمونہ ہیں وہ اپنے جگر گوشہ کو کیسے بھول پائیں گی۔ بھائی

Marfat.com

امتنان شاہد‘ بہن ڈاکٹر نوشین عمران اور رفیقہ حیات حمیرا اویس اس عظیم صدمے کو کیسے برداشت کر پائیں گے۔ بیٹا نوفل عدنان اور ننھی کلیاں فجر اور حفصہ اپنے ”پاپا“ کی دفتر سے واپسی کے لیے کس کا انتظار کریں گی‘لیکن کیا کیا جائے انسان تو بالکل بے بس ہے کوئی زور و تدبیر کار آمد نہیں‘ ماسوائے صبر کے اور اللہ ہی ہے جو صبر دیتا ہے۔

عدنان شاہد بیک وقت کئی خوبیوں کی حامل شخصیت تھے‘ایک پیار کرنے والا باپ‘ فرمانبردار بیٹا‘ محبت کرنے والا شوہر‘ بہن بھائیوں پر جان نچھاور کرنے والا بھائی اور سب سے بڑھ کر وہ دوسروں کے لیے درد دل رکھنے والا شفیق انسان‘ لاتعداد خوبیاں اس کی خوبصورت شخصیت کا خاصا تھیں اور انہی خوبیوں کی وجہ سے وہ منفرد تھے۔ ”خبریں“ سے ہمارا رشتہ تو اشاعت کے پہلے روز سے ہی چلا آ رہا ہے لیکن فروری 1999ء کو بطور بیورو چیف پہلی مرتبہ عدنان شاہد مرحوم کی زیر ادارت کام کرنے کا موقع ملا جوان کے اسلام آباد سے لاہور جانے اور دی پوسٹ کے ایڈیٹر بننے تک برقرار رہا بلکہ دی پوسٹ کی ایڈیٹر شپ کے دوران بھی ان کی شفقت و رہنمائی حاصل رہی۔ اس عرصہ کے دوران میں نے محترم عدنان شاہد کو ایک بہترین ایڈیٹر و منتظم اور معاملہ فہم اور دور اندیش پایا۔ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمیشہ دوستی اور محبت کے رشتوں کو استوار رکھا گہری سوچ رکھنے والا‘ پتلا دبلا نوجوان اپنی ذات میں ایک انجمن تھا۔ پہلے خبریں اور پھر دی پوسٹ کی صورت میں ایک کامیاب ایڈیٹر کے طور پر اپنا لوہا منوایا‘ان کے بیباک تجزیوں اور کالموں میں جناب ضیا شاہد کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ محنت اور پروفشلزم تو انہیں ورثے میں ملا تھا۔ عدنان شاہد ہمیشہ بہتر سے بہتر کے متلاشی رہتے تھے‘ اپنے دوستوں اور ماتحتوں سے کھل کر بات کرنے کے عادی تھے اور طنز و مزاح سے ایسا محظوظ کرتے کہ ایڈیٹر اور ماتحت کا احساس ہی نہیں ہو پاتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی بات پر ناراض ہو کر مجھے ہلکی پھلکی ڈانٹ ڈپٹ کی اور تھوڑی ہی دیر بعد پیار و محبت کے اس انداز سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ یار میں تمہیں ملازم نہیں اپنا بھائی سمجھتا

Marfat.com

ہوں ان کی یہ بات میں نے آج تک اپنے پلے باندھی ہوئی ہے۔

دو سال پہلے جناب ضیا شاہد' محترمہ یاسمین شاہد' عدنان شاہد (مرحوم)' ڈاکٹر نوشین عمران' بھابی حمیرا اپنے بیٹے نوفل اور بیٹی کے ہمراہ مری میرے گھر رونق افروز ہوئے۔ گرمی کے موسم میں موسلادھار بارش نے سردی کا ماحول بنا دیا۔ جناب عدنان شاہد کے مووی کیمرے سے پوزیشن لے کر فلمبندی کرنے کا منظر کل کی بات لگتی ہے' سڑک سے گھر پہاڑی راستے پر اترتے چڑھتے' جناب ضیا شاہد اور محترمہ یاسمین شاہد کو پیش آنے والی دشواری سے ہم اندر ہی اندر سے ندامت محسوس کر رہے تھے لیکن جناب عدنان شاہد نے یہ کہہ کر ہماری حوصلہ افزائی کی کہ یار بہت خوبصورت جگہ ہے سڑک بنے گی تو پھر دوبارہ آئیں گے' یہ سڑک تو اب بننے کے قریب ہے لیکن اب ہمیں ان کی میزبانی کرنے کا شرف حاصل نہیں ہو سکے گا۔ ان کی اچھی یادیں ہمیشہ ان کی یاد دلاتی رہیں گی۔ فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی ان کا ہمسفر ہونے اور سیکھنے کا موقع ملا' بلاشبہ عدنان شاہد ایک عظیم صحافی تھے جن کا خلاء پورا ہونے کے لیے ایک مدت چاہیے۔ اپنی محنت اور پروفشلزم کے زور پر آگے بڑھنے والا انسان تھا' اپنی مختصر سی زندگی میں اپنے دامن پر معصیت' مفاد اور نفرت کا کوئی چھینٹا نہیں پڑنے دیا۔ اسلام پاکستان اور حرف کی حرمت پر بھی کبھی حرف نہ آنے دیا' پلک جھپکتے ہی ایک بڑا صحافی ہم سے جدا ہو کر اللہ کا مہمان بن گیا۔ اپنی پوری زندگی اصلاحی تحریروں اور نظریات کی پاسداری کرنے والا عدنان شاہد مرا نہیں بلکہ امر ہو گیا' عدنان عدن کی طرف روانہ ہو گیا ہے جہاں ہر شخص نے جانا ہے۔

عدنان شاہد کی موت پر ہر دل دکھی اور ہر آنکھ اشکبار ہے' ہزاروں نہیں لاکھوں بلکہ کروڑوں ہاتھ ان کی مغفرت کے لیے باری تعالیٰ کے حضور پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پھول کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ (روزنامہ خبریں)

Marfat.com

خوب تر کا متلاشی

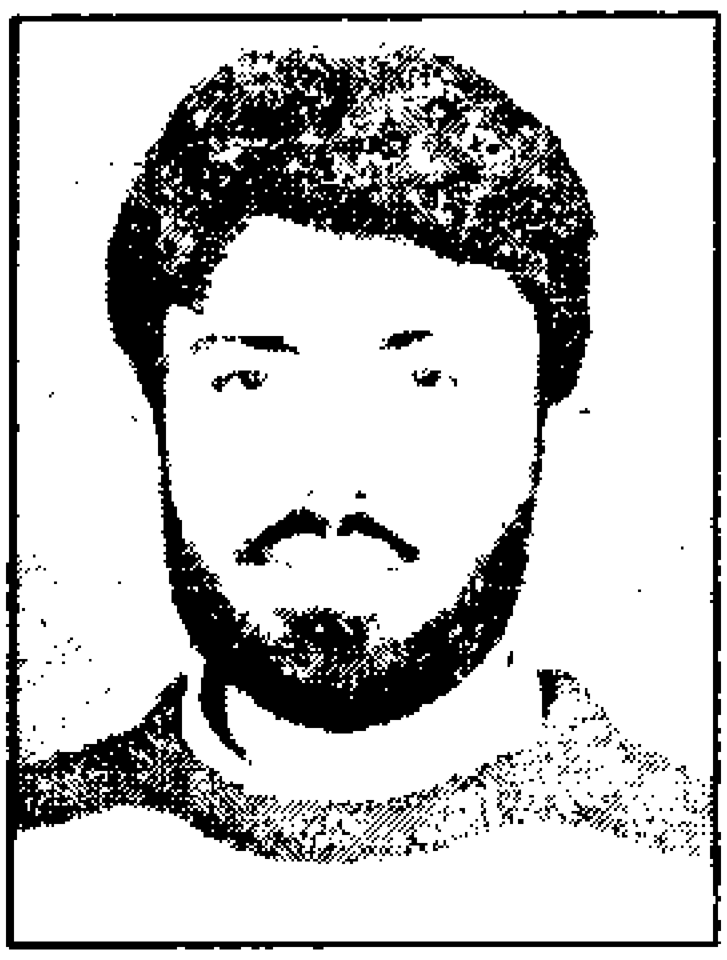

عمار غالب

ہفتے کو صبح سویرے ہی میری والدہ میرے کمرے میں گھبرائی ہوئی آئیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر غم کی پرچھائیاں تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں لیکن کہہ نہیں پا رہی تھیں۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اللہ خیر کرے' میں ہمت کر کے ان سے پوچھنے ہی والا تھا کیا بات ہے کہ بھرائی ہوئی آواز میں اُن کے لبوں سے چند ادھورے الفاظ نکلے۔ عمار بیٹے' عدنان۔ عدنان شاہد اس دنیا میں نہیں رہا یہ سن کر ایک مرتبہ تو مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ پھر میں نے سوچا شاید مجھے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا امی جان' کون دنیا میں نہیں رہا؟ آپ کس کی بات کر رہی ہیں۔ عدنان شاہد تو صحتمند جوان اور بھلے چنگے ہیں' آپ کو شاید مغالطہ ہوا ہے لیکن یہ سچ تھا۔ ایک کڑوا سچ!

جس کسی نے یہ سنا کہ عدنان شاہد انتقال کر گئے ہیں' اس نے یقین نہیں کیا۔ یقین کرتا بھی کیسے' وہ تو ایک ہنستے مسکراتے ہوئے پھول کی طرح تھے لوگ کہتے ہیں کہ عدنان شاہد کی وفات سے صحافتی میدان میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن عدنان شاہد صرف محنتی صحافی ہی نہیں تھے وہ فرماں بردار بیٹے اور وفادار دوست بھی تھے۔ اپنا وقت فضول کاموں اور پیسہ عیاشیوں میں اڑا دینا بگڑے ہوئے رئیس زادوں کا معمول ہے۔ عدنان شاہد چاہتے تو ایسی زندگی اختیار کر سکتے تھے۔ اولاد کے آگے کس کی چلی ہے۔ بوڑھے

Marfat.com

والدین کو آخر ہار ماننا ہی پڑتی ہے لیکن عدنان شاہد نے شروع سے ہی والد کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ وہ سی ایس ایس کرنا چاہتے تھے لیکن ضیا صاحب کو اپنا خواب پورا کرنے کے لئے وفادار اور محنتی ساتھی کی ضرورت تھی۔ عدنان شاہد نے اپنے والد کی خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ عدنان شاہد حقیقی صحافی تھے۔ وہ اپنے کالموں میں حالات و واقعات پر بھرپور انداز سے رد عمل پیش کرتے۔ ضیا صاحب نے اُنہیں جو بھی ذمہ داری سونپی وہ انہوں نے بخوبی نبھائی۔ خبریں گروپ نے اپنے نیٹ ورک میں انگریزی روزنامے کا اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا تو عدنان شاہد نے یہ مشکل بیڑا بھی اٹھایا۔ پاکستان میں آٹھ سو سے زائد اردو اخبارات ہیں لیکن انگریزی اخبار اُنگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ انگریزی اخبار چلانے کیلئے کتنی مہارت اور انتھک محنت درکار ہوتی ہے۔

بڑے آدمیوں کی یہ نشانی ہے کہ وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ایک منزل پر پہنچتے ہیں تو دوسری منزل کا تعین کر لیتے ہیں۔ اُن کی زندگی میں نشیب و فراز بھی آتے ہیں لیکن وہ تند و تیز لہروں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنا راستہ خود بنا لیتے ہیں اور کامیابیوں کے زینے طے کرتے ہوئے آگے سے آگے نکلتے چلے جاتے ہیں۔ دی پوسٹ کا اجراء خبریں گروپ کے لئے بڑے اعزاز کی بات تھی۔ یہ اخبار کسی جاگیردار یا صنعتکار کے بیٹے نے نہیں بلکہ ایک نوجوان صحافی نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر شروع کیا' والدین کی دُعائیں اور رہنمائی بھی ان کے ساتھ تھی اور جسے والدین کی دعائیں نصیب ہوں وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ عدنان شاہد معاشرے میں اپنی الگ شناخت چاہتے تھے' ان کی خواہش تھی کہ وہ صرف اپنے عظیم والد کے حوالے سے ہی نہ پہچانے جائیں بلکہ ان کا اپنا کام بھی ان کی پہچان کی گواہی دے۔

میں نے خبریں میں صرف دو سال گزارے لیکن ان دو برسوں میں مجھے عدنان شاہد کبھی باس نہیں لگے۔ میں نے انہیں ہمیشہ بڑا بھائی' وضع دار اور خوش اخلاق دوست پایا اور میں اس بات پر حیران بھی تھا کیونکہ میں اخباری دنیا میں آنے سے پہلے سمجھتا تھا کہ اخبار کا کام دوسرے شعبوں سے مختلف اور نہایت کٹھن ہے اس لئے یہاں

Marfat.com

مسکرانا بہت مشکل ہے لیکن اس کے بالکل برعکس میں نے عدنان شاہد کو ہمیشہ مسکراتے ہوئے پایا۔ مجھے آج سے کوئی بیس سال پہلے کا زمانہ یاد آرہا ہے جب ضیا صاحب کی رہائش شادمان میں تھی' میں اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ ان کے گھر جاتا تھا۔ عدنان شاہد کو سپورٹس سے بہت لگاؤ تھا۔ ہم ان کے گھر کے صحن میں دیر تک بیڈ منٹن کھیلتے' تھک جاتے تو کمرے میں لڈو جیسی ایک گیم تیمبولا کھیلنے لگتے۔ یہ گیم میں نے پہلی مرتبہ وہیں دیکھی تھی لیکن شاید اب میں یہ گیم کبھی نہ کھیل سکوں کیونکہ اس گیم کے ساتھ عدنان شاہد کی یادیں وابستہ ہیں۔ عدنان شاہد ایسے بیٹے بہت کم والدین کو نصیب ہوتے ہیں، ایسے بھائی بہت کم بھائیوں کو ملتے ہیں اور ایسے شوہر بہت کم بیویوں کے ہوتے ہیں اور ایسے باپ بھی کم ہوں گے موت سے چند روز قبل ہزاروں میل دور بھی وہ اپنے بچوں کو نہیں بھولے تھے۔ انہوں نے لارڈز کی گراونڈ سے ننھے نوفل کے لئے کچھ کھلونے بھی لئے جو آخری وقت تک ان کے پاس تھے۔

عدنان شاہد کے انتقال کو کئی روز بیت چکے ہیں۔ اخبارات میں تعزیتی خبریں اور خصوصی ایڈیشن چھپ رہے ہیں لیکن یقین نہیں آتا کہ وہ کیونکر ہم سے دور جا سکتے ہیں۔ لوگ اکثریت کی بات مانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے ننانوے لوگ کہیں کہ عدنان شاہد اس دنیا میں نہیں اور صرف ایک شخص کہے کہ یہ خبر غلط ہے تو میں اکثریت کی بات کو رد کر دوں گا اور صرف ایک انسان کی بات کو مان لونگا۔ عدنان شاہد زندہ دل انسان تھے اور زندہ دل لوگ کبھی نہیں مرتے۔ جس دن سے عدنان دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اُس دن سے فضا سوگوار ہے' آسمان سے آنسو کی جھڑیاں مسلسل برس رہی ہیں۔ فنا کا جام تو ہر کسی نے پینا ہے۔ موت کی وادی میں سب نے اترنا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ عدنان شاہد اپنے والدین اور صحافت کی شب و روز خدمت کرتے ہوئے اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے ہیں کہ موت بھی اُن کے لبوں سے مسکراہٹ نہ چھین سکی ہوگی۔ (روزنامہ خبریں)

Marfat.com

شرف انسانیت سے مالا مال صحافی

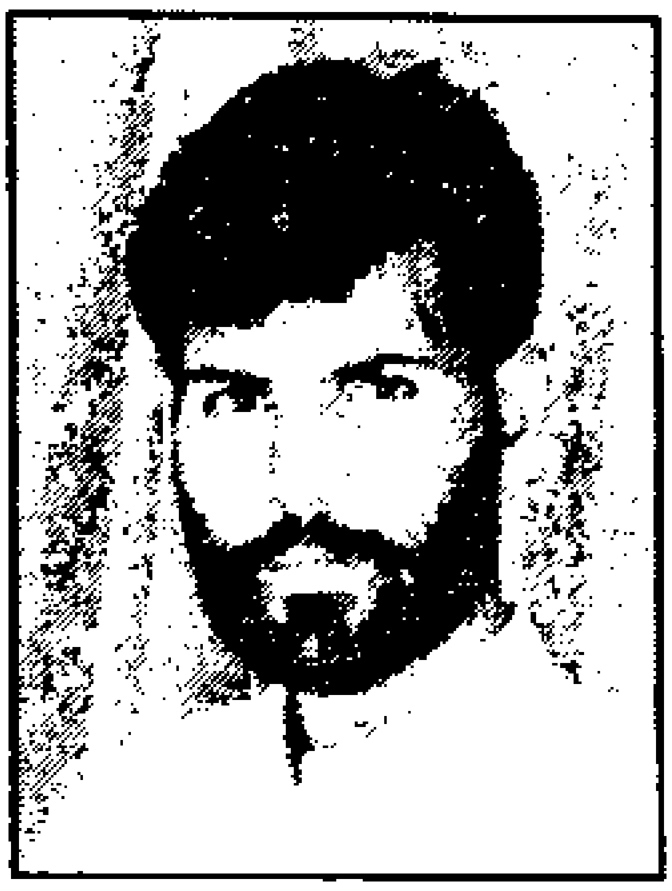

علامہ عبدالستار عاصم

9 اور 10 فروری کی درمیانی شب تقریباً 4 بجے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ فون کھولا تو برطانیہ میں مقیم راقم کے قریبی دوست مسلم لیگی رہنما زبیر گل نے جذبات سے بوجھل غمگین لہجہ میں یہ خبر سنائی کہ "دی پوسٹ" کے ایڈیٹر اور پاکستانی صحافت کے شہ سوار محترم ضیا شاہد کے بڑے صاحبزادے عدنان شاہد اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ زبیر گل نے بتایا کہ عدنان شاہد جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اپنے والد کے ہمراہ لندن میں تھے کہ ہارٹ اٹیک جان لیوا ثابت ہوا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک جواں ہمت، خوش باش اور ہمیشہ مسکرا کر ملنے والا عدنان شاہد اتنی جلدی ہمیں داغِ مفارقت دے گیا ہے۔ وہ عدنان شاہد جس نے ماسٹر کرنے کے بعد "خبریں" کے ایک عام ڈیسک پر بیٹھ کر عملی صحافت کو بالکل ابتداء سے سیکھنا شروع کیا تھا اور ایک صاف ستھرے مکمل اور مؤثر انگریزی اخبار کی اشاعت کے ارادے کو چیلنج تصور کر کے عالمی شہرت یافتہ بڑے انگریزی اخبارات "ہوسٹن کرانیکل" اور "واشنگٹن پوسٹ" کے دفاتر میں جا کر جدید جرنلزم کی عملی تربیت حاصل کی تھی اور پھر جب بڑے بڑے کام کرنے والے ضیا شاہد کے بڑے بیٹے نے کامیابی، خوبصورتی،

Marfat.com

جدت' انفرادیت اور جامعیت سے معمور انگریزی روزنامے "دی پوسٹ" کی اشاعت کا اجراء کیا تو معلوم ہوا کہ عدنان شاہد کی آنکھوں کی خوبصورت' سنجیدہ اور باوقار چمک اس کی ذہانت' وسعت فکر اور پختہ عزم کے راز کی امین ہے۔ عدنان شاہد نے "دی پوسٹ" کے عملہ کو جو منفرد اور معقول ماحول دے رکھا ہے وہ کسی بھی حوالہ سے ایک بڑے اور معقول انگریزی اخبار کے معیار سے کم نہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عدنان شاہد اپنے ماتحت تمام تر عملہ کو ماتحت کہنے کے بجائے اپنے ساتھی یا کولیگ کہتے تھے۔ اس محبت' اپنائیت اور رواداری کا ہی ثمر ہے کہ اس کا تمام عملہ اسے یاد کر کر کے روتا ہے اور کہتا ہے کہ عدنان تو ان کے دلوں پر حکمراں تھا۔

اردو کالم نویسی کے شعبہ میں بھی عدنان شاہد نے نہ صرف اپنا منفرد اسلوب اپنایا بلکہ وطن پرستی اور عوام دوستی کے جو جذبات اسے وراثت میں ملے تھے ان کا اظہار وہ بڑے دل نشیں انداز میں کرتا تھا۔ اس کی تحاریر اس کے خوبصورت ذہن کی عکاس ہیں۔ اپنے جذبات کی عکاس ایک نظم عدنان شاہد کے نام کرتا ہوں۔

میں نے عدنان کی آنکھوں میں فروزاں دیکھی
اس کے نکھرے ہوئے باطن کی چمک
اس کی تحریر کے گلشن میں مہکتی دیکھی
اس کے مہکے ہوئے لہجے کی کھنک
اس کے کردار کے منظر پہ نمایاں دیکھی
عظمتِ آدم خاکی کی جھلک
اس نے قرطاس کے دامن پہ رقم کیا
ایک فن کار کا فن
اس کے احساس کی قوت سے جنم لیتا تھا

Marfat.com

عصر حاضر کی حقیقی مسرت کا چلن
آہنگِ وقت ہے شاہد عاصم
کہ مرحوم کا فن تھا دانش کی پھبن

راقم اپنے صحافتی فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں جب بھی "خبریں" کے دفتر جاتا تو ہر بار عدنان شاہد سے ملاقات کی کوشش کرتا اور یہ کوشش اکثر بار آور بھی ہوتی تھی۔ ملکی حالات اور سیاسی واقعات پر غیر رسمی جملوں کا بھی تبادلہ ہوتا۔ اس کے خیالات پختہ اور وطن دوستی کے جذبات سے سرشار تھے۔ وہ پاکستان کے خلاف نجی محفلوں میں بھی کوئی بات سننے کی تاب نہ لاتا تھا۔ معاشرتی ناہمواریوں کے متعلق اس کا قلم تیغ کی مانند چلتا تھا لیکن ریاست کا وجود اور اس کا استحکام اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ اس کا دل عوام کے ساتھ محبت سے سرشار اور ان کی عظمت سے مخمور تھا اسے اس بات پر بھی کامل یقین تھا کہ پاکستان میں اچھے دن ضرور آئیں گے اور سلطانیٔ جمہور کا دور دورہ ہوگا۔ میرے خیال میں عدنان کا سب سے بڑا وصف یہی تھا کہ وہ ہمیشہ پر امید رہتا تھا۔ اس کے خیالات سے آشنائی کے بعد عصر حاضر کی ناامیدی کے تمام سائے تحلیل ہو جاتے تھے۔ وہ فریب نفس سے پاک اور دوسروں کی خیر خواہی کا چشمہ آب حیات تھا۔ عدنان بھلا کیسے فنا ہو سکتا ہے وہ زندہ رہے گا اور اس کا مسکراتا ہوا چہرہ زندگی کی نوید سناتا اور انسانی محبتوں کی مہمیز لگاتا رہے گا۔

Marfat.com

اپنی شناخت بنا گیا

محمد علی شیخ

عدنان اویس شاہد کی عین نوجوانی میں اچانک موت ایک عظیم صدمہ ہے۔ وہ لوگ بھی اس کی موت سے رنجیدہ ہوئے جو ذاتی طور پر اسے نہیں جانتے تھے مگر ان لوگوں کو الفاظ نہیں مل رہے جو اس سے واقف تھے۔ ان کے دل گہرے دکھ اور غم میں ڈوب گئے ہیں کہ یہ کیا ہو گیا؟ میں نے عدنان کو پہلی دفعہ ضیا شاہد صاحب کے دفتر میں دیکھا۔ ضیا صاحب ان دنوں چوبرجی گرین بلڈنگ کے پاس ایک گھر میں رہتے تھے اور اس گھر سے ملحقہ ایک بڑے ہال نما کمرے میں انہوں نے اخبار کا دفتر بنایا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی گلی میں اخبار کی چھپائی کیلئے ایک مشین بھی لگائی ہوئی تھی۔ مجھے اس دفتر میں ابھی دو دن ہی ہوئے تھے کہ ٹھیٹھ پنجابی میں باتیں کرتا ہوا ایک شخص داخل ہوا۔ اس کے ساتھ دو تین بچے تھے اور وہ ان سے ایسے باتیں کر رہا تھا جیسے وہ ان کا ہم عمر ہو حالانکہ ان بچوں کی عمریں چھ سات سال سے آٹھ دس سال کے لگ بھگ تھیں۔ میں نے چودھری سلیم سے آہستگی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ ضیا صاحب کے ہم زلف میجر (ر) ثاقب ہیں اور ان بچوں میں سے ایک عدنان ہے جو ضیا صاحب کا بیٹا ہے۔ ان بچوں میں سب سے زیادہ سوال و جواب کرنے والا سات آٹھ سالہ عدنان ہی تھا۔ کچھ دیر کے بعد عدنان ہمارے پاس آ کھڑا ہوا۔ میں نے یونہی پوچھا کہ تم بڑے ہو کر صحافی بنو گے؟ اس نے جواب دیا نہیں' میں بہت بڑا آدمی بنوں گا۔ اس کا دفتر میں چلے آنا ایک معمول تھا لیکن یہ معمول کچھ اس طرح کا تھا کہ جب وہ سکول

Marfat.com

سے گھر واپس آتا' کھانا وغیرہ کھا کر چکر لگاتا' دفتر کی رونق دیکھنے اور تھوڑی سی گپ شپ لگانے کے فوراً بعد اسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہونے لگتا اور یہ کہہ کر اب میں ہوم ورک کرنے جا رہا ہوں' دفتر سے ملحقہ دروازے سے گھر چلا جاتا۔ مجھے عدنان کا یہ رویہ اور رجحان بہت اچھا لگتا کہ یہ خود بخود اپنے معاملات پر توجہ رکھتا ہے۔ اس طرح کی تربیت میں باجی یاسمین کا دخل تھا۔

میں نے ملازمت کے ساتھ امپورٹ ایکسپورٹ کی کیٹگری بنوالی تھی۔ پٹیالہ گراؤنڈ ان دنوں پنجاب بھر کے صنعت کاروں کیلئے انڈنٹروں کا گڑھ تھا۔ میرے ایک دوست انیس صدیق نے مجھے کہا کہ اخبار سے تمہارا تعلق کب کام آئے گا؟ ضیا صاحب سے کہو کہ ہمارا ایک کام کروادیں ورنہ ہمیں بہت بڑا نقصان ہوگا۔ میں نے ضیا صاحب سے بات کی اور انہیں منا لیا۔ ضیا صاحب نے گاڑی نکالی۔ عدنان اور میں ان کے ساتھ اسلام آباد روانہ ہوئے۔ راستے میں ضیا صاحب اپنے مخصوص انداز میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ ہم دونوں بھی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اپنا نقطہ نظر بیان کرتے رہے۔ رات کو ہم اسلام آباد مارگلہ کے ایک ہوٹل میں جا ٹھہرے۔ صبح اٹھے تو ضیا صاحب نے سی بی آر جانا تھا۔ عدنان ان دنوں شاید ایف اے کا امتحان دے چکا تھا یا دینے والا تھا۔ میری اس سے کافی گپ شپ ہوئی لیکن اس تمام گفتگو میں اس کا نقطہ نظر یہی تھا کہ وہ اپنی محنت اور لیاقت کے بل بوتے پر ایک بڑا آدمی بننا چاہتا ہے۔

ضیا صاحب نے خبریں اخبار شروع کیا تو مجھے میگزین میں بھیج دیا۔ اسی دن عدنان مجھے بلا کر میگزین کے ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔ وہاں اس کے ہم عمر کلاس فیلو اور دوست بیٹھے ہوئے تھے جن میں محمود مغل بھی شامل تھا۔ ایک لڑکا اٹھا اور گٹار لے کر گانے لگا۔ چند ایک اور نے بھی اپنی آواز کو سریلا ثابت کرنے کی کوشش کی' جن میں عدنان بھی تھا۔ پھر سب نے مل کر گایا۔ یہ ایک طویل وقفے کے بعد عدنان سے

Marfat.com

میری ملاقات تھی۔ اسی دوران عدنان سے گفتگو بھی رہتی۔ میں نے عدنان سے کہا کہ اخبار بڑا پراجیکٹ ہے‘ مکمل طور پر اس پر توجہ دیا کرو۔ اس نے جواب دیا کہ میں کسی چیز کو اپنے اوپر مسلط نہیں کر سکتا۔ میں بہت کچھ سمجھتا ہوں اور کچھ کو سمجھ رہا ہوں لیکن بالکل اپنے انداز میں۔ میں صرف اخبار نویس نہیں بلکہ بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں جس کی اپنی شناخت ہو اور میں اپنی شناخت بناؤں گا‘ وقت کے ساتھ زندگی کو ہلکے پھلکے انداز میں گزارنا چاہتا ہوں۔

میں نے جب عدنان کی وفات کی خبر سنی تو میرے دماغ میں اس کی فلم چلنی شروع ہو گئی۔ وقفے وقفے سے اس سے ملاقاتوں اور اس کی گفتگو میرے سامنے آتی گئی کہ میں بڑا آدمی بنوں گا‘ اچھا آدمی بنوں گا‘ ہلکے پھلکے انداز میں زندگی گزاروں گا اور وقت کے ساتھ اپنی شناخت خود بناؤں گا۔ ایسے لگتا ہے کہ اس نے اپنے کہے کو پورا کیا اور عدم آباد کی طرف جاتے ہوئے بھی اپنی شناخت کو دوگنا کر گیا۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

آہ! عدنان شاہد

محمد مسعود بھسین

اس روز اخبار آیا تو اخبار میں عدنان شاہد کی موت کی خبر پڑھ کر دلی دکھ ہوا۔ بہت دیر تک مرحوم کی تصویر آنکھوں کے سامنے رکھ کر دیکھتا رہا۔ اچانک بڑی بہو نے سوال کیا کہ: اباجی، آج اخبار کے پہلے صفحے کو دیکھ کر کیا سوچ رہے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ بیٹی آج ایک غمگین خبر پڑھ کر اور ایک خوبصورت تصویر دیکھ کر سوچ رہا ہوں کہ دوسروں کی تصویر شائع کرنے والے ایڈیٹر عدنان شاہد کی تصویر شائع ہوئی ہے جو لندن میں دل کا دورہ پڑنے سے اپنے خالق حقیقی کے پاس پہنچ گیا ہے اور سوچ رہا ہوں کہ ضیا شاہد اور یاسمین شاہد کا بیٹا عدنان شاہد اپنے بیمار باپ کو لے کر امریکہ گیا تھا تاکہ اپنے باپ کا علاج معالجہ وہاں سے کروائے اور باپ کو صحت یاب کرانے میں کامیاب ہو کر نیک نامی حاصل کر سکے، لیکن وہ اپنے بیمار والد کو چھوڑ کر وہاں چلا گیا ہے جہاں جانے سے روکنے کے لیے اپنے باپ کو امریکہ کے ہسپتال میں علاج کروانے لے گیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر کرتے ہوئے ضیا شاہد کو تو کچھ وقت زندگی عطا فرما دی مگر ان کے نوجوان فرزند عدنان شاہد کو اپنے پاس بلوالیا ہے۔

عدنان شاہد کی موت سے دونوں بھائیوں کی جوڑی بھی ختم ہو گئی ہے۔ عدنان

Marfat.com

شاہد مرحوم کی والدہ یاسمین بھی بقیہ زندگی اپنے پیارے بیٹے کی تصویر دیکھ کر دکھوں میں ڈوب کر اور اپنے پوتے پوتیوں کی طرف دیکھ کر ان کو دلاسے دے کر زندگی کے ایام پورے کریں گی۔ عدنان شاہد مرحوم کی وفات سے ضیا شاہد کے بیٹوں کی جوڑی ختم ہو چکی ہے۔ "پتراں باج نہ نام، بھائیاں باج نہ جوڑیاں" آئندہ ضیا شاہد اکلوتے بیٹے کے باپ ہوں گے، پہلے وہ دو بیٹوں کے باپ تھے۔ امتنان شاہد بھی اپنے پیارے بھائی کی جدائی سے اکلوتارہ گیا ہے۔

عدنان شاہد مرحوم کی اہلیہ حمیرا اویس بھی بیوہ ہو چکی ہیں اور یہ ان کے لیے زندگی کا بہت بڑا صدمہ بلکہ بڑا امتحان ہو گا جس امتحان کو ساری زندگی پاس کر کے سرخرو ہونا پڑے گا۔ حمیرا اویس اپنی چھوٹی چھوٹی بچیوں اور چھوٹے سے بیٹے کو اپنے شوہر عدنان شاہد کی امانت سمجھ کر پرورش کریں گی۔ عدنان شاہد کی بہن ڈاکٹر نوشین عمران صاحبہ بھی ساری زندگی اپنے پیارے بھائی کی یاد میں روتے ہوئے زندگی کے ایام پورے کرتی رہیں گی۔ عدنان شاہد مرحوم اپنے بوڑھے والدین اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو بہت بڑا صدمہ دے کر اپنے خالق حقیقی کے پاس چلے گئے ہیں۔

1980ء میں اسی مہینے فروری میں میرا چھوٹا بھائی محمد سعید قضائے الٰہی سے وفات پا گیا تھا، اس کی دو سالہ بیٹی تھی، نوجوان بیوی بیوہ کر کے وہ خود جا چکا تھا، میری والدہ مسلسل 23 سال تک روتی اور ایک ہی فقرہ کہتی تھیں کہ بیٹا! میری باری تھی، تو میری باری کیوں لے گیا۔ میں بھی کہتا تھا کہ میں بڑا تھا، میری باری تھی۔ اب عدنان شاہد مرحوم کے والد ضیا شاہد اور مرحوم کی والدہ محترمہ یاسمین صاحبہ یہی فقرہ استعمال کریں گے۔ بیٹا عدنان شاہد ہماری باری تھی اور تم ہماری باری کیوں لے گئے۔

نظام قدرت ہے، جو بھی اس دھرتی پر پیدا ہوتا ہے اس نے ایک نہ ایک دن ضرور موت کا مزہ چکھنا ہے۔ انسان آتا ہی جانے کے لیے ہے۔ انسان کی زندگی کی

Marfat.com

سب سے بڑی محافظ اس کی موت ہوتی ہے لیکن جب اس کو حکم ہوتا ہے وہ ٹل نہیں سکتی، اپنا کام کر کے کسی کو بیوہ، کسی کو یتیم اور کسی کو جدا کر دیتی ہے جو اپنے پیاروں کو یاد کرتے ہوئے دکھوں بھری زندگیاں بسر کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا عدنان شاہد مرحوم بھی ہزاروں ساتھیوں کو غمگین کر کے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور سوگواران کو صبر جمیل عطا فرمائے، ضیا شاہد کو تندرستی عطا فرمائے۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

پیارے عدنان شاہد کے لیے

صدیق اظہر

یہ محض اتفاق نہیں کہ ہماری نئی نسل ہماری کوتاہیوں اور ہماری انتہائی خود غرضی کے باوجود اس معاشرے میں تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے بحران کو قابو کرنے کی کوشش میں دن رات مصروف ہے۔ پاکستان کی موجودہ قومی ابتری کے ذمہ دار ہم ہیں اور اگر کہیں کچھ بہتر نظر آ رہا ہے تو اس کا سہرا اس نوجوان نسل کے سر ہے جس نے نئے اطلاعات نظام میں پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کے قریب کر دیا ہے۔ پاکستان میں اخبارات دنیا کے دیگر جمہوری ممالک کے برعکس "وراثتی ریاست" میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ امر بھی ایک حقیقت ہے کہ اس نے ہماری صحافتی زندگی بہتری کی طرف موڑی ہے۔ ہمارے اشاعتی اداروں میں وراثتی حق سے داخل ہونے والی نئی قیادت نے اپنے کارکنوں کے ساتھ ایک نئے ادارہ جاتی تعلق کی بنیاد رکھی ہے' جو آجر اور اجیر کے ساتھ ساتھ ساتھی ہونے کا احساس بھی دلاتا ہے۔ مجھے عدنان شاہد کے اشاعتی ادارے میں دو مرتبہ کام کرنے کا موقع ملا ہے ایک اس وقت جب اس ادارے کا پہلا اخبار نکالنے کا کام جاری تھا۔ محترم ضیا شاہد کے ساتھ میرے تعلقات نسبتاً بہتر رہے ہیں۔ پہلے دور میں ہمارا ساتھ بہت کم رہا۔ ان دنوں عدنان گورنمنٹ کالج لاہور میں زیر تعلیم تھا۔ وہ کبھی کبھار

Marfat.com

دفتر آتا تھا۔ ایک خوبصورت نوجوان اور متحرک شخصیت وہ مجھے "Angry young" لگتا تھا۔ شاید میرا اس نوجوان کے بارے میں تاثر غلط تھا۔ کیونکہ اس کے دوستوں کا کہنا ہے کہ وہ بہت ملنسار اور پرسکون طبعیت کا مالک تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے اکنامکس کے اس کے ایک ایک کلاس فیلو غفار ڈوگر کا کہنا ہے کہ وہ دوستوں کیلئے محبت اور ایثار کی ایک مثال تھا۔ غفار ڈوگر آج کل سول لائنز کالج میں اکنامکس کے لیکچرار ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ زمانہ طالبعلمی میں انہوں نے گورنمنٹ کالج کی اکنامکس سوسائٹی کیلئے انتخاب میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو ایڈی (عدنان کو پیار سے دوست اس نام سے پکارتے تھے) نے بھی انتخابات میں حصہ لینے کیلئے کاغذات نامزدگی داخل کر دیئے۔ کاغذات داخل کرنے کے بعد کلاس روم میں تعارفی خطاب کرنے کا معاملہ تھا۔ عدنان نے بہت اچھی گفتگو کی اور ساری کلاس اس سے متاثر ہوئی۔ اس کے بعد میں نے تقریر کی۔ عدنان مجھے حیرت سے دیکھتا رہا اور اگلے ہی روز اس نے اپنے کاغذات نامزدگی واپس لے لیے اور مجھے کہا غفار میں کسی دوست سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔ غفار کہتے ہیں میں روزانہ اس اخبار کے دفتر کے سامنے سے گزرتا تھا۔ ہمارا ایک اور کلاس فیلو بھی میرے ساتھ ہوتا۔ ایک روز میں نے اس سے کہا آؤ آج "ایڈی" سے مل لیں۔ اس نے کہا عدنان اب بڑا آدمی بن گیا ہے۔ نہ معلوم ملے گا کہ نہیں۔ لہٰذا اس نے رکنے سے انکار کر دیا۔ اگلے روز دفتر کے سامنے سے گزرتے ہوئے میں رک گیا اور استقبالیہ پر جا کر اپنا نام بتایا۔ ایڈی خود مجھے لینے کیلئے آیا۔ پھر اپنی اہلیہ سے ملاقات کروائی اور ہم تقریباً دو گھنٹے اکٹھے رہے۔ میں نے تیسرے کلاس فیلو کی بات اسے سنائی اس نے اس کا فون نمبر لیا اور اسے کہا "اگر کل تم نے میرے ساتھ کھانا نہ کھایا تو میں سمجھوں گا تم بڑے آدمی بن گئے ہوں" جب میں نے دوسری مرتبہ ضیا شاہد صاحب کے اخبار میں کام شروع کیا۔ اس مرتبہ میں نے صرف کالم لکھنا تھا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میں صرف لاہور کی تقریبات کے حوالے سے لکھوں۔

Marfat.com

میں نے ضیا شاہد صاحب کو بتایا کہ ایسا میرے لیے اس لیے مشکل ہے کہ میں سیاسی اور کبھی کبھار ادبی حوالوں سے لکھنے کی مقدور بھر کوشش کرتا ہوں۔ لہٰذا طے پایا کہ جس روز میں سیاسی حوالے سے لکھوں تو میرا کالم اداریہ کے صفحہ پر شائع ہوگا۔ وگرنہ صفحہ نمبر 2 پر کبھی معاملہ ادھر ادھر بھی ہوتا تو میں خاموش رہتا۔ ایک دوست کے حوالے سے لکھے گئے کالم کے حوالے سے عدنان نے مجھے کہا آپ نے یہ فرمائش پر لکھا ہے۔ عدنان مجھے کم جانتا تھا اور میں بھی عدنان سے زیادہ واقف نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ضیا شاہد کا بیٹا ہے۔ میں ان بچوں کو بیٹا کہہ کر بلاتا ہوں۔ میں نے اس سے کہا بیٹا میں نے ابھی تک کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جو کسی اور کی پسند ناپسند کے حوالے سے ہو۔ عدنان نے اس کے بعد مجھے کوئی دوسرا سوال نہیں کیا۔ اسی طرح بہن یاسمین کے ساتھ بھی میری کبھی کوئی بات نہ ہوئی۔ البتہ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا ایک دو مرتبہ کھانے کا اتفاق ضرور ہوا ہے۔ ان کا چاند ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ ان کے امتحان کب ختم ہونگے؟ ضیا شاہد صاحب کی بیماری نے انہیں نیم جاں کیے رکھا ہے۔ لیکن حالات کے ترکش میں ان کیلئے یہ زہرناک تیر بھی تھا کون جانتا تھا کہ وہ ایک خوبرو ہونہار، ہنستے مسکراتے بیٹے کے ساتھ بیرون ملک اپنے میاں کے علاج کیلئے رخصت ہوئی تھیں مگر اپنا لاڈلا ان سے اسی سفر کے درمیان بچھڑ گیا۔ پوسٹ کے سینئر رپورٹر عامر نفیس نے انتہائی دکھ کی کیفیت میں بتایا کہ میٹنگ کے دوران وہ تمام رپورٹرز کی موجودگی میں کہتا کہ اخبار ہم سب نے چلانا ہے۔ یہ میرے اکیلے کا کام نہیں۔ ہم سب ساتھی ہیں اور اس اخبار کے کارکن۔ کسی کو گلہ تھا کہ عدنان کی سوچ کارکنوں جیسی ہے۔ اب کارکنوں کا فرض ہے کہ اس کے اخبار کیلئے اپنی سوچ عدنان جیسی بنالیں اور اسے کامیاب رکھیں۔ محترم ضیا شاہد اور بہن یاسمین کے غم کا مداوا دلاسہ نہیں دلاسہ تو محض ایک فریب وقت ہے۔

(بشکریہ پاکستان)

☆☆☆

Marfat.com

محبت کرنے والی روح

ڈاکٹر اشرف چوہان

تین ہفتے قبل کی بات ہے' اتوار کی صبح ضیا صاحب کا فون آیا۔ کہنے لگے کہ میں امریکہ علاج اور چیک اپ کے لیے جا رہا ہوں۔ میں اور میری بیگم ان سے ملنے کے لیے گئے۔ ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ضیا صاحب کی صحت پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔ عدنان حسب معمول اپنی مسکراہٹ لیے ہوئے موجود تھا۔ یہ نوجوان مجھے ہمیشہ ہی اچھا لگا کہ اس کے چہرے پر خوشی ہر وقت ناچتی تھی۔ دوسرے لوگوں کی طرح وہ کھلنڈرا نہیں تھا اور اس میں سنجیدگی بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ پہلی نظر میں ہی ایک دانشور لگتا تھا۔ عالمی سیاست سے لے کر صحافت کے جدید رجحانات پر اس کی خاص نظر تھی۔ وہ جب موڈ میں ہوتا تو بہت سے واقعات بھی سناتا۔ اس کے کالم بھی پڑھنے کے لائق ہوتے۔ اس دن بھی عدنان وہاں موجود تھا اور چھوٹی چھوٹی شرارتیں بھی کر رہا تھا۔ ہم ان کے ساتھ ایک گھنٹہ تک رہے۔ ضیا صاحب کہنے لگے کہ میں امریکہ جا رہا ہوں اور 27 جنوری کو واپس آؤں گا اور پھر میرا ارادہ یہاں تین چار روز رہنے کا ہے۔ واپسی پر آپ لوگوں سے تفصیلی ملاقات ہوگی۔ جب 27 جنوری کو وہ لندن نہ پہنچے تو میں نے

Marfat.com

انہیں امریکہ کے دیئے گئے نمبر پر فون کیا' مگر وہ بند تھا۔

یہ 9 فروری' جمعہ کی بات ہے کہ اچانک ضیا صاحب لندن پہنچ گئے۔ جس وقت انہوں نے فون کیا اس وقت صبح کے دس بجے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ابھی امریکہ سے واپس آئے ہیں اور کل صبح یعنی 10 فروری کو وہ واپس لاہور چلے جائیں گے۔ ہم نے باہمی رضامندی سے اگلے دن صبح دس بجے ملاقات کا وقت طے کیا۔ 9 فروری کی شام چار بجے میری ایک بار پھر ضیا صاحب سے بات ہوئی۔ کہنے لگے کہ عدنان تھوڑی دیر پہلے نکلا ہے تاکہ وہ لاہور کے ٹکٹ پر سٹیکرز وغیرہ لگوا سکے کیونکہ ہم دس کی شام کو چلے جانا چاہتے ہیں۔ عدنان ٹکٹ کروانے کے بعد بچوں کے لیے کھلونے خریدتا ہوا واپس آئے گا۔ ہم نے کہا کہ صبح ملتے ہیں' آپ سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور عدنان سے بھی مل لیں گے۔ اگلے دن صبح چھ بجے وجاہت علی خان کا فون آیا۔ کہنے لگے کہ کیا آپ کو علم ہوا کہ عدنان کی کل رات ڈیتھ ہو گئی۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

37 سال کا صحتمند اور ہشاش بشاش نوجوان جو مجھے کل ملا تھا وہ اتنا اچانک اس جہان سے رخصت ہو جائے گا۔ وہ اپنی ماں اور باپ کی امیدوں کا مرکز تھا کہ باپ کی دانش کا پرتو اس میں تھا۔ وجاہت نے مجھے اس حادثے کی مزید تفصیلات سے بھی آگاہ کیا۔ فون سننے کے بعد میں ضیا صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کے پاس گیا۔ دونوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان والدین سے دکھی دنیا میں کوئی انسان نہیں ہوتا' جن کی جوان اولاد ان کی آنکھوں کے سامنے اگلے جہاں سدھار جائے۔

یہ ایک سال پہلے کی بات ہے' جب عدنان اپنے والد کے ہمراہ لندن آیا تھا۔ عدنان نے مجھ سے استفسار کیا کہ میں اسے کسی ٹریول ایجنٹ کے بارے میں بتاؤں جو ان کے آنے جانے کے معاملات میں ان کی مدد کرے۔ میں نے آکسفورڈ سٹریٹ میں اپنے ایک دوست کی ٹریول ایجنسی کا پتہ ان کو دیا تھا اور وہ ان سے ہی ٹکٹ اور سٹیکرز وغیرہ

Marfat.com

لگواتے تھے۔ میں نے باقی کی تفصیلات اس ٹریول ایجنسی سے اکٹھی کی ہیں۔ اس ٹریول ایجنسی کی منیجر کا نام سیما ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ یہ کوئی شام چار بجے کی بات ہے کہ عدنان صاحب اپنی مسکراہٹ کے ساتھ ان کے سامنے موجود تھے۔ انہوں نے سیما کو ٹکٹ دیئے اور خود سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اتر گئے۔ اسی اثنا میں انہیں دل کا دورہ پڑا' جو جان لیوا ثابت ہوا۔ ٹریول ایجنسی نے فوری طور پر ایمبولینس منگوائی اور انہیں ہسپتال منتقل کر دیا گیا' مگر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ سیما نے اس سانحہ کی اطلاع ان کے والدین کو ان کی رہائش گاہ پر دے دی۔ بیمار والدین ساری رات ہسپتال میں رہے' مگر ان کا لاڈلہ بیٹا ایک لمبے سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔

میری جب بھی عدنان سے ملاقات ہوتی وہ مجھے بہت اچھا لگتا۔ جب ضیا صاحب بیمار ہوئے تھے تو وہ بہت متفکر تھا۔ اس نے اس دوران اپنے والد کی جتنی خدمت کی وہ بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ سیما نے بتایا کہ وہ جب ان کے پاس آئے تو اس وقت بھی اپنے والد کے بارے میں متفکر تھے۔ انہوں نے سیما سے کہا تھا کہ ان کے والد کی طبیعت بہت زیادہ ٹھیک نہیں ہے' اس لیے ان کے لیے ہر حال میں کل کی فلائٹ پر نشست کروائی جائے۔ ضیا صاحب کی بیماری کے دوران مجھے اس کی خوبیوں کا علم ہوا۔ وہ اپنے والد سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے اس کے ساتھ ساتھ ان میں فرمانبرداری کی صفت بھی موجود تھی۔ بعض اوقات لگتا کہ وہ اپنی دنیا میں مگن رہنے والا نوجوان ہے۔ جب اس نے دی پوسٹ شروع کیا تھا تو مجھے یاد ہے کہ وہ اسے بین الاقوامی اخبار کے معیار پر لانا چاہتے تھے۔ انہوں نے امریکہ کے معروف اخبار میں جا کر عملی تربیت حاصل کی تھی۔ وہ اپنے اس تجربے کو اپنے اخبار میں استعمال کرنا چاہتے تھے۔

گورنمنٹ کالج لاہور سے فارغ التحصیل اس نوجوان سے پاکستان کی صحافت کو بے پناہ امیدیں وابستہ تھیں۔ ضیا صاحب نے انہیں ہر شعبے میں کام کروایا تھا۔ جنگ

Marfat.com

کے دنوں سے عدنان ان کے ساتھ تھا اور ان کا صحیح شاگرد ثابت ہو رہا تھا۔ اپنے اخبار کے لیے اس نے رات دن ایک کر دیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی دلچسپیوں کا محور اس کا اخبار اور اس کا خاندان تھا۔ اپنے والدین کی خدمت اس نے عبادت سمجھ کر کی۔ اپنے بیوی بچوں سے اس نے ٹوٹ کر محبت کی۔ اپنے کارکنوں کو اس نے عزت دی۔ شاید اسے بہت جلد اپنے ابدی سفر پر روانہ ہونا تھا' اس لیے وہ ہر طرف محبتیں بانٹ اور سمیٹ رہا تھا۔

برطانیہ کے ہسپتال کی حدود کے اندر جو موت ہوتی ہے وہ پوری چھان بین کے بعد ہی میت کو ورثا کے حوالے کرتے ہیں۔ ڈاکٹرز وجوہ تلاش کرتے ہیں کہ کہیں کوئی کوتاہی تو نہیں ہوئی۔ میرے کانوں میں ابھی تک سیما کے الفاظ گونج رہے ہیں وہ کہہ رہی تھی کہ اس دن جب وہ ان کے پاس آئے تو کہہ رہے تھے کہ ضیا صاحب کے لیے سیٹ کا بندوبست کر دیجئے میں بعد میں آجاؤں گا۔ اللہ تعالی اس محبت کرنے والی روح کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ورثا کو صبر جمیل عطا کرے (آمین)۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

نیک دل باس

محمد نعمان

میں نے جناب عدنان شاہد (مرحوم) کے ساتھ ان کے پرسنل اسسٹنٹ کی حیثیت سے تین سال سے زیادہ عرصہ گزارا ہے۔ جب وہ انگریزی روزنامہ دی پوسٹ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے تو وہ مجھے اپنے ساتھ ہی ''دی پوسٹ'' میں لے گئے اور ان کی اچانک رحلت تک میں ان کا پرسنل اسسٹنٹ رہا۔ سچ پوچھیں تو باس کہتے ہوئے کچھ عجیب سا لگتا ہے کیونکہ انہوں نے تو کبھی مجھے یہ احساس ہی نہیں ہونے دیا تھا کہ میں ان کا پی اے ہوں۔ ہمیشہ مجھے بیٹا' بھائی یا پتری کہہ کر مخاطب ہوتے۔ آج جب میں ان کی یاد میں کچھ لکھنے کیلئے بیٹھا ہوں تو ان کے ساتھ گزارے ہوئے ایک ایک لمحے کی تصویر میرے سامنے آجاتی ہے۔ ان کا انداز گفتگو' ان کی زبان کی حلاوت' ان کی معصوم سی مسکراہٹ' انسان اور انسانیت سے پیار' مجھے تو لگتا ہے کہ وہ اس ریاکار' سازشی اور بناوٹی دنیا کے باسی ہی نہیں تھے' وہ تو کسی اور دنیا کی مخلوق تھے۔ جہاں جھوٹ نہیں' ظلم نہیں' صرف پیار ہی پیار تھا۔ عدنان شاہد کے بارے میں مجھ سے پہلے قلمکاروں' کالم نویسوں اور مانے ہوئے صحافیوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ میں نہ تو قلمکار ہوں اور نہ ہی کوئی صحافی۔ سب جانتے ہیں کہ پرسنل اسسٹنٹ اور اخباری لوگوں کے کام میں بہت فرق

Marfat.com

ہوتا ہے اس لیے ہو سکتا ہے میں اپنے تاثرات اس طرح سے بیان نہ کر سکوں جیسے کوئی قدکار کرتا ہے' لیکن میں وہ تو لکھ سکتا ہوں جو میں نے ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے دیکھا اور محسوس کیا' اور میرے یہ الفاظ میرے محسوسات ہی تو ہیں۔ کہتے ہیں کہ انسان کو جب اللہ نے تخلیق کرنے کا سوچا تو انسان کا تصور خالق کائنات کے نزدیک یہی تھا کہ وہ ایک مہربان اور اپنے خالق کا تابع فرمان ہوگا۔ ایسے ہی ایک انسان یا اس سے قریب ترین انسان کی جھلک عدنان شاہد میں تھی۔

کسی بھی اعلیٰ افسر یا کسی بڑے اور مشہور ادارے کے سربراہ کے پرسنل اسسٹنٹ کے فرائض انتہائی مشکل ہوتے ہیں اور ان فرائض کی ادائیگی میں اکثر ایسے لمحات بھی آ جاتے ہیں جب پی اے اور باس کے درمیان اور کوئی نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں کہ شادی سے پہلے بہت ہی بے تکلف دوست اور شادی کے بعد شریک حیات ہی کسی انسان کی زندگی کے پوشیدہ گوشوں سے واقف ہوتے ہیں' اور ایک محاورہ یہ بھی ہے کہ کسی بھی باس کی زندگی کے چھپے گوشوں سے اس کا پرسنل سیکرٹری باقی سب سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ آج جب میں ان کی یادوں کو اپنے الفاظ میں سمیٹنے کی کوشش کر رہا ہوں تو ان کی ایک ایک ادا سے اپنے خالق سے محبت اور عقیدت کی خوشبو آ رہی ہے۔ پاکستان جیسے ملک میں جہاں شرح خواندگی ویسے ہی بہت کم ہے وہاں پہلے سے موجود انگریزی اخبارات کے مقابلہ میں ایک نیا انگریزی اخبار نکالنا کتنا محنت طلب ہے اس کا اندازہ میں نے ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے لگایا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب کبھی انہیں کام سے ذرا سی بھی فرصت ملتی تھی وہ قرآن پاک کا ترجمہ کے ساتھ مطالعہ کیا کرتے۔ وہ ہمیشہ مجھے کہا کرتے کہ نعمان جب بھی قرآن پاک کی تلاوت کرو تو اس کا ترجمہ ضرور پڑھنا تاکہ تمہیں پتا چلے کہ ہمارا رب ہمیں کیا کہہ رہا ہے۔ وہ ہمیں کیا سمجھا رہا ہے۔ وہ ہم سے کس شے کا طالب ہے۔ اس کی ہم سے کیا توقعات ہیں۔ ایک دن کہنے لگے

Marfat.com

نعمان میرے لیے قرآن پاک کی ترجمہ والی سی ڈی لے کر آؤ۔ میں نے اسی دن انہیں قرآن پاک کے ترجمہ والی سی ڈی منگوادی جسے انہوں نے اپنے کمپیوٹر میں ریکارڈ کر لیا اور پھر وہ اکثر ہینڈ فری کانوں میں لگا کر قرآن پاک سنتے رہتے' اور قرآن پاک سننے سے پہلے وہ وضو ضرور کرتے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اس دوران کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔ اللہ سے وہ ہر وقت مدد مانگتے رہتے تھے۔ انہیں کوئی بھی مسئلہ پیش آتا تو وہ رب کے سامنے جھک جاتے۔ جب وہ امریکہ جارہے تھے تو ان کے سوا سب فیملی کے پاسپورٹ امریکی سفارتخانہ اسلام آباد سے ویزا لگ کر آچکے تھے لیکن ان کا پاسپورٹ نہ پہنچ سکا۔ اب پریشانی یہ تھی کہ اگلے دن کی فلائٹ کیلئے سب کی ٹکٹیں کنفرم ہو چکی تھیں۔ اسلام آباد رابطہ کیا تو پتا چلا کہ وقت ختم ہونے کی وجہ سے ان کے پاسپورٹ پر سٹیکر نہیں لگا اس لیے ان کا پاسپورٹ کل لاہور بھیجا جائیگا۔ اگلے دن گیارہ بجے صبح جب امریکن قونصلیٹ لاہور سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ عدنان صاحب کا پاسپورٹ ابھی تک نہیں پہنچا۔ دو بجے پھر فون کیا تو جواب ملا کہ ڈیڑھ بجے جو کوریئر اسلام آباد سے آتا ہے اس میں بھی ان کا پاسپورٹ نہیں ہے۔ اسلام آباد سے معلوم کیا تو ان کا جواب تھا کہ یہاں سے ان کا پاسپورٹ لاہور جا چکا ہے۔ اب حیرانگی اس بات کی تھی کہ امریکی تو اس معاملے میں روایتی سستی کا مظاہرہ نہیں کرتے پاسپورٹ کہاں گیا؟ پریشانی بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ امریکہ میں تو ڈاکٹروں سے تین تین ماہ کا وقت بھی نہیں ملتا' اگر پاسپورٹ نہ ملا اور بروقت امریکہ نہ پہنچے تو ضیا صاحب کے Follow Up Check Up کا کیا بنے گا۔ کیا نئے سرے سے وقت لینا پڑیگا۔ عدنان صاحب نے کہا کہ ابھی رک جاؤ کسی سے رابطہ مت کرو پہلے مجھے اپنے رب سے رابطہ کر لینے دو۔ انہوں نے وضو کیا اور پھر تلاوت قرآن پاک کی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے کہا کہ اب لاہور قونصلیٹ سے رابطہ کرو۔ میں نے جب ان کے پی آر او حیدر حسین کو فون کیا تو انہوں نے کہا کہ

Marfat.com

آپ کا پاسپورٹ ابھی پہنچا ہے۔ میں نے قونصلیٹ سے پاسپورٹ وصول کر کے عدنان صاحب کو دیا تو انہوں نے پھر شکرانے کے نوافل ادا کیے۔

بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ وہ ضرورت مندوں کی اس طرح مدد کیا کرتے تھے کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ کئی مستحق طالبعلموں کی کالج' ہوسٹل یا یونیورسٹی کی فیس اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔ ہر غریب اور ضرورتمند سے شفقت سے پیش آیا کرتے۔ دفتر کے ورکروں کا بہت خیال رکھتے' اگر کسی کی انتہائی غلط حرکت پر کبھی شدید غصے میں ڈانٹ بھی لیتے تو بعد میں اس کا ازالہ کرنے کے مواقع تلاش کرتے رہتے۔ کارکنوں کی غمی میں برابر کے شریک ہوتے اور ان کی پوری مدد کرتے۔ مجھے اکثر کہتے کہ جب بھی کوئی غریب' لاچار یا ضرورتمند شخص کسی کے پاس آتا ہے تو اللہ اپنے بندے کی آزمائش کر رہا ہوتا ہے کہ میں نے اسے جو نعمتیں دی ہیں اس میں سے یہ میرے مسکین بندوں کیلئے بھی کچھ حصہ رکھتا ہے کہ نہیں؟ کھانے میں ان کی کوئی پسند نہیں تھی جو مل جاتا کھا لیتے۔ اکثر کہتے لوگ دو تین سو روپے کا برگر کھا جاتے ہیں' مجھے تم گوگو کا نہیں بلکہ جوجو کا برگر لا کر دو جو صرف پندرہ روپے کا آتا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے گھر کیلئے کچھ منگوانا تھا لیکن ان کا پرس خالی تھا۔ کہنے لگے یار اس پرس میں جو روپے تھے وہ میں شیراز رپورٹر کو کھانے کیلئے دے آیا ہوں مجھے جلدی سے بینک سے پیسے نکلوا کر دو۔

عدنان شاہد اپنے والد ضیا شاہد صاحب (جنہیں وہ چیف صاحب کہا کرتے تھے) سے ان کے دفتر میں ملنے سے گھبراتے تھے۔ جب بھی کبھی ضیا صاحب کی طرف سے بلاوا آتا تو سوچتے ضرور کوئی غلطی ہوئی ہے جو انہوں نے بلایا ہے۔ ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ عدنان صاحب کی ایک ہی کوشش ہوتی تھی کہ کسی بھی طرح ضیا صاحب کو ناراضگی کا موقع نہ دیا جائے۔ ایک دفعہ ضیا صاحب کے پی اے کا پیغام ملا کہ عدنان صاحب کی چیف سے بات کرائی جائے۔ میں نے عدنان صاحب کو جو سٹاف کی میٹنگ

Marfat.com

میں تھے ضیا صاحب کا پیغام دیا۔ انہیں بات کرنے میں کچھ دیر ہو گئی تو ضیا صاحب خود لائن پر آ گئے اور کہا کہ نعمان تم میری عدنان سے بات کیوں نہیں کرواتے!..... میں میٹنگ روم میں گیا اور عدنان صاحب کو ضیا صاحب کی ناراضگی سے آگاہ کیا۔ انہوں نے فوراً بات کی۔ شام کے وقت عدنان صاحب نے مجھے چیف صاحب کی طرف سے آیا ہوا ایک مراسلہ دکھاتے ہوئے کہا کہ ''بچو'' یہ میرے اور تمہارے لیے ہے۔ آئندہ جب بھی وہ بلائیں سب کام چھوڑ کر پہلے ان سے بات کریں گے۔ اس مراسلہ میں لکھا تھا ''کہ آئندہ تم اور تمہارا پی اے میرے وقت کا خیال رکھو گے اور یاد رکھو کہ جب ادارے کا چیف ایگزیکٹو بات کرنا چاہے تو سٹاف کی یا کوئی اور میٹنگ کوئی معنی نہیں رکھتی..... ان کی عادت تھی کہ ضیا صاحب کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ پورا کرتے اور چیف صاحب کو بھی ان پر بے حد اعتماد تھا۔ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات و واقعات پر عدنان صاحب کی گہری نظر تھی۔ ضیا صاحب کو اگر کوئی معلومات درکار ہوتیں تو وہ عدنان شاہد کو کہتے جو انہیں تازہ ترین اطلاعات اور صورتحال سے آگاہ کرتے۔

ماں سے ان کی محبت اور عقیدت کو میں اگر لفظوں میں بیان کروں تو یہ میرے جیسے کم علم کیلئے ناممکن ہے۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو' کوئی ایسا لفظ منہ سے نہ نکلے جس سے ماں کے دل کو دکھ پہنچے۔ وہ اکثر کہا کرتے کہ ''رحمت کی برسات ہے ماں''۔ عدنان شاہد کا کہنا تھا کہ اس دنیا میں جس شخص نے اپنے ماں باپ کی قدر و منزلت کا احاطہ کر لیا سمجھنا کہ اس نے اللہ کی بنائی ہوئی جنت کا اپنی آنکھوں سے نظارہ کر لیا۔ اپنے چھوٹے بھائی امتنان سے بہت محبت کرتے تھے۔ جب آخری سفر کیلئے امریکہ گئے تو وہاں سے جب بھی فون کرتے امتنان صاحب کا ضرور پوچھتے۔ ان کی سالگرہ پر مجھے کہا کہ مونتو کی سالگرہ ہے (وہ پیار سے امتنان صاحب کو ''مونتو'' کہتے تھے) اسے کیا گفٹ کریں۔ میں نے کہا کہ کوئی ایسی چیز جو ان کے پاس نہ ہو' کہنے لگے کہ

Marfat.com

مونتو کے پاس ایک اچھا سا سونی ایریکسن سیٹ ہے اسے کوئی جدید قسم کا BLUE TOOTH گفٹ کرتے ہیں۔ جب عدنان صاحب نے امتنان صاحب سے ان کے سیٹ کا ماڈل پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ان کے پاس Bluetooth موجود ہے۔ پھر سوچنے لگ گئے کہ اب انہیں کیا گفٹ کروں۔

اپنی اکلوتی بہن نوشین باجی سے ان کے پیار کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے ان کی رائے ضرور لیتے۔ اگر کبھی کوئی مسئلہ گھر میں ڈسکس کرنا ہوتا تو پہلے ان سے مشورہ کرتے اور جب وہ ہاں کہہ دیتیں تو پھر چیف صاحب یا بڑی باجی سے بات کرتے۔ ہمیرا بھابی اور اپنے بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ ایک وفا شعار اور مثالی خاوند تھے۔ اولاد سے ہر باپ محبت کرتا ہے لیکن عدنان صاحب کا اپنے بچوں سے پیار وارفتگی کی حد تک تھا۔ ان کی ہر خواہش کو پورا کرتے۔ ان کی تعلیم اور تفریح دونوں کا خیال رکھتے۔ نوفل کیلئے اگر کچھ لاتے تو فجر کی ضد پر اس کیلئے وہی چیز لا کر دیتے۔ کہا کرتے کہ مجھے اس کی ضد اچھی لگتی ہے۔ ننھی حفصہ کو تو وہ اپنی جان سمجھتے تھے اور حفصہ اپنے ابو کے بغیر نہیں رہتی تھی اور پیار سے حفصہ کو HAPPY کہا کرتے اور گھر میں سب سے زیادہ وقت وہ حفصہ کے ساتھ ہی گزارتے۔ اگر حفصہ کو کبھی کوئی تنگ کرتا تو بڑے پیارے انداز سے کہتی کہ میں بابا سے فون پر آپ کی شکایت کرونگی کہ یہ مجھے مارتے ہیں۔ عدنان شاہد چونکہ خود کرکٹ کے آل راؤنڈر تھے اس لیے وہ نوفل کو بھی کرکٹ کا اچھا کھلاڑی بنانا چاہتے تھے۔ اسے عبدالقادر کی کرکٹ اکیڈمی میں داخل کرایا ہوا تھا۔ اکثر اس کی اکیڈمی جاتے اور اسے کھیلتے ہوئے دیکھتے تاکہ بیٹے کے ذہن میں اور زیادہ دلچسپی پیدا ہو۔ ایک طرف اگر وہ بچوں سے والہانہ پیار کرتے تو ساتھ ہی ڈسپلن کے سخت پابند تھے۔ بچوں کو انڈین چینل دیکھنے سے منع کرتے تھے اور انہیں ہر نئی سے نئی ویڈیو گیم منگوا کر دیتے اور انہیں ہر ایک سے باادب رہنے کی تلقین کرتے۔ انگریزی

Marfat.com

اخبار ''دی پوسٹ'' میں کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ اپنے خاندان کے مشورہ پر اپنی رہائش خبریں ٹاور کے آٹھویں فلور میں لے آئے تھے۔ اس لیے فارغ اوقات میں ان کے بچے اکثر ان کے دفتر میں آجاتے اور اگر کبھی کسی بچے سے سٹاف کے کسی چھوٹے سے چھوٹے ورکر سے کوئی بدتمیزی ہو جاتی تو جب تک بچے اس ورکر سے خود جاکر سوری نہ کر لیتے ان سے بول چال بند رکھتے۔ ایک دفعہ نوفل مجھ سے اونچی آواز میں بولا تو کہا یہ آپ کا پی اے نہیں بلکہ بڑا بھائی ہے' چلو Sorry کرو۔

انہیں انگلش موسیقی سے بھی لگاؤ تھا اور وہ بہت اچھا گٹار بجاتے تھے۔ ان کے امریکہ جانے سے پہلے میں ان کیلئے گٹار کے تین سٹینڈ لے کر آیا تھا جو انہوں نے اپنے ٹی وی لاؤنج میں بڑی اچھی لوکیشن پر سجا کر رکھ لیے۔ ''یادیں بس یادیں رہ جاتی ہیں'' یہ گیت وہ اکثر گنگنایا کرتے تھے۔ شاید میں اپنے یہ تاثرات نہ لکھتا لیکن ان کے بیٹے نوفل نے میری ڈائری پر کل ہی ایک فقرہ لکھا ہے جس نے مجھے رلا دیا ہے' اور جو بھی یہ فقرہ پڑھے گا وہ کانپ اٹھے گا۔ نوفل نے لکھا ہے ''عدنان شاہد تمہیں کس بات کی جلدی تھی۔'' میرے پاس نوفل کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے کیونکہ میں تو ٹھہرا ایک کم علم پرسنل اسسٹنٹ۔

عدنان شاہد صاحب کی جو تصویر اخبارات میں چھپ رہی ہے یہ بالکل اسی تصویر کی مانند تھے' فرشتوں جیسی' مہربان مسکراہٹ۔ مجھے ہمیشہ نہایت پیار سے ہر بات سمجھاتے' کبھی کام کا بوجھ نہ ڈالتے' یہ نہیں کہ پانچ کام کرنے کو دیئے تو فوراً ہی پانچ اور بتا دیئے۔ جب بھی کبھی آفس سے باہر جانا ہوتا تو اپنی لوکیشن بتا کر جاتے اور جاتے ہوئے بجائے فون پر اطلاع دینے کے خود راشد رحمان صاحب کے کمرے میں جا کر انہیں اپنے کہیں جانے کا بتاتے اور راشد رحمان صاحب کو ہمیشہ سر کہہ کر مخاطب ہوتے۔ بریانی انہیں بہت مرغوب تھی اور اپنے دوستوں کو بھی بڑے شوق سے بریانی

Marfat.com

کھلاتے۔ دوپہر کو کھانا کم کھاتے تھے۔ میرے پوچھنے پر کہتے کہ یار دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد نیند آنے لگتی ہے اور اگر نیند آ گئی تو کام کیسے ہوگا' اور کام نہیں کریں گے تو اخبار کیسے چلے گا۔

جب کبھی ہلکی بارش کے ساتھ ٹھنڈی ہوا چلتی تو اپنے کمرے کی کھڑکیوں کے بلائینڈ سائڈ پر کر دیتے' کھڑکیاں کھول دیتے اور تازہ اور ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہوتے۔ موسم کی تعریف کرتے' یہ ان کا پسندیدہ موسم تھا اور ان کی تدفین کے دنوں میں بھی یہی پسندیدہ موسم تھا۔ ضیا شاہد صاحب کے دوستوں کا بہت احترام کرتے تھے اور انہیں ہمیشہ سر کہہ کر مخاطب ہوتے اور ان کے دوستوں کو خود لفٹ تک چھوڑنے کیلئے آتے۔ ''دی پوسٹ'' کے سٹاف میں کام کرنے والی خواتین کو اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتے اور سب کے ساتھ احترام سے پیش آتے۔

امریکہ جانے کیلئے آخری سفر پر دفتر سے نکلتے نکلتے انہیں دیر ہوگئی۔ ایئرپورٹ پر چیف صاحب' بڑی باجی نوشین اور امتنان صاحب موجود تھے۔ امتنان صاحب کراچی سے آئے تھے اور وہیں ایئرپورٹ پر رکے رہے کہ امی' ابو' عدنان بھائی سے مل کر ہی گھر جاؤں گا۔ عدنان صاحب نے اپنے سفری سامان کے متعلق رات ہی مجھے کہہ دیا تھا اور میں ان کے سامان سمیت صبح ہی ایئرپورٹ پہنچ چکا تھا۔ سب لوگ ان کے انتظار میں تھے۔ وہ آئے' ایئرپورٹ پر دوستوں سے ہاتھ ملایا اور امتنان شاہد صاحب سے گلے ملے۔ ان کی مونتو سے' بڑی بہن سے اور ایک پرسنل اسسٹنٹ کی اپنے باس سے یہ آخری ملاقات تھی۔

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

اظہار تعزیت

چودھری خادم حسین

کسی بھی والد کی زندگی میں اس کے نوجوان بیٹے کی موت ہو تو اولاد والے اس غم نصیب باپ کی حالت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ اتنا بڑا صدمہ جو محترم ضیا شاہد کو پیش آیا واقعی جانکاہ ہے۔ عدنان شاہد کی اچانک وفات کا جو اثر اور تاثر ہونا چاہیے تھا وہ ہوا۔ تعزیت کے لیے آنے اور نماز جنازہ میں شرکت کرنے والا ہر فرد سوگوار تھا اور ہر ایک کے چہرے سے اس کی دلی کیفیت عیاں تھی' میں نے ایک سے زیادہ بار ضیا شاہد کے پاس جا کر دلی تاثرات بیان کرنے اور ان کے ساتھ تعزیت کی کوشش کی' مگر ہر بار ناکام رہا' مجھے اپنی اس کم ہمتی کا احساس ہے' مجھ میں واقعی اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ جا کر اظہار افسوس کرتا۔ عدنان کی نماز جنازہ کے بعد حاضرین نے ان کے ساتھ تعزیت کی بعض دوستوں نے گلے لگ کر ان کو رلایا اور خود بھی روئے' میں دور سے کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا اور جرأت نہ کر سکا کہ ان کو اور رلا دوں۔

ضیا شاہد ایک سیلف میڈ انسان ہیں' ہفت روزہ کہانی سے روزنامہ خبریں اور دی پوسٹ تک ان کا سفر میرے سامنے ہے۔ ان کے ساتھ خلوص اور محبت کے تعلقات کا دائرہ تین دہائیوں سے بھی زیادہ عرصہ تک پھیلا ہوا ہے۔ جب کبھی کسی تقریب میں

Marfat.com

ملاقات ہوئی وہ دیر تک پیشہ صحافت اور صحافی دوستوں اور ساتھیوں کے حوالے سے گفتگو کرتے رہتے۔

ضیا شاہد نے آزاد صحافت کے علاوہ روزنامہ نوائے وقت اور روزنامہ جنگ میں ملازمت بھی کی اور پھر اکبر علی بھٹی کے ساتھ مل کر روزنامہ پاکستان کا اجراء کیا' یہ اخبار آج محترم مجیب الرحمٰن شامی کی ادارت میں جاری و ساری ہے۔ ضیا شاہد نے روزنامہ پاکستان چھوڑ کر خود اپنا ادارہ بنانے کی ابتدا کی اور روزنامہ خبریں نکالا جو آج واقعی ایک ادارہ بن چکا ہے۔

روزنامہ خبریں کے ادارہ بننے تک کے کئی مراحل ہیں۔ اس کے دوران ہی ان کے بچوں نے تعلیم مکمل کی اور پھر اپنے ادارے سے ہی وابستہ ہو گئے۔ عدنان شاہد اور امتنان شاہد دونوں ہی باپ کا ہاتھ بٹاتے بٹاتے صحافت کی سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب عدنان انگریزی اور امتنان اردو روزنامے کی ادارت سنبھالنے کے اہل ٹھہرے اور والد نے ان پر بھرپور اعتماد کیا' جس پر وہ پورا اترے۔

ضیا شاہد سے یاد اللہ ہی ان کے اہل خانہ کیلئے نیک جذبات کا سبب ہے' ورنہ عدنان شاہد سے بمشکل تین چار ملاقاتیں ہوئی ہوں گی' ایک خوبصورت نوجوان جو تقریبات میں کم بولتا نظر آتا' تاہم ایک سمارٹ سے صحافی کا تاثر ضرور دیتا تھا۔ اس نوجوان کی اچانک موت کے بعد اس کے بارے میں جاننے والوں نے بہت کچھ لکھا اور لکھ رہے ہیں۔ میری مرحوم سے ملاقات اس تقریب میں آخری تھی جو الحمرا ہال میں امن و امان کے حوالے سے ہوئی اور جس میں پولیس کے اعلیٰ حکام کو ادارے کی طرف سے مدعو کیا گیا تھا۔ آواری ہوٹل میں لنچ کے موقع پر سلام دعا ہوئی' عدنان مرحوم نے ادب ہی سے مختصر بات کی تھی۔

قول صادق ہے کہ موت سے کسی کو فرار ممکن نہیں جو آتا ہے اسے جانا بھی ہوتا

Marfat.com

ہے۔ ہر مسلمان کا یہ یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے جو وقت اور گھڑی معین کی وہی سفر آخرت کا لمحہ ہوتی ہے' اس یقین اور حقیقت کے باوجود ہم فانی انسان ہر موت پر صدمے سے دوچار ہوتے ہیں اور پھر صبر بھی وہی ذات دیتی ہے' جو پیدا کرنے اور مارنے والی ہے۔ تاہم جوان اولاد کی اچانک رخصتی تو زندگی بھر خون کے آنسو رلاتی رہتی ہے۔ عدنان شاہد تو اپنے والد' والدہ کے ساتھ خوشی خوشی دیار غیر گیا۔ مقصد والد کا طبی معائنہ کرانا تھا۔ ڈاکٹروں نے یہ سفر باعث برکت قرار دیا اور ضیا شاہد صحت مند قرار پائے' لیکن اجل نے تو کوئی اور ہی راہ دیکھ رکھی تھی' وہ دیار غیر ہی میں بیٹے کو ماں' باپ اور اولاد سے چھین کر لے گئی' کوئی کچھ بھی نہ کر سکا۔ کہتے ہیں کہ مرحوم تو کسی طبی امداد سے قبل ہی خالق حقیقی سے جا ملے۔

محترم ضیا شاہد خود علیل ہیں۔ ان کا صدمہ بہت بڑا ہے' لیکن وہ عملی انسان ہیں۔ اس لیے انہیں تقدیر کے اس لکھے کو بھی اسی اصول سے قبول کرنا ہو گا۔ اپنی صحت اور عدنان کے پسماندگان پر توجہ دیتے ہوئے ایک نئے سفر کے آغاز کی ضرورت ہے' وہ اپنی توجہ کا مرکز نوفل کو بنائیں اور اس کی تربیت شروع کریں۔ اللہ انہیں صحت اور ہمت عطا کرے کہ وہ اس بڑے صدمے کو برداشت کر پائیں اور اپنے بنائے ادارے کو اور مضبوط کریں۔ یقین جانئے یہ الفاظ بھی بڑی مشکل سے گھسیٹے ہیں۔ بشرط صحت اور زندگی' اللہ ہمت دے گا تو آپ سے مل کر بھی دکھ کا اظہار کروں گا۔ ویسے جتنی بڑی تعداد میں لوگ آئے وہ یقیناً صدمہ برداشت کرنے کی ہمت میں اضافہ کا باعث ہے۔

(بشکریہ پاکستان)

Marfat.com

دلوں کا شہزادہ

محمد علی

جونہی ہمیں یہ اطلاع ملی کہ ہمارے محبوب ایڈیٹر' ہمارے دوست محترم عدنان شاہد بیرون دورے سے لوٹ رہے ہیں۔ ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا ہم نے ان کی واپسی کے دن کا انتظار کرنا شروع کر دیا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ دی پوسٹ کے کارکن ایک ایک پل گن کر گزارنے لگے ہم اپنے عظیم المرتبت مدیر کا انتظار کیوں نہ کرتے ان کا تاباں چہرہ دیکھ کر طمانیت میسر آتی تھی۔ ان کے لبوں کا تبسم دی پوسٹ کے ہر کارکن کے جذبوں کو رہنمائی بخشتا تھا کسی کو کیا خبر کہ قسمت میں کیا لکھا ہے اور ہمیں ان کی المناک وفات کی خبر سننی ہے۔

محترم عدنان شاہد کے انتقال پر ملال پر نہ صرف دی پوسٹ کے کارکن بلکہ ہر اس شخص کی آنکھ پر نم تھی جو ان سے زندگی کے کسی بھی موڑ پر ملا ہو۔ عدنان شاہد مرحوم کی شخصیت پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ وہ صبر و وفا' عفو و درگزر' جود و سخا' علم و حکمت' محبت و شفقت' عزم و حوصلہ اور دیانتداری کا مجسمہ تھے لیکن اس اعلیٰ صفات کا حسین مرقع ہونے کے باوجود عجز وانکساری کے پیکر تھے۔ انہوں نے کبھی کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھا وہ عزت واحترام کو اعلیٰ اخلاقی قدر

Marfat.com

سمجھتے تھے وہ سماجی مقام و مرتبے اور عہدوں کے قائل نہیں تھے۔

عدنان شاہد مرحوم ایک عظیم الشان تھے ایک سچے انسان جن کے قول و فعل میں تضاد نہیں پایا جاتا تھا وہ اپنے قول کے پکے تھے۔ عدنان شاہد مرحوم ایک ایسے مخلص دوست تھے کہ جن پر دوستی کا رشتہ بھی رشک کرتا دی پوسٹ کے ایک ایسے رہبر و رہنما تھے کہ انہوں نے کبھی افسرانہ تمکنت یا شاہانہ انداز کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ نرم خو' شفیق' ملنسار شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی رحلت سے ہم سب دل گرفتہ ہیں وہ دلوں پر راج کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں گوناں گوں خوبیوں سے نوازا تھا وہ دلوں پر حکمرانی کرنا جانتے تھے وہ انداز گفتگو سے پوری طرح واقف تھے اور مکمل دیانتداری اور صاف گوئی سے اپنا مافی الضمیر کا اظہار کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔

وہ اکثر و بیشتر نیوز روم میں چلے آتے اور ہمارے درمیان بیٹھ جاتے بعض اوقات ہمارے ساتھ چائے پیتے' یہی نہیں ان کے دروازے ہر کس و ناکس کیلئے ہر وقت کھلے رہتے جس کارکن کا جی چاہتا ان کے پاس جا کر اپنا مدعا بلا جھجک بیان کر سکتا تھا۔

دی پوسٹ سے میری وابستگی کے ابتدائی ایام میں ایک بار محترم عدنان شاہد نیوز روم میں تشریف لائے اور کرسی کھسکا کر میرے ساتھ بیٹھ گئے اور اگلے دن کے ایڈیشن کیلئے اہم سٹوری پر تبادلہ خیال کرنے لگے میں اس صورت حال پر لمحہ بھر کیلئے دم بخود رہ گیا۔ لیکن اگلے ہی لمحے مجھے احساس ہوا کہ میں اپنے باس یا ایڈیٹر کے ساتھ نہیں بیٹھا بلکہ کسی دوست کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کر رہا ہوں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ دنیا میں کوئی صحافی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا کبھی عدنان شاہد مرحوم جیسی شخصیت سے آمنا سامنا بھی ہوا ہو گا وہ احکامات دینے کے عادی نہیں تھے بلکہ تجاویز دیتے تھے نیوز روم میں ہم دوستوں کی طرح بیٹھ کر مختلف خبروں پر اظہار خیال کرتے۔

ایک بار ایک خبر کو فیچر کے انداز میں شائع کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں

Marfat.com

نے یہ خبر مجھے بھجوادی اور میرے لئے تعریف و توصیف کے کلمات بھی ادا کیے۔ مجھے آج تک وہ تعریفی کلمات یاد ہیں جو میرے رفقاء کار نے مجھے بتائے آج میرے سامنے ایک خبر رکھی ہے جو محترم ایڈیٹر صاحب کی جانب سے نہیں بھجوائی گئی بلکہ ان کے بارے میں ہے۔

میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلِ رواں
تھمنے کا نام نہیں لیتا
میرے ہاتھ کپکپارہے ہیں۔
میرا ذہن مبہوت ہے۔
میں اپنے دل کا کرب الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔
غم واندوہ نے میرے ہاتھ شل کر دیئے ہیں۔
لیکن میں اپنے محبوب ایڈیٹر کو خدا حافظ نہیں کہوں گا کیونکہ ان کی یادیں میرے ذہن سے کبھی مٹ نہیں سکتیں۔
میرا دل ان کی یاد سے معمور ہے
عدنان شاہد تا ابد زندہ رہیں گے۔

(دی پوسٹ)

Marfat.com

وہ تیز قدم

محمد فاروق عادل

''تم اتنے تیز قدم کیوں ہو؟'' ہم لوگ اس سے اکثر پوچھتے اور وہ ٹال جاتا۔ بس اسی ٹال مٹول میں تعلق بن گیا' یہ تعلق ایک سفر کی دین تھا۔ اس سفر میں بھانت بھانت کے لوگوں کا ساتھ تھا۔ کئی قبیلے تھے' کئی خیالات اور مختلف عادات۔ اس نفسا نفسی میں عدنان بس ایک تھا۔ سارے مختلف الخیال اس خیال پر متفق تھے کہ ایک بڑے اخبار کا ایڈیٹر اور ایک بڑے باپ کا بیٹا خوب بدمزہ کرے گا مگر عدنان نے اس خیال کو غلط ثابت کیا۔

عدنان سے میرے تعلق کی ابتدا ایک اعتراض سے ہوئی۔ واشنگٹن میں ہمارا دوسرا دن تھا' میزبان ہمیں اس دارالحکومت کی سیر کرا رہے تھے۔ گائیڈ ایک لمبا تڑنگا امریکی نوجوان تھا جس نے shorts پہن رکھے تھے۔ تعارف کا مرحلہ آیا تو یہ گورا عدنان جیسے سیدھے سے نام پر اٹک گیا۔ کئی کوششوں کے بعد اس لفظ کی ادائیگی اس کیلئے ممکن نہ ہو سکی تو عدنان نے اس سے کہا تم ویسے ہی shorts کے عادی ہو' اگر چاہو تو مجھے ''ایڈی'' کہہ لو' یوں گائیڈ کی مشکل آسان ہو گئی۔ میں نے اعتراض کیا کہ یوں کھڑے کھڑے اپنے نام کو بپتسمہ دے دینا کہاں کی شرافت ہے؟ عدنان نے بے

Marfat.com

ساختہ کہا کہ شرافت تو کوئی نہیں لیکن کسی کی مشکل آسان ہو جائے تو حرج بھی کیا ہے' پھر قہقہہ لگا کر اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر دے مارا اور تعلق کی ابتداء ہوگئی۔ یوں میں نے جانا کہ عدنان ویسا نہیں جیسے خدشات تھے۔ مرحوم و مغفور اشفاق احمد فرمایا کرتے تھے کہ حقوق العباد کی ابتداء اور انتہا یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے انسان کو کتنا سکھ دیتا ہے۔ تین ہفتے کے اس سفر میں ہمارا 24 گھنٹے کا ساتھ رہا۔ دوران سفر ایسے مرحلے بھی آئے جب انسان انسان کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے مگر میں گواہی دیتا ہوں کہ تین ہفتے کے دوران عدنان پر ایسی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی۔

ہم لوگ وائٹ ہاؤس کے استقبالیے پر تھے' دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے صدر دفتر میں داخلہ ایک واقعہ ایسا واقعہ' جس میں تہذیب' شائستگی اور تعلق کا جنازہ اٹھ گیا' ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ دوسرے سے پہلے وائٹ ہاؤس میں داخل ہو جائے۔ بھائی لوگ اپنا پاسپورٹ دوسرے کے پاسپورٹ کے اوپر رکھ کر باری لے جانے کے چکر میں تھے۔ استقبالیہ والے یہ حرکتیں دیکھتے اور حیران ہوتے۔ عدنان نے یہ لپاڈگی دیکھی تو پاسپورٹ پکڑ کر خاموشی سے سب سے پیچھے کھڑا ہو گیا پھر کہا' جانا تو سب نے ایک وقت میں ایک ہی جگہ ہے پھر آگے کیا اور پیچھے کیا' اور بے چینی کس بات کی؟

وائٹ ہاؤس میں ہماری ملاقات زلمے خلیل زاد سے ہوئی' جسے اس وقت پاکستان کے رحیم اللہ یوسف زئی کے سوا کوئی اور نہیں جانتا تھا۔ اس ملاقات میں افغانستان زیر بحث تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب نائن الیون ابھی نہیں ہوا تھا۔ افغانستان میں طالبان تھے اور بڑے مزے سے حکومت کر رہے تھے۔ پاکستان اور طالبان کے تعلقات میں کوئی دراڑ نہیں پڑی تھی۔ زلمے خلیل زاد اس بات پر بہت دکھی تھا' نیز اس بات پر کہ پاکستان اسامہ بن لادن کو پکڑوا کیوں نہیں دیتا؟ یہ شخص اس زمانے میں افغانستان کے معاملات پر صدر بش کا مشیر تھا۔ دوران گفتگو جب پاکستان کا تذکرہ آتا تو

Marfat.com

اس کا لہجہ بگڑ جاتا' یوں لگتا گویا اس کا منہ کڑوا ہو گیا ہو۔ ملاقات ختم ہوئی' وائٹ ہاؤس سے واپسی اسی راستے سے ہوئی' جدھر اوول آفس ہے اس طرف ایک لان میں دنیا بھر کا پریس کیمرے لگائے بے چین کھڑا رہتا ہے کہ کسی وقت صدر اچانک برآمد ہو کر کچھ کہہ نہ ڈالے۔ اس مقام پر ہم سب بہت Excited ہو رہے تھے۔ تصویریں بنوا رہے تھے یا بے وجہ قہقہے لگا رہے تھے۔ گویا یہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ان لمحات میں عدنان نے عجب بات کہی اس نے کہا" بھائیو! افغانستان پر مصیبت آئی سمجھو اور اس راستے سے پاکستان پر بھی۔ قہقہے ایک لمحے کیلئے تھم گئے اور لوگ حیرت سے عدنان کا منہ دیکھنے لگے۔ اس قافلے میں ہم دو ایک مسافر ایسے تھے جنہیں اپنی تجزیہ نگاری کا بڑا زعم تھا۔ عدنان نے یہ بات کہی تو کئی آبگینوں پر ٹھیس لگی اور کافی زور سے لگی۔

اب حفظ مراتب کا زمانہ نہیں رہا۔ خاص طور پر ہمارے پیشے میں۔ جس نوجوان کو ابھی قلم پکڑنا بھی نہیں آتا وہ دعویٰ کرتا ہے کہ الطاف گوہر وہی تو ہے۔ ہمارے وفد میں عدنان اس اعتبار سے تو نمایاں تھا کہ وہ "خبریں" کا ایڈیٹر تھا مگر عمر اور تجربے کے اعتبار سے کئی لوگوں سے جونیئر تھا' اور وہ اس حوالے سے سینئرز کو پورا احترام دیتا تھا۔ ہم وائس آف امریکہ کے دفتر سے نکلے تو اس نے اعلان کیا کہ ہمارے وفد کے سربراہ رحیم اللہ یوسفزئی ہوں گے کہ وہی اس وفد میں سب سے زیادہ تجربہ کار اور معمر ہیں۔ پس پردہ کہانی یہ تھی کہ وائس آف امریکہ والوں نے انٹرویو کیلئے عدنان سے رابطہ کیا تھا' بطور ایڈیٹر یہ اس کا جائز حق بھی تھا مگر اس نے اپنی ذات پر سینئرز کو ترجیح دی۔

اپنے ہم عمر یا بے تکلف ہم سفروں کو وہ مرشد کے نام سے پکارتا' سیاٹل میں ایک پاکستانی نے ہمارا سراغ لگایا اور ہمیں ادھر ادھر لیے لیے پھرے۔ ان چہل قدمیوں میں ایک بار نماز کا وقت ہو گیا تو وہ ہم تینوں یعنی عدنان' جاوید چودھری اور مجھے پکڑ کر مسجد میں جا گھسے۔ دیار غیر میں مسجد میں جانا ایک جذباتی تجربہ تھا' ہم مسافروں نے ظہر اور

Marfat.com

عصر ملا کر دو دو فرض بطور قصر ادا کیے اور مسجد کے ''معائنے'' میں لگ گئے۔ عدنان کی نماز طویل ہوتی گئی' ہماری پھبتیوں پر عدنان نے کہا ''مرشد جو کام کرو' پورا کرو۔ نماز کے نام پر بندہ ٹکریں نہ مارے' سجدے کا حق ادا کرے'' عدنان سجدے کا حق کتنا ادا کرتا تھا یہ تو اس کا اور اس کے اللہ کا معاملہ ہے مگر بندوں کے حقوق کے معاملے میں میں نے اس نوجوان کو منفرد پایا اور اس پر رشک کیا۔

عدنان کی خوبیوں پر جائیں تو لگتا ہے گویا یہ کسی بے انتہا سنجیدہ اور خشک انسان کی زندگی کا تذکرہ ہے۔ مگر میں جس عدنان کو جانتا ہوں وہ ایک زندہ دل' ہنسوڑ اور خاص معنوں میں آوارہ نوجوان بھی تھا۔ آوارہ ان معنوں میں کہ ہمارے بھائی بند دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں تو اولاً اپنی مصروفیات میں لگے رہتے ہیں یا پھر ہوٹل کے کمرے میں بند ہو کر فحش فلمیں دیکھتے ہیں۔ عدنان ہمیں کہتا کہ ولائت آئے ہو تو بدبختو! کمروں سے نکلو اور اللہ کی شان دیکھو' اصل میں اس کا ہدف عزیز علوی ہوتا جو کمرے میں چپک کر رہ گیا تھا۔ وہ کمرے میں چپکا رہتا اور ہم بکتے جھکتے جینز اور جوگرز ڈاٹ کر اللہ کی شان دیکھنے نکل جاتے۔ عدنان کی رفاقت میں ہم نے وہ کچھ دیکھا جو اس کے بغیر امریکہ میں کبھی نہ دیکھ پاتے۔ سیاٹل میں ہم نے اگر پیک پائی مارکیٹ دریافت کی تو اس کا سہرا صرف عدنان کے سر ہے۔ یہاں ہم نے اپنی زندگی کے خوشگوار ترین لمحات گزارے۔ وہ ایسا وقت تھا جس میں ہم زندگی کی تمام بدصورتیاں' سارے فکر افکار اور ساری پریشانیاں بھول گئے اور شانت ہو کر ایسے ہلکے پھلکے ہو گئے جیسے ابھی پیدا ہوئے ہوں۔ اور پھر روزی' ایک خوبرو امریکی حسینہ' جو مس ورلڈ کے مقابلے میں شرکت کی آرزو مند تھی' یہ بھی عدنان ہی کی دریافت تھی۔ صرف دریافت ہی نہیں لوگوں کو دوست بنانے کے بے پناہ فن کا شاہکار۔ ہم لوگوں نے اس کی رفاقت میں سیاٹل کا چپہ چپہ چھان مارا' اسے اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا اور خوش ہوئے۔ جاوید چودھری

Marfat.com

ہنس کر کہنے لگا میں تو اس گوری کو اپنا دل ہی دے بیٹھا ہوں۔ عدنان نے کہا حیا کرو یہ دل کے معاملے نہیں ہیں۔ سیاحت کا اصول یہ ہے کہ ملو' خیالات کا تبادلہ کرو اور اس طرح بچھڑو کہ زندگی بھر ایک دوسرے کا احترام دلوں میں بسا رہے۔

عدنان کی زندگی میں چاند کی بڑی اہمیت تھی' پورا چاند دیکھ کر وہ بے قرار ہو جاتا۔ ایل پاسو کی چودھویں کے چاند کی رات مجھے کبھی نہیں بھول سکتی' نہ اس رات کا عدنان میں فراموش کر سکتا ہوں۔ اس رات میں نے جانا کہ اس کھلے ہوئے چہرے پر بکھری ہوئی مسکراہٹ تھوڑی سی حزنیہ کیوں ہے۔ چاند رات میں بے قرار رہنے والے عدنان کا ذہن بڑی تیزی سے چلتا تھا۔ وہ خیالات سنتا یا واقعات کو دیکھتا تو تیزی سے نتیجہ اخذ کر لیتا' چلنے میں بھی وہ بہت تیز قدم تھا۔ میں اس سے اکثر الجھتا اور کہتا کہ یار ہم سے آگے مت نکلا کرو' مگر اب میں نے جانا ہے کہ وہ اتنی جلدی میں کیوں تھا۔ اسے تھوڑے وقت میں بہت کام کرنے تھے۔ وہ تیز قدم تھا اس لیے ہم سب سے پہلے اپنی منزل پر پہنچ گیا۔

(بشکریہ امت)

Marfat.com

عدنان شاہد صحافت کا ''مکبر''

ڈاکٹر ندیم گیلانی

آج سے تقریباً چھ ماہ قبل 14 اگست 2006ء کو آواری ہوٹل میں ''دی پوسٹ'' کی سالگرہ کے موقع پر میری عدنان شاہد سے آخری ملاقات ہوئی تو اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ ہوٹل کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے کہا کہ یار میاں عامر محمود صاحب ابھی تک نہیں آئے ہم نے پروگرام شروع کرنا ہے۔ اگرچہ اس پروگرام میں کئی مقتدر شخصیات مدعو تھیں لیکن وہ کتنے رکھ رکھاؤ والا بندہ تھا اور پھر جب اس نے انگریزی میں تقریر کی تو مجھے اس کی ذات میں چھپا ہوا ایک قائد اٹکھیلیاں لیتا ہوا دکھائی دیا۔ کبھی کبھار فون پر بھی بات ہو جایا کرتی تھی لیکن میں اب جب اس سے ملنے گیا تو آنسوؤں کا ایک قافلہ قطار اندر قطار 30 ہزار سے زائد آنکھوں میں سے بہتا ہوا کسی میر کارواں کو الوداع کہنے جا رہا تھا۔ راہزن اور راہبر میں یہی فرق ہوتا ہے کہ راہزن قافلے کے پیچھے اور راہبر قافلے کے آگے ہوتا ہے اور جو جتنا بڑا راہبر ہو اس کے پیچھے اتنا ہی بڑا قافلہ ہوتا ہے مگر جب کوئی راہبر بنا بتائے چپ چاپ کسی ایک نگری میں قدم رکھ دے جہاں جانا تو مشکل ہوتا ہی ہے مگر واپس آنا ناممکن ہو جائے۔ تو پھر قافلے بکھر جایا کرتے ہیں مگر کچھ راہبر اپنے اندر یہ کمال بھی رکھتے ہیں کہ وہ جاتے جاتے بھی قافلوں کو اتحاد کا درس دے جایا کرتے ہیں۔ انہی راہبروں میں سے ایک

Marfat.com

ہمارا پیارا عدنان شاہد بھی تھا جس نے 37 سال قبل ہماری پیاری بہنا یاسمین کی گود میں آنکھ کھولی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس دن ہزاروں "امتنانوں" کو غم والم کی موجوں سے الجھتے ہوئے پایا۔ کیونکہ وہ اپنے پیچھے اپنا ایک بھائی امتنان ہی نہیں ہزاروں امتنان چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ تنہا سفر کرنے کا عادی تو نہیں تھا مگر خدائے لم یزل نے اسے تنہا سفر کرنے کا اذن دے دیا تھا اور اس نے کمال اطاعت کا نمونہ دکھاتے ہوئے خدائے بزرگ و برتر کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ ننھی ننھی سسکیاں، جوان نالے، ضعیف آہیں اور غمناک آنسو اس کا راستہ نہ روک سکے۔

آنکھوں میں جو ضیا تھی وہ عدنان لے گیا
اک ہوک اٹھ رہی ہے دل یاسمین میں
ٹھہرے گا اس کے سر پہ فلک کیا سکون کا
اس کے جگر کا ٹکڑا سمایا زمین میں

زندگی کے تقریباً 14 سال سے وہ دشت صحافت میں اذانیں دے رہا تھا بڑے بڑے ظالم اس کے قلم کا گھاؤ نہ سہہ سکے۔ ناقابل شکست ظلم و بربریت کے بت اس نے پارہ پارہ کر دیئے۔ کہیں وہ زلزلہ زدگان کی مدد کیلئے رضاکار بن کر پہنچا۔ تو کہیں وہ مختاراں مائی کے ننگے سر پر آنچل دیتے ہوئے دیکھا گیا۔ وہ وقت کے "امام صحافت" کے گھر پیدا ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ صحافت کا "مکبر" بن گیا۔ وہ ایسا خوش نصیب تھا کہ کامیابیاں اس کی قدم بوسی کرنے خود آتی تھیں۔ ماں کا لاڈلا اور باپ کا پیارا عدنان شاہد پاکستان کے غریب، بے کس اور لاچار عوام کی آنکھوں کا تارا ہی نہیں ان کا سہارا بھی تھا۔ بظاہر وہ ایک ماں کا بیٹا تھا لیکن جس دن اس کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کی اس دن مجھ پر یہ راز بھی کھلا کہ کتنی ماؤں کی گودیں اجڑ گئی ہیں اس دن یہ پتہ چلا کہ وہ اکلوتی بہن ڈاکٹر نوشین کا ہی بھائی نہیں تھا بلکہ اس کے جانے سے نا جانے کتنی بہنیں بھائی کی محبت سے محروم ہو گئیں۔ اس دن یہ راز بھی کھلا کہ ہزاروں بے بس اور لاچار لوگ یتیم ہو گئے

Marfat.com

ہیں۔ صحافت کا وہ چراغ جب گل ہوا تو چہار جانب اک شور بپا ہوا کہ لاکھوں گھروں میں اندھیرا چھا گیا ہے اس کے لفظوں کی صدا اقتدار کے ایوانوں میں بھی گونجتی رہی اور انصاف کے بالاخانوں میں بھی، میں سوچتا ہوں کہ وہ جاتے جاتے کتنے سارے لوگوں کو بے سہارا کر گیا۔ اب شائد کئی سالوں تک اس کی کمی محسوس کی جاتی رہے۔

صحافت اس کے مرنے کے بعد اسی طرح موجود رہے گی جس طرح اس کی پیدائش سے قبل موجود تھی لیکن اب اس شخص کی تلاش میں لوگ کب تک بھٹکتے رہیں گے؟ کتنی ہی یاسمینیں گود بھری ہونے کے باوجود عدنان کی کمی ضرور محسوس کرتی رہیں گی۔ جتنے بھی بڑے بڑے فانوس جلا لیے جائیں۔ ضیا شاہد کے دم سے ضوفشاں ہونے والے چراغ کے بجھ جانے سے اس کے گھر میں جو اندھیرا چھایا ہے اسے بقعہ نور میں تبدیل نہ کیا جا سکے گا۔ وہ ایسا چراغ تھا کہ ضیا شاہد کے گھر میں ہی نہیں ہر مظلوم کے تاریک گھر کو روشنی بخشنے کا ہنر جانتا تھا۔ وہ صحافت کا ایسا خزانہ بھی تھا جو خرچ کرنے سے بڑھتا تھا۔ اس کے بچپن کے دوست کہتے ہیں کہ اس میں قائدانہ صلاحیتیں تھیں۔ وہ بالکل سچ کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ سچ اس دن عین الیقین کی حقیقت اختیار کر گیا۔ جب وہ میر کارواں بن کر لحد میں اتر رہا تھا۔

وہ دفن ہوا تو صحافت کا ایک باب دفن ہو گیا۔ وہ چپ ہوا تو ایسا لگا جیسے آواز کا رشتہ ہوا سے ٹوٹ گیا ہو۔ وہ جس ادا سے آیا اسی ادا سے چلا گیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ آئندہ صحافت کی تاریخ میں عدنان شاہد پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر آنے والے بچے کو نہ باجی یاسمین کی آغوش مل سکتی ہے نہ ضیا شاہد کی پدرانہ شفقت، آنے والا نہ تو امتنان شاہد کا بھائی ہو سکتا ہے اور نہ ہی ڈاکٹر نوشین کا بھیا۔ آفرین ہے اس ماں کی گود پر جس میں عدنان شاہد نے پرورش پائی۔ مبارک ہے وہ باپ جس نے عدنان شاہد سا بیٹا پایا۔ یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ نیک اولاد جنت کا پھول ہوا کرتی ہے۔ مجھے اس دن عدنان شاہد کی یاد نے ایک بار پھر تڑپایا جب میں نے قبرستان میں تنویر شاہ کو اپنے

Marfat.com

معصوم اور پھول جیسے بیٹے دانیال حسین کو لحد میں اتارتے ہوئے زخمی شیر کی طرح کراہتے ہوئے دیکھا۔ عدنان شاہد جب تک اس دنیائے فانی میں زندہ رہا وہ ایک پھول کی مانند ماحول معطر کرتا رہا اور وہ پھول جب ہم سب کو داغ مفارقت دے کر ہمیشہ کیلئے موسم بہار میں مرجھا گیا مگر اپنی خوشبو ہم سب کے دل و دماغ کو معطر رکھنے کیلئے ہمیشہ کیلئے چھوڑ گیا۔ ضیا شاہد کے چمن میں لہلہاتا ہوا وہ پھول موسم بہار میں اگرچہ خزاں کا موسم پیدا کر کے زرد پڑ گیا مگر اس کی خوشبو نہ جانے کتنے پژمردہ پھولوں کو شگفتگی سے ہمکنار کرتی رہے گی۔ کچھ لوگ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ عدنان شاہد انہی لوگوں میں سے ایک ہے جو زیر زمین رہ کر بھی زمین پر بسنے والے ہزاروں لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن کر جیتا رہے گا۔ عدنان شاہد اس دن تک زندہ رہے گا جب تک اس کی یاد میں دھڑکنے والا آخری دل کسی سینے میں دھڑکتا رہے گا۔ صحافت کا وہ چراغ گل تو ہو گیا مگر اس کی روشنی تب تک پھیلتی چلی جائے گی جب تک صحافت پر چھائے اندھیرے چھٹ نہ جائیں۔ کیونکہ عدنان شاہد کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے اس کے عزیز واقارب اور دوست احباب تب تک سکھ اور چین کا سانس نہیں لیں گے جب تک عدنان شاہد کی روح کو قرار نہ آجائے۔ میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت تک عدنان شاہد کے درجات بلند کرتا چلا جائے اور امام صحافت ضیا شاہد' باجی یاسمین، امتنان شاہد، بھابھی حمیرا اور بہن نوشین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ہم ضیا شاہد کو کہتے ہیں صحافت کا "امام"
اور صحافت کا "مکبر" بایقیں عدنان تھا
امتنان و یاسمیں، نوشین کہتے ہیں یہ بات
خوبیاں ہی خوبیاں تھیں جس میں وہ انسان تھا

(روزنامہ خبریں)

Marfat.com

یادیں رہ جاتی ہیں

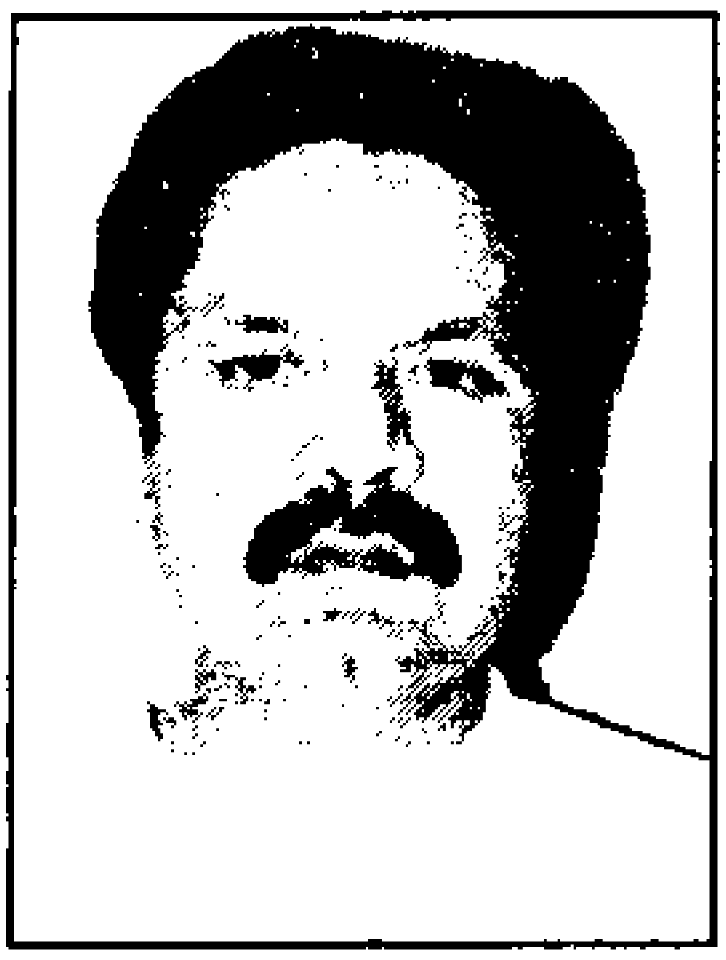

ناصر اسلم راجہ

صرف جیلوں کی کال کوٹھڑیوں میں بند ہی سزائے موت کے قیدی نہیں ہوتے بلکہ پیدا ہونے والے ہر ذی روح کی پیدائش کے وقت ہی اس کی موت کا وقت لکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موت کی ایسی حکمرانی قائم کر دی ہے کہ نہ یہ ظالم دیکھتی ہے نہ مظلوم' نہ بچہ دیکھتی ہے نہ بوڑھا۔ نہ حکمران کو بچاتی ہے اور نہ مزدور کو۔ ہر کسی کو اپنی اپنی باری پر ایسا آدبوچتی ہے کہ زندوں کو حیران و پریشان کر جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ اس نے ایک دن موت کا ذائقہ ضرور چکھنا ہے۔ البتہ موت کی آغوش میں جانے والا وہ شخص بڑا ہی خوش قسمت ہوتا ہے جس کے مرنے کے بعد خلق خدا نہ صرف اس کے حسن سلوک کی تعریف کرتی ہے بلکہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر' جھولیاں پھیلا پھیلا کر' آنسو بہا بہا کے اس کے لیے دعائیں مانگتی ہے۔

ہائے...... عدنان شاہد بھری جوانی میں اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے بہت سے چاہنے والوں کو غمگین کر گیا ہے۔ سب نے ہی جانا ہے لیکن عدنان شاہد اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اس کیلئے ہر کسی کے منہ سے اچھے الفاظ نکل رہے ہیں۔ دعائیں نکل رہی ہیں۔ وہ واقعی بڑے ظرف والا اچھا انسان تھا۔

Marfat.com

یہ ستمبر 1993ء کا ایک دن تھا۔ دریائے اٹک کے کنارے روزنامہ خبریں کی سالگرہ کے سلسلے میں ایک پکنک کا پروگرام تھا۔ خبریں کے چیف ایڈیٹر محترم ضیا شاہد' انتہائی قابل احترام محترمہ یاسمین شاہد' محترم خوشنود علی خان' محترمہ بشریٰ خوشنود' عدنان شاہد' امتنان شاہد' ڈاکٹر نوشین' خبریں کے نیوز ایجنٹ مرحوم فاضل عباسی بھی اس پروگرام میں موجود تھے۔ اور اس محفل میں جمال عبدالناصر جیسا خوبصورت گائیک بھی تھا جو پروفیشنل گلوکار تو نہیں تھا بلکہ خبریں میں سب ایڈیٹر تھا لیکن رفیع کے گائے ہوئے گانوں کو اس خوبصورتی سے گاتا تھا کہ ہر کوئی داد دیئے بغیر نہ رہتا۔ دریا کے کنارے ریت پر خبریں لاہور ہیڈ آفس اور اسلام آباد آفس کے مابین ٹینس بال سے کرکٹ میچ بھی کھیلا گیا۔ لیکن جذباتی قوم ہونے کی وجہ سے اس پکنک کے چھوٹے سے میچ کو بھی دونوں ٹیموں نے انا کا ایسا مسئلہ بنا لیا کہ کئی موقعوں پر ایسا معلوم ہوا کہ اب یہ پکنک ایسے جھگڑے پر ختم ہو جائے گی کہ سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔ لیکن مسکراتے چہرے' گورے رنگ اور قدرتی طور پر سنہرے بالوں والے نوجوان عدنان شاہد نے ہمیشہ اپنی لاہور کی ٹیم کو چپ کرا کے فیصلہ اسلام آباد کے حق میں دیا۔ جو دراصل قربانی کا جذبہ تھا۔ عدنان شاہد کے ان فیصلوں سے نہ صرف ماحول خوشگوار رہا بلکہ کارکنوں کے دلوں میں ان کے احترام میں بھی اضافہ ہوا۔ میچ کے اختتام کے بعد ایک چھوٹی سی محفل موسیقی کا بھی اہتمام تھا۔ دریا کے کنارے ریسٹ ہاؤس کی وہ خوبصورت شام مجھے آج بہت دکھی کر رہی ہے۔ دریا کے بہتے پانی کا شور' ہوا سے پیدا ہونے والی پتوں کی موسیقی اور شرکاء کے لیے پکائے جانے والے کھانے کی خوشبو نے ماحول کو سحر انگیز بنا رکھا تھا۔ محفل موسیقی شروع ہوئی' بطور کمپیئر مختلف فنکاروں کو مائیک پر بلاتا اور وہ اپنے فن کا اظہار کرتے۔ عدنان شاہد کو بھی تھوڑا بہت گانے کا شوق تھا' اور وہ گٹار بھی بجا لیتے تھے۔ میں نے عدنان شاہد کو گانے کی دعوت دی۔ تو پہلے

Marfat.com

انکار کے بعد تالیوں اور کارکنوں کے اصرار کی وجہ سے انکار زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ عدنان شاہد نے کچھ دیر گٹار بجانے کے بعد ایک ایسا گانا شروع کیا جو نوجوانوں میں بڑا مقبول تھا۔ اور عدنان شاہد نے اسے ایک منجھے ہوئے گلوکار کی طرح گایا۔ میرا خیال ہے اس کے بعد عدنان شاہد نے شاید ہی اس طرح کسی محفل میں گایا ہو گا۔ بہر حال اس گانے کی خاص بات اس کی ایک ایسی لائن تھی جسے یاد کر کے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عدنان شاہد نے وہ لائن آج کے لیے ہی کہی تھی۔ گانے کے بول اور وہ لائن (آخر میں) کچھ اس طرح تھی '

پرانی جینز اور گٹار
محلے کی وہ چھت اور میرے یار
وہ راتوں کو جاگنا
صبح گھر جانا کود کے دیوار
وہ سگریٹ پینا گلی میں جا کے
وہ کرنا دانتوں کو گھڑی گھڑی صاف
پہنچنا کالج ہمیشہ لیٹ
وہ کہنا سر کا گیٹ آوٹ فرام دا کلاس
وہ باہر جا کر ہمیشہ کہنا
یہاں کا سسٹم ہے ہی خراب
وہ جا کے کینٹین میں
ٹیبل بجا کے
وہ گانے گانا یاروں کے ساتھ
بس یادیں 'یادیں' یادیں رہ جاتی ہیں

Marfat.com

کچھ چھوٹی چھوٹی باتیں رہ جاتی ہیں

اور جب عدنان کہتے بس یادیں' یادیں' یادیں رہ جاتی ہیں

کچھ چھوٹی چھوٹی باتیں رہ جاتی ہیں

تو سارے کورس کی شکل میں تالیاں بجا کر گاتے

بس یادیں' یادیں' یادیں رہ جاتی ہیں

کچھ چھوٹی چھوٹی باتیں رہ جاتی ہیں

اس کورس میں ضیا شاہد صاحب اور محترمہ یاسمین شاہد صاحبہ بھی شامل ہو جاتیں۔ میں نے یہ بات نوٹ کی کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ تالیاں بجا کر گاتے ہوئے ایک خاص قسم کی خوشی محسوس کر رہے تھے۔ ان کے چہرے کی چمک اپنے ہونہار اور جوان بیٹے کیلئے داد بھی تھی' دُعا بھی تھی اور فخر بھی تھا۔

لیکن کیا کریں اب تو صرف یادیں ہی رہ گئی ہیں' چھوٹی چھوٹی باتیں رہ گئی ہیں۔ جنہیں یاد کر کے ہم سب اداس ہیں۔ وہ یادیں آنسو بن کر آنکھوں سے بہہ رہی ہیں اور لبوں پر دعا ہے کہ اے میرے رب اپنے پیارے حبیبؐ کے صدقے عدنان شاہد کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرما اور مرحوم عدنان شاہد کے والدین' بیوی بچوں اور عزیزوں کو صبر عطا فرما اور عدنان شاہد کی سب سے پیاری نشانی نوفل کو ایسی صلاحیتیں عطا فرما۔ ایسے اچھے اخلاق عطا فرما اور ایسی اچھی کامیابیاں عطا فرما کہ آنے والے وقتوں میں اسے دیکھ کر ہر کسی کے لبوں پر عدنان شاہد کیلئے دعائیہ کلمات نکلیں۔

(بشکریہ روزنامہ اذکار)

Marfat.com

جوانمرگ...... عدنان شاہد

ریاض الرحمان ساغر

دکھ مجھے بھی ہوا ضیا شاہد
تیرا بیٹا گیا' ضیا شاہد
اس کو دیکھا تھا جب وہ چھوٹا تھا
جانے کیوں عمر کا وہ کھوٹا تھا
اس قدر جلد ساتھ چھوڑ گیا
تیرا پیار ہاتھ چھوڑ گیا
خیر! وہ لوٹ کر نہ آئے گا
عمر بھر غم تجھے رلائے گا
یہ جو اک چیز صبر پیہم ہے
زخم کا تیرے بس یہ مرہم ہے
نام پر اس کے اک ٹرسٹ بنا
نوجوانوں کی مشکلوں کو مٹا

Marfat.com

اس کے بھائی کو اس مہم پہ لگا
صبر کے ساتھ یہ ثواب کما
نوجوانوں کے کچھ مسائل ہیں
اگرچہ زندہ ہیں غم سے گھائل ہیں
مسئلے نسل نو کے حل کردے
نیک کچھ فیصلے اٹل کردے
تجھ کو اللہ نے ہے دی توفیق
دل ترا اور کردیا ہے رقیق
یاد کر تیری ابتدا تھی کیا
تجھ پہ پھر رحمت خدا تھی کیا
ہو جاتی ہے آدمی سے خطا
در توبہ مگر ابھی ہے کھلا

(بشکریہ نوائے وقت)

Marfat.com

ہوش سنبھالتے ہی پہلی شناسائی صحافت سے ہوئی: عدنان شاہد

روزنامہ خبریں کا آغاز 26 ستمبر 1992ء میں ہوا۔ ''خبریں'' کی 12 ویں سالگرہ کے موقع پر اس وقت خبریں کے ایڈیٹر جناب عدنان شاہد سے طارق حمید' زاہد گوگی اور سجاد کریم انجم نے ایک انٹرویو کیا جو 26 ستمبر 2004ء کے سنڈے میگزین میں شائع ہوا۔ عدنان شاہد مرحوم کا یہ پہلا اور آخری انٹرویو تھا' جو انہوں نے اپنے اخبار کیلئے دیا۔ سطور ذیل میں یہ انٹرویو اس یادگاری کتاب میں شامل کیا جارہا ہے۔ (مرتبین)

12 برس قبل روزنامہ خبریں شروع ہوا تو جناب ضیا شاہد کی ولولہ انگیز قیادت میں کارکن صحافیوں نے وطن عزیز میں صحافت کے حوالے سے ایک نئی تاریخ رقم کرنے کی داغ بیل ڈالی۔ ابتدائی دور میں ہی جناب ضیا شاہد کے بڑے صاحبزادے عدنان شاہد' جو آج خبریں کے ایڈیٹر کے اہم عہدے پر فائز ہیں' نے بھی اس ٹیم میں شمولیت اختیار کر لی اور کافی حد تک انتظامی امور سنبھال لیے حالانکہ ابھی اس وقت وہ گورنمنٹ کالج میں ایم اے اکنامکس کے فائنل ایئر میں تھے۔ خبریں کی بارہویں سالگرہ کے حوالے سے جناب ضیا شاہد کے صاحبزادے عدنان شاہد کا انٹرویو کیا گیا جو یوں ہے۔

خبریں: سب سے پہلے تو ہم آپ کو مبارکباد دیں گے کہ جو پودا جناب ضیا شاہد نے لگایا تھا آج تناور درخت بن چکا ہے اور ہزاروں کارکنوں کے علاوہ بہت سے مظلوموں کو بھی سایہ فراہم کیے ہوئے ہے صرف 13 برس میں اتنی بڑی کامیابیوں پر آپ کیا

Marfat.com

محسوس کرتے ہیں؟

عدنان شاہد:۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آج ہم اس پوزیشن پر کھڑے ہیں۔ ابتدائی دنوں میں تو صورتحال یہ تھی کہ ایک تو مالی وسائل نہ ہونے کے برابر تھے پھر مشین کے پرنٹنگ رزلٹ نے پہلے ہفتے میں جو حال کر دیا تھا' ایسا لگتا تھا کہ یہ سارا پراجیکٹ زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ بھی نہیں چلے گا۔ بہرکیف ہماری ٹیم نے بہت محنت کی اور اللہ کی مہربانی سے ہمیں کامیابیاں ملتی چلی گئیں۔ جہاں تک ان کامیابیوں کا تعلق ہے تو اچھا محسوس ہوتا ہے اور اپنے مشن ''جہاں ظلم وہاں خبریں'' کو مزید وسعت دینے کیلئے حوصلہ بھی ملتا ہے۔ شروع میں ہمارا ادارہ صرف دو سٹیشنوں لاہور اور اسلام آباد پر مشتمل تھا۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ پرنٹنگ مشین سیٹ نہیں ہو رہی تھی۔ سٹاف بھی بالکل نیا تھا اور سیٹ نہیں ہو رہا تھا بہت سے انتظامی معاملات تھے مگر آہستہ آہستہ کام بہتر ہوتا چلا گیا۔ کارکنوں کی اچھی ٹیم بھی بن گئی جس نے بہت محنت کی پچھلے بارہ برسوں میں بعض لوگ ہمیں چھوڑ بھی گئے مگر ہم ان کے کام کو اور انہوں نے ہمارے ساتھ جو تعاون کیا اس کی قدر کرتے ہیں۔

خبریں:۔ جناب ضیا شاہد زیادہ تر نوجوانوں پر انحصار کرتے ہیں لیکن ان کی سوچ کی ''سپر سانک'' رفتار اور ان کے پیٹرن کو فالو کرتے ہوئے نوجوانوں کا بھی دل پھول جاتا ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے ان کے زیر سایہ کام کرتے ہوئے اتنا کچھ سیکھ لیا یا انہوں نے آپ کی اس حد تک تربیت کر دی ہے کہ آپ ان کے قدم سے قدم ملا کر چل سکتے ہیں؟

عدنان شاہد:۔ اس حقیقت سے تو میں بھی انکار نہیں کر سکتا کہ میں یا کوئی اور ضیا صاحب کی سوچ کی رفتار کے ساتھ چل سکتا ہے اور اس عمر میں جتنی محنت وہ کرتے

Marfat.com

ہیں اتنی محنت ہی کر سکتا ہے۔ ہم ان جیسا بننے کی کوشش ضرور کرتے ہیں جہاں تک نوجوانوں پر انحصار کی بات ہے تو میں جب ایم اے فائنل ایئر میں تھا ایک روز میں "خبریں" آیا۔ اس وقت اخبار ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ مشینری اور دوسری دفتری اشیاء خریدی جارہی تھیں۔ میں ضیا صاحب کے کمرے میں گیا تو انہوں نے پوچھا آپ کو کالج سے چھٹی کب ہوتی ہے۔ میں نے کہا ساڑھے بارہ بجے۔ اس پر انہوں نے کہا آپ کو 1 بجے سے لیکر 9 بجے تک یعنی آٹھ گھنٹے دفتر کو دینے چاہئیں۔ میں سمجھا کہ شاید انہوں نے رواروی میں یہ بات کی ہے لیکن جب اگلے روز میں دفتر گیا تو استقبالیہ پر مجھے میرا کنٹریکٹ لیٹر مل گیا۔ میں اسے لے کر دفتر میں چلا گیا۔ وہاں گھنٹہ بھر دفتر کے ساتھیوں سے گپ لگائی اور گھر چلا گیا۔

رات کو کھانے کی ٹیبل پر میری ضیا صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے میری ٹھیک ٹھاک "کلاس" لی۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ یہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ بعد ازاں انہوں نے مجھے کہا کبھی اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ آپ محض چیف ایڈیٹر کے بیٹے ہو۔ آپ دفتر کے کارکن ہو اور دفتری ڈسپلن کی پابندی ہر کارکن کیلئے ضروری ہے۔ آپ ڈسپلن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بغیر اطلاع کے کیوں غائب ہو گئے۔ پھر میری سمجھ میں آیا کہ میں باقاعدہ خبریں کا کارکن بن چکا ہوں۔ پھر کیا تھا۔ دفتر شروع نہیں ہوا تھا اور اتنا کام ہوتا تھا کہ سر کھجانے کی فرصت نہ ہوتی تھی۔ خبریں کے پہلے جنرل منیجر ابراہیم راے صاحب میرے دفتر آنے سے قبل کام کا ڈھیر لگا دیتے جو مجھے ہر حال میں نمٹانا ہوتا تھا۔ یہ ٹریننگ ہے جو ہمیں ملی۔ ڈانٹ تو اتنی پڑی کہ شاید ہی کسی کو پڑی ہو۔ عظیم نذیر صاحب یا عبدالجبار صاحب بھی اس حوالے سے مجھ سے پیچھے ہی ہوں گے۔

Marfat.com

خبریں:۔روزنامہ خبریں کا مزاج سیاسی اور نیا اخبار کا مزاج ''تھوڑا سیاسی'' اور زیادہ تر واقعات کی رپورٹنگ والا ہے؟ عوام سیاسی اور غیر سیاسی خبروں میں سے کسے زیادہ ترجیح دیتے ہیں؟

عدنان شاہد:۔ سیاست تو ہر جگہ ہوتی ہے۔ اخبار کوئی بھی ہو لوگ تازہ ترین سیاسی واقعات' رجحانات اور اہم سیاست دانوں کا پولیٹیکل ڈویلپمنٹ پر رد عمل پڑھنا چاہتے ہیں۔ البتہ بعض چھوٹے یا بڑے سیاسی رہنما محض خبروں میں دکھائی دینے کیلئے بیان بازی کرتے رہتے ہیں۔ ایسی بیان بازی کے بجائے ہم اہم واقعات اور خبریں چھاپنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

خبریں:۔ ضیا شاہد صاحب نے روزنامہ پاکستان کا اجرا کیا تو اس میں پہلی بار مکمل طور پر ایک انٹرنیشنل صفحہ شامل کیا۔ یہ رجحان بعد میں عام ہو گیا۔ کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ لوکل اور قومی خبروں کے مقابلہ میں بین الاقوامی خبریں زیادہ حاوی ہو گئی ہیں؟

عدنان شاہد:۔ ایک چیز سمجھنی ضروری ہے کہ کسی اخبار میں کیا چیز کتنی ہونی چاہئے۔ ایک وقت وہ تھا جب ٹیلیویژن صرف مقامی سٹیشن چلتے تھے پھر ڈش انٹینا سے سی این این آنے لگا۔ اب یہ عالم ہے کہ کیبل کے ذریعے ٹیلیویژن پر 19 غیر ملکی نیوز چینل آ رہے ہیں۔ ہر چینل اپنے طور پر خبروں کو پیش کرتا ہے۔ ٹیلیویژن کے ذریعے بین الاقوامی خبریں چھا گئی ہیں انہیں اب کوئی اخبار نظر انداز نہیں کر سکتا۔ قاری اب ملک سے باہر کے حالات بھی جاننا چاہتا ہے۔ اس کی ضرورت پوری نہ کرنا حماقت ہو گی۔ آپ دیکھیں کہ اس مقصد کیلئے ہمارے واشنگٹن' نیویارک' لندن' ہانگ کانگ' پیرس اور ناروے وغیرہ میں نمائندے کام کر رہے ہیں۔ ہم افغانستان اور عراق میں بھی نمائندے مقرر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

Marfat.com

خبریں:۔ کیا آپ بر وقت صحافت میں آئے؟ یا آپ کے نزدیک آپ کو جلد آنا پڑا اور وہ سنہری دور جو جوانی کہلاتا ہے آپ اسے بھرپور طریقے سے انجوائے نہیں کر سکے؟

عدنان شاہد:۔ میں تیسری جماعت میں تھا تو ہمارے گھر کے ایک حصہ میں ایک پریس نصب تھا جس پر ہفت روزہ صحافت چھپتا تھا۔ اس طرح ہوش سنبھالنے پر میری صحافت سے شناسائی ہوئی۔ میری پہلی یادداشت بھی پرنٹنگ مشین کے ساتھ کھیلنے کی ہے۔ ہم چھوٹے بچے تھے۔ ایک بار میں اور باجی نوشین جھولا جھولنے کیلئے چالو حالت میں پرنٹنگ مشین پر چڑھ گئے تھے اس پر کافی ڈانٹ پڑی تھی۔

خبریں:۔ آپ اپنے بچوں کو بھی صحافی بنانا چاہیں گے؟

عدنان شاہد: میں بچوں کو صحافت میں لانا چاہتا ہوں مگر یہ تو آنے والے وقت کی بات ہے۔ میری خواہش تو یہی ہے مگر پھر بچوں کی مرضی بھی دیکھنا ہوگی۔

خبریں:۔ ماضی میں اخبارات کے مالکان اخبار فروشوں کو اپنا لیڈر مانتے تھے اور ان سے مشورے لیا کرتے تھے۔ اب یہ رجحان دکھائی نہیں دیتا۔

عدنان شاہد:۔ پہلے ذرائع بہت کم تھے اور فیڈ بیک کیلئے اخبار فروشوں پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اب تو ہر گھر میں ٹیلیفون اور انٹرنیٹ تک ہے۔ ہر شخص کے پاس موبائل فون ہے۔ اخبار کا قاری فوری طور پر ایڈیٹر اور چیف ایڈیٹر کو اپنی پسند و ناپسند سے آگاہ کر دیتا ہے۔

خبریں:۔ اخبار کے علاوہ آپ کے مشاغل کیا ہیں؟

عدنان شاہد:۔ مجھے کتابیں پڑھنے کا شوق ہے۔ میری تنخواہ کا بڑا حصہ ہر قسم کی کتابیں خریدنے میں خرچ ہو جاتا ہے۔ کوئی کتاب سامنے نہ ہو تو انسائیکلو پیڈیا ہی پڑھنے لگتا ہوں۔ آج کل امریکہ میں لکھی جانے والی سیاسی کتابیں پڑھ رہا ہوں۔ مجھے پرانی

Marfat.com

تہذیبوں خاص طور پر مصر کی تہذیب کے بارے میں لٹریچر بہت پسند ہے۔ اچھی فلم دیکھنا میری کمزوری ہے۔ پاکستانی فلم نہیں دیکھتا۔ کبھی کبھار کسی کے کہنے پر شاید دیکھ لوں مگر بھارتی فلمیں تو بالکل نہیں دیکھتا۔ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کامیڈی فلمیں پسند ہیں۔ میری سب سے پسندیدہ واٹر گیٹ سکینڈل پر بننے والی فلم ہے۔ میں کرکٹ بھی کھیلتا ہوں۔ گورنمنٹ کالج میں تعلیم کے زمانہ میں انگریزی میں شاعری بھی کی۔ مجھے انگریز شاعر ٹیڈ ہیوز بہت پسند رہا۔ میں فیض احمد فیض کا مداح ہوں اور اشفاق احمد میرے پسندیدہ ادیب رہے ہیں۔

خبریں:۔ آپ نے کبھی تفریح کیلئے طویل چھٹیاں کیں؟

عدنان شاہد:۔ بالکل بھی نہیں مجھے تو شادی پر بھی صرف پانچ روز کی چھٹی ملی تھی جس روز میری رسم مہندی تھی اس روز شام تک دفتر میں کام کر رہا تھا۔ گھر سے بار بار بلاوا آ رہا تھا۔ یہی حالت امتنان صاحب کی تھی۔ انہیں بھی اپنی شادی پر صرف چھ روز کی چھٹی ملی تھی ہمارے ہاں ہنی مون وغیرہ منانے کا کوئی تصور ہی نہیں۔

خبریں:۔ ہر شخص کو تعلیم و تربیت اور زندگی کو سنوارنے میں ماں کا بھی بہت اہم کردار ادا ہوتا ہے۔ آپ اپنے تاثرات بتانا چاہیں گے؟

عدنان شاہد:۔ یہ حقیقت ہے کہ میری ماں کی جگہ کوئی اور خاتون ہوتیں تو ضیا صاحب جیسے تیز رفتار اور ہمہ وقت مصروف شخص کے ساتھ نباہ نہ کر پاتیں۔ ہماری والدہ بہت نرم اور دھیما پن رکھنے والی خاتون ہیں۔ انہوں نے زندگی میں قدم قدم پر ہماری رہنمائی کی ہمیں حوصلہ دیا۔ میں ایک بات بتاؤں۔ ایک وقت ایسا آیا تھا کہ بھٹو دور میں ضیا شاہد صاحب قید ہو گئے تھے۔ ان دنوں امتنان صاحب ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ہماری والدہ مجھے اور باجی نوشین کو سکول چھوڑنے جاتیں اور پھر واپس لاتیں۔

Marfat.com

اس دوران کبھی اکیلے اور کبھی ہمیں ساتھ لے کر عدالتوں اور کچہریوں میں گھومتی پھرتیں، وکیلوں سے معاملات طے کرتیں، عدالتوں میں ضیا صاحب کی پیشیوں پر موجود ہوتیں، اس کے ساتھ ساتھ ملازمت بھی کرتیں۔ انہوں نے ہمیں احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ والد صاحب کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے۔

خبریں:۔ یونیورسٹی میں جرنلزم کی تعلیم اور اخبار کی عملی زندگی میں کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

عدنان شاہد:۔ ہمارے ہاں جرنلزم بڑی قابل رحم حالت میں ہے جو جرنلزم پڑھائی جا رہی ہے وہ صرف پی آر او بننے میں مدد دیتی ہے۔ جرنلسٹ تیار نہیں کرتی۔ پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کس قسم کا جرنلسٹ تیار کرنا مقصود ہے یا طالب علم جرنلزم کا کون سا شعبہ اختیار کرنا چاہتا ہے؟ کیا وہ حقیقی صحافی بنے گا یا صرف کسی سیاست دان کا سٹینو گرافر رہنا چاہے گا۔ اس کا مقصد صرف پیسہ کمانا نہیں ہونا چاہئے یہ آدھا پروفیشن اور آدھا مشن ہے۔ لہٰذا تعلیم یا تربیت بھی ضرورت کے حساب سے ہونی چاہئے۔

Marfat.com

ایک خط

خبریں کے بہت سے قارئین ایسے ہیں جنہوں نے اپنے خطوط کے ذریعے عدنان شاہد کی وفات پر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ ایسے خطوط تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ کتاب کے آخر میں ہم نمونے کے طور پر پنڈی بھٹیاں سے محترمہ یاسمین شاہد کے نام تحریر کیا گیا ایک خط شامل کر رہے ہیں۔ مکتوب نگار نے جناب عدنان شاہد کے ایک کالم کا تراشہ بھی اپنے خط کے ہمراہ بھجوایا ہے۔ خط کے بعد یہ کالم بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (مرتبین)

محترمہ یاسمین شاہد صاحبہ

السلام علیکم!

اپنی خیریت کا خداوند کریم سے شکر ادا کرتے آپ کی خیریت کیلئے دعا گو ہوں۔

میری عمر بھائی امتنان جتنی ہے' والد صاحب فوج میں شہید ہوئے اور میں 16 سال کی عمر میں سٹیشنری کی دکان سے منسلک ہو گیا۔ اب جوتوں کی دکان خود کر رہا ہوں اور سٹیشنری کی دکان چھوٹا بھائی کر رہا ہے۔ والدہ حیات ہیں ان کی خدمت میں اللہ کرے سرخرو ہوں۔

خبریں کا جب آغاز ہوا تو کچھ عرصے بعد ہی اس سے دوستی ہو گئی جو آج تک قائم ہے۔ جیسے ضیا صاحب کہتے ہیں کہ عدنان بھائی اور امتنان کے علاوہ میرے بیٹے خبریں' خبرون' نیا اخبار وغیرہ ہیں اسی طرح مجھے بھی یہ محسوس ہوتا ہے یہ سب میرے بھائی ہیں' میں بھی ان کے ساتھ ہی بڑا ہوا ہوں۔

Marfat.com

جب مجھے پتہ چلا میرے بھائی عدنان اس دنیا میں نہیں رہے تو اس خبر پر یقین نہیں آرہا تھا۔

عدنان نے جس طرح محنت کی اور اپنے آپ کو اتنی چھوٹی عمر میں پیشے کا ماہر منوایا اس کیلئے کسی تعریف کی ضرورت نہیں' وہ اپنی تعریف آپ تھے۔

ضیا صاحب ٹھیک کہتے ہیں جب آدمی کافی کچھ حاصل کرلیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ میں بہت مضبوط ہو چکا ہوں لیکن انسان سے بڑھ کر کوئی چیز کمزور نہیں ہوتی۔

میں خود سوچ رہا تھا عدنان گئے تو اپنے بابا کے دکھ کیلئے تھے' ان کے سہارے کیلئے گئے تھے اور جس ملک میں وہ اس دار فانی سے گئے وہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دنیا کے بہترین ہسپتال اور مسیحا موجود ہیں لیکن قدرت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ جو قدرت کی منشا ہوتی ہے وہی ہوتا ہے۔ میں عدنان کی اپنی لکھی ہوئی باتیں اور یادیں آپ کو بھیج رہا ہوں اور ان کی اصول پسندی پر مبنی باضمیر کالم آپ کی نذر کر رہا ہوں۔

جس طرح عدنان کا کالم سچا ہے اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی باتیں بھی سچ کے متعلق ہیں۔ میری دعا ہے کہ عدنان کے حروف پہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی کتاب کا سایہ ہے اسی طرح ان کی قبر پر اور آخرت میں بھی سایہ رہے۔ آمین

آپ لوگوں نے عدنان کے نام پر ویلفیئر ٹرسٹ بنا کر بہت اچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ لوگوں کے ہاتھوں زیادہ سے زیادہ لوگوں کا بھلا ہوگا اور اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ طاقت اور ہمت اور مدد نصیب فرمائے۔ آمین

آپ اپنا اور ضیا صاحب کا خصوصی خیال رکھیں اور آپ روضہ رسولؐ پہ ضرور جایئے گا۔ اللہ پاک آپ کو اطمینان اور صبر عطا فرمائے۔

میں خود اس ویلفیئر میں اپنا نام دینا چاہوں گا قبول فرمایئے گا۔

Marfat.com

میرے دل نے یہی چاہا کہ میں آپ کو ہی لکھوں۔ اگر آپ کو ایک بیٹے کی کمی محسوس ہو تو سمجھیے گا آپ کا ایک بیٹا پنڈی بھٹیاں میں بھی رہتا ہے۔ مجھے آپ کی خدمت کر کے خوشی نصیب ہو گی کیونکہ خوش قسمت لوگوں کو ہی اپنی ماؤں کی خدمت نصیب ہوتی ہے۔

اجازت چاہتا ہوں' اپنی دعاؤں میں شامل رکھیے گا۔

میری دعا ہے اللہ تعالیٰ نوفل کو عدنان جیسا لائق اور محنتی اور اس کو عمر خضر عطا فرمائے۔ حفصہ اور فجر بھی سلامت رہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور دین میں ترقی نصیب فرمائے۔

اور اللہ تعالیٰ آپ سب کو دنیا اور آخرت کی آسانیاں نصیب فرمائے اور ان آسانیوں کو تقسیم کرنے کی سعادت حاصل

ہو۔ آمین

آپ کا اپنا بیٹا

جاوید اقبال

نزد پوسٹ آفس عاقل بازار' پنڈی بھٹیاں

Marfat.com

خواب غفلت سے بیداری

ہم میں سے کوئی بھی اپنی آخرت کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ایک بادشاہ اپنے آدمیوں کو حکم دے سکتا ہے اور ایک باپ اپنے بیٹے کو لیکن یاد رکھو کہ تمہیں حکم دے کر کام کروانے والے کتنے ہی بڑے لوگ کیوں نہ ہوں تمہاری روح صرف تمہاری ہے اور تمہارا ضمیر بھی۔ جب تم خدا کے سامنے پیش ہو گے تو اپنے کسی عمل کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے ایسا کرنے کا حکم کسی نے دیا تھا نہ ہی یہ کہہ سکتے ہو کہ اس وقت نیکی کرنا قرین مصلحت نہ تھا (انگریزی فلم Kingdom of Heaven کا ایک ڈائیلاگ)

یہ کالم لکھتے وقت میں خطوط کے انبار میں بیٹھا ہوں۔ یہ تمام خطوط احتجاج اور تنقید پر مبنی ہیں، جو میرے آخری کالم کے بارے میں ہیں۔ میرے زیادہ تر نقادوں کا خیال ہے کہ مجھے ابھی لکھنے کی مزید تربیت کی ضرورت ہے۔ کچھ ناصح فرماتے ہیں کہ میں بطور ایڈیٹر اپنے اخبار میں صرف ایڈیٹوریل لکھ سکتا ہوں کالم نہیں۔ کچھ مہربان اس بات پر ناراض ہیں کہ میں نے پرانے انگریز اور یورپی سورماؤں کی اخلاقیات کو پاکستانی سیاستدانوں پر آزمانے کی جرأت کیسے کی۔ مجھے یہ امید ہے کہ SECP اور قومی اسمبلی کے اعلیٰ وارفع لوگ میری اس ایک جسارت کو معاف کر دیں گے۔ میرا یقین اس وجہ سے ہے کہ میں بطور شہری ان اعلیٰ وارفع لوگوں کی جسارتوں کو روزانہ

Marfat.com

معاف کرتا رہا ہوں۔

پہلے تو یہ میری بد قسمتی ہے کہ میں ذرا آئیڈیل پسند واقع ہوا ہوں۔ زندگی کے اس حصے میں آکر مجھے معلوم ہوا کہ حقیقی دنیا اور آئیڈیل دنیا میں فرق ہے۔ اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اپنے حکمرانوں اور ان کے ساتھیوں کو سچ بولنے یا حکومتی امور میں اصولوں پر عمل کرنے کی نصیحت نہ کروں گا۔ ساتھ ہی یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اصولوں' سچائی اور نیکی کا پرچار کرنے والی فلموں کے بجائے آئندہ صرف Terminator اور Kill Bill جیسی فلمیں دیکھوں گا۔ نہ میرے دماغ میں اصول پسندی کا کیڑا ہوگا اور نہ ہی بار بار مجھے کاٹے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ہر قسم کی کتابوں سے دور رہوں گا اور پڑھنے کا خبط فلمی رسالوں سے پورا کروں گا۔ حقیقی دنیا میں داخلے اور خواب غفلت سے بیداری کا یہی سب سے اچھا طریقہ ہے۔

حقیقی دنیا کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے کہ زندگی گزارنے کا اصلی اور ماڈرن طریقہ یہی ہے۔ شولری' آئیڈیل' سچائی' اصول پسندی جیسی خرافات کیلئے حقیقی دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حقیقی دنیا کا محور تیزی سے سماجی ترقی کی منزلیں طے کرنا ہے۔ اس تیزی سے ترقی کرنے کیلئے ہر قسم کی قربانی دینا پڑتی ہے اور اپنے مزاج کو متلون بنانا پڑتا ہے۔ میں یہ نہ سمجھ سکا کہ متلون مزاج کیا ہوتا ہے۔ پھر میں نے ایک کتاب پڑھی جس کا عنوان تھا "حقیقی دنیا سے تعارف' بے وقوفوں کیلئے۔" اس کتاب کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ حقیقی دنیا میں رہنے کیلئے متلون مزاج بننے کا مطلب کیا ہے۔ راز کھلا کہ متلون مزاج وہ ہوتا ہے جو ہر قیمت پر سماجی ترقی حاصل کرے چاہے اس کیلئے کسی قسم کی قربانی دینا پڑے یا دوسروں کا حق مارنا پڑے۔ متلون مزاج وہ ہوتا ہے جو نہ تو دوسروں کے حق کو مانتا ہے نہ ہی اصولوں کو۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ حق

Marfat.com

مارتے ہوئے یا پھر اصولوں کی قربانی دیتے ہوئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب سے یہ مجھے معلوم ہوا ہے میں اپنا مزاج متلون بنانے کیلئے کوشاں ہوں۔ اب مجھے احساس ہو چکا ہے کہ حقیقی دنیا میں ترقی کرنے کیلئے بہترین اصول وہ ہوتے ہیں جو چند گھنٹوں کے بعد بغیر وجہ تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔ دوستی' عزت' شرافت اور سچائی جیسی چھچھوری چیزوں کیلئے حقیقی دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔

اب جبکہ میری زندگی کا رخ تبدیل ہو چکا ہے تو ہمارے سیاستدانوں کی عیاشیوں' حکمرانوں کے گلچھرے' SECP جیسے اداروں کی اقرباء پروری مجھے سب کچھ جائز نظر آتا ہے۔ اب کسی قسم کی برائی مجھے برائی محسوس نہیں ہوتی کیونکہ میں متلون مزاج کے ساتھ حقیقی دنیا کا باسی ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے حکمران جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ ملک اور قوم کی بہتری کیلئے ہے۔

اب ایک مزے دار بات سنیے۔ کچھ عرصہ قبل پاکستان سے کئی میل دور اسلام آباد نامی ایک شہر میں چند بڑے لوگوں کا اجلاس ہوا۔ یہ بہت ہی بڑے لوگ تھے اور اجلاس کا مقصد پاکستان کے عوام کی قسمت اور حکومت کا فیصلہ کرنا تھا۔ آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ جمہوریہ پاکستان کی حکومت کا فیصلہ کرنا تو عوام کا کام ہے چند لوگوں کا نہیں۔ میں آپ کو یاد کروا دوں کہ ہم سب اس حقیقی دنیا میں رہتے ہیں جہاں آئیڈیل ازم کی کوئی گنجائش نہیں۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اسلام آباد نامی شہر میں ہونے والے اجلاس میں اہم فیصلے ہوئے۔ بات شروع یہاں سے ہوئی کہ موجودہ دور حکومت میں سیاسی حکمرانوں نے اصل حکمرانوں کے کہنے پر تمام کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے ہیں۔ خدا کیلئے اب سیاسی حکمرانوں اور اصلی حکمرانوں کا فرق مت پوچھیے گا۔ یاد ہے نا وہ حقیقی دنیا والی بات؟

Marfat.com

ہاں تو فیصلہ یہ ہوا کہ چونکہ موجودہ سیاسی حکمرانوں نے تمام کام بہت اچھی طرح کیے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ آئندہ اقتدار ان کے بجائے پی پی پی کو سونپا جائے۔ موجودہ حکمران صوبوں پر راج کریں اور مرکزی حکومت پی پی پی کی ہو۔ اس طرح ہو گیا تو کئی پرانے' بھولے بسرے چہرے ڈرائی کلین ہو کر اقتدار کی کرسی پر ہوں گے۔ اب آپ یقیناً یہ پوچھیں گے کہ جب سیاسی حکمرانوں نے اصلی حکمرانوں کے تمام کام بخیر وخوبی سرانجام دیئے تو پھر انہیں مزید اقتدار میں رکھنے کے بجائے تبدیلی کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقی دنیا میں اصول پسندی' دوستی اور آئیڈیل ازم جیسی خرافات کی اجازت نہیں۔ حقیقی دنیا کو متلون مزاجی کی ضرورت ہے کہ سیاسی دوستیاں عین موجودہ وقت کے تقاضوں کے مطابق انتہائی تیزی سے تبدیل کرلی جائیں۔

تو جیسا میں نے بتایا کہ پی پی پی سے تعاون کا سلسلہ شروع ہے۔ پی پی پی کی قیادت کے خلاف سوئس مقدمات میں نرم رویہ اختیار کر کے پہلا قدم اٹھایا گیا۔ جواب میں پی پی پی نے زنانہ حقوق بل پر مدد کی۔ اس طرح یہ حقیقی دنیا کی متلون مزاج شادی خانہ آبادی ہوئی۔ اب یہ ہنی مون کب تک جاری رہے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو آپ جان رکھیں کہ عام آدمی کی حکومت کبھی نہیں آسکتی کیونکہ یہ حقیقی دنیا ہے۔ جمہوریت کے اصول کے مطابق عوام کی جانب سے حکومت تو بنے گی لیکن عوام کیلئے یا عوام کی حکومت کبھی نہیں ہوگی۔ میں آپ کو یہ سو فیصد یقین سے بتا سکتا ہوں کہ حقیقی دنیا میں شوٰری' اصول' دوستی اور شرافت جیسی خرافات کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ یہی ملتون مزاجی کا تقاضا ہے' یہی حقیقی دنیا میں رہنے کا طریقہ۔

شاید آپ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا حقیقی دنیا میں ضمیر نامی چیز کیلئے کوئی جگہ ہے۔ جی ہاں بالکل ہے۔ پاکستان سے کئی میل دور ایک شہر میں ایک بڑے اور پہرے والے گھر

Marfat.com

میں اونچی چھت کے نیچے، مہنگے فرنیچر والے کمرے میں، ایک شیلف کے سب سے اونچے خانے کے کونے میں پڑی ہوئی کتاب کے اندرونی صفحات پر ایک جگہ ضمیر کا ذکر ہے اس سے زیادہ آپ کیا چاہتے ہیں؟

(کالم نگار ''دی پوسٹ'' کے ایڈیٹر ہیں اور اپنی کتابوں اور فلموں کے ذخیرے کو بھٹیار خانے میں دینے والے ہیں تاکہ حقیقی فلموں اور کتابوں کا نیا ذخیرہ بنا سکیں)

Marfat.com

Marfat.com

عدنان شاہد فاؤنڈیشن

مستحقین، محرومین کیلئے
ایک فلاحی ادارہ

مستحق اور معذور افراد کیلئے ویل چیئرز

عدنان شاہد فاؤنڈیشن مستحق افراد کو وہیل چیئرز فراہم کریگی تاکہ وہ کسی پر بوجھ بننے کی بجائے باعزت روزگار کما سکیں اور ان کی مجبوری ان کی محرومی نہ بن جائے۔

طالب علموں کیلئے مفت کتابیں

فاؤنڈیشن ایسے مستحق طالب علموں کیلئے فری کتابیں فراہم کریگی جو آگے پڑھنا چاہیں لیکن ان کی مالی پوزیشن اتنی مستحکم نہ ہو کہ تعلیم کے اخراجات اٹھا سکیں۔

لاوارث لاشوں کی تدفین

لاوارث لاشوں کی تدفین اس فاؤنڈیشن کے ذمہ ہوگی۔ عدنان شاہد فاؤنڈیشن کے کارکن اس کام کے لئے مقامی پولیس اور ضلعی حکومت کے تعاون سے مل کر اس فرض کو ادا کریں گے۔

شعبہ صحافت میں نئے ٹیلنٹ کا تعارف

پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں نئے آنے والے افراد کو بنیادی اور تکنیکی معلومات فراہم کرنے کیلئے ورکشاپس، سیمینارز اور فورمز کروائے جائیں گے جس کی بنیاد خبریں گروپ فراہم کریگا۔

خبریں گروپ کے تمام دفاتر / ضلعی دفاتر اس فاؤنڈیشن
کے ساتھ منسلک کر دیئے گئے ہیں اور ہیڈ آفس لاہور میں بنایا گیا ہے

اب تک مختلف طبقہ فکر سے سینکڑوں افراد فاؤنڈیشن میں ممبر شپ حاصل کر چکے ہیں اگر آپ بھی اس ٹیم کا حصہ بننا چاہیں تو اپنی تجاویز اور اپنا نام رضاکارانہ طور پر اس پتے پر رجسٹر کروائیں

فاؤنڈیشن میں مالی امداد بھجوانے کیلئے اکاؤنٹ نمبر 01-202-1860-0 پر رقوم بھی بھجوائی جاسکتی ہیں

عدنان شاہد فاؤنڈیشن

12 لارنس روڈ لاہور ٹیلیفون نمبر 042-6280578 فیکس نمبر 042-6280799
ای میل ednanshahidfoundation@khabrain.com

Marfat.com